DUE DATE

Cl. No. Acc. No.

Late Fine Ordinary books **25 Paise** per day. Text Book **Re. 1/-** per day. Over Night book **Re. 1/-** per day.

مرکزی دارالعلوم بنارس کا دینی علمی اور ادبی ماہنامہ

ادارة البحوث الاسلامية والدعوة والافتاء بالجامعة السلفية

برگ وبار

جامعہ سلفیہ کا علمی ادبی اور اصلاحی رسالہ

•

پتہ

خط وکتابت کے لیے :- ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب وارانسی

بدل اشتراک کے لیے :- مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب وارانسی

MAKTABA SALAFIA REORI TALAB VARANASI, 221010

ٹیلی گرام - دارالعلوم، وارانسی • ٹیلی فون :- ۶۳۵۷۷

بدل اشتراک

• سالانہ ۲۵ روپئے • ششماہی ۱۳ روپئے

• فی پرچہ ۲/۵۰ روپئے • بیرون ملک سے ۱۵ ڈالر

ناشر :- جامعہ سلفیہ بنارس	طابع :- عبد الوحید	مطبع :- سلفیہ پریس وارانسی

تزئین وکتابت :- انور جمال

ہماری نظر میں

خُطبات محمدی (کامل پانچ حصے)

تصنیف :۔ ترجمان القرآن والسنہ حضرت مولانا محمد صاحب جونا گڈھی رحمہ اللہ

صفحات : ۹۰۴ ۔ قیمت : ۷۵ روپئے ۔ ناشر :۔ الدار السلفیہ ۱۳۔ محمد علی بلڈنگ بھنڈی بازار ۔ بمبئی ۳

مولانا محمد صاحب جونا گڈھی رحمہ اللہ اس قافلۂ حق وصداقت کے ایک جانباز سپاہی بلکہ کمانڈر تھے جو ہندوستان کے ظلمت کدۂ شرک و بدعت میں توحید و سنت کا نور پھیلانے اور قرآن و حدیث کا علم لہرانے کے لیے وجود میں آیا تھا۔ مولانا مرحوم نے اس مقصد کے لیے اپنی ساری زندگی اور زندگی کی ساری صلاحیتیں وقف کر دی تھیں۔ آپ ہندوستان کے خطیب اسلام تھے اور اس سلسلے میں شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک رواں دواں رہتے تھے۔ آپ کتاب و سنت کی ترجمانی اس بے باکی سے کرتے تھے کہ اینٹوں اور پتھروں کی بارش بھی آپ کی زبانِ حق ترجمان کو خاموش نہیں کر پاتی تھی، آپ جہاں تشریف لے جاتے کایا پلٹ جاتی اور سیکڑوں افراد کے دلوں میں شخصیت پرستی کی جگہ اتباع رسول کا جذبۂ صادق کروٹیں لینے لگتا

تقریر و خطابت کی اس ہماہمی اور گرماگرمی کے ساتھ آپ تدریس و تالیف اور ہفت روزہ اخبار محمدی کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ چوں کہ آپ کی ذات اتباع کتاب و سنت کا زندہ جاوید نمونہ تھی اس لیے آپ کی تحریر کی ایک ایک سطر سے بھی اس گل رعنا کی خوشبو پھوٹتی محسوس ہوتی ہے۔ خطباتِ محمدی بھی آپ ہی کا شاہکار ہے، یہ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے اور اس میں زندگی کے تمام گوشوں سے متعلق ۲۲۱ خطبات درج ہیں۔ ان خطبات کی یہ خاص خصوصیت ہے کہ عربی خطبے اور مختصر تمہید کے بعد احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پھر جو کچھ بیان کیا جاتا ہے زبانِ رسالت سے بیان کیا جاتا ہے اور جو بات کہی جاتی ہے اسوۂ رسول کی روشنی میں کہی جاتی ہے۔ جوش و خروش اور لطافت و دلآویزی کا یہ عالم ہے کہ کہیں سے خطابت کا نفسیاتی، صوتی اور خطابی زیر و بم ٹوٹتا نظر نہیں آتا۔ تحریر میں اس معنویت کو پنہاں کر دینا کمال درجے کی عبقریت کی علامت ہے۔

مولانا مختار احمد ندوی نے اسے نہایت ہی اعلیٰ اور معیاری کتابت و طباعت کے ساتھ شائع فرمایا ہے جس سے کتاب کی نفاست و انفرادیت کو چار چاند لگ گئے ہیں اور مولانا اس کارنامے پر مبارکباد اور شکریے دونوں کے مستحق ہیں۔

مولانا سے یہ گزارش بیجا نہ ہوگی کہ جس وقت یہ کتاب تالیف کی گئی تھی حدیث کی بہت سی کتابیں نایاب تھیں اس لیے اغلب ہے کہ بہت سے حوالے بالواسطہ لیے گئے ہیں۔ اب یہ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں اگر ایک بار ان حوالوں کا اصل سے تقابل ہو جائے تو خطبات کی علمی حیثیت اور استنادی قوت میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ واللہ الموافق ●●●

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نہیں مصلحت سے خالی یہ جہان مرغ و ماہی

قرآن مجید میں امت مسلمہ کو خیر امت کہا گیا ہے، اور جہاں یہ بات کہی گئی ہے وہاں امت کو مخاطب کر کے اس کے تین خصوصی اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے ۔ (۱) ایک یہ کہ تم لوگ بھلائی کا حکم دیتے ہو (۲) دوسرے یہ کہ برائی کو روکتے ہو (۳) اور تیسرے یہ کہ اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ امت کسی مخصوص رنگ اور نسل کی بنا پر یا محض کسی نبی یا بزرگ کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر خیر امت نہیں ہو گئی ہے، بلکہ یہ اس بنا پر خیر امت ہے کہ بھلائی اور نیکی کے کاموں سے اسے اس درجہ گہرا تعلق ہے کہ ان کاموں پر نہ صرف یہ کہ خود عمل پیرا ہے بلکہ ساری دنیا کو اسی کی دعوت دے رہی ہے اور اس کی طرف بلا رہی ہے ۔ اسی طرح برائی کے کاموں سے اسے اس درجہ نفرت اور پرہیز ہے کہ نہ صرف خود اس سے کنارہ کش ہے بلکہ ساری دنیا کو اس سے روکنے اور باز رکھنے کی کوشش کر رہی ہے ۔ پھر اس ساری تگ و دو میں وہ اس قدر مخلص ہے کہ اس کے پیچھے کوئی ذاتی مفاد، کوئی اپنی مصلحت اور کوئی دنیاوی غرض کارفرما نہیں ہے بلکہ وہ اپنے ایمان کے تقاضے کی بنا پر ایسا کرتی ہے اور محض اللہ کی رضا اور خوشنودی چاہتی ہے ۔

امت مسلمہ کے اس منصب و مقام اور اس کے کردار و عمل کے اس قرآنی نقشے اور خاکے کو سامنے رکھ کر موجودہ حالات سے اس کا تقابل کیا جائے تو ایک عجیب طرح کا تضاد نظر آئے گا ۔

آپ کسی شہر کے مسلمان محلے یا کسی علاقے کی مسلمان بستی میں تشریف لے جائیں ۔ بے فکری، الڑھ پن اور دیوانگی، و آوارگی کے رنگ میں گھومتے ہوئے بہت سے جوانوں سے آپ کی ملاقات ہو جائے گی ۔ گلی کوچوں میں نالیوں کے اندر اور باہر اور سڑک کے کنارے آپ کو جگہ جگہ پاخانے، پیشاب، گندگی اور کوڑے کرکٹ کے یہ منظر

نظر آئیں گے۔ بلکہ آپ کسی شہر کے مسلم اور غیر مسلم محلوں سے واقف نہیں ہیں تو ان گندگیوں کا ڈھیر، گلیوں کی تنگی اور مکانوں کی خستگی دیکھ کر آپ کو سمجھ لینا چاہیے کہ مسلمانوں کا محلہ ہے۔ دیہاتوں میں آپ دیکھیں گے کہ بچے اور بسا اوقات بڑے بھی اپنے کام ودہن کی لذت کے لیے اور کبھی کبھی اپنی اور اپنے اہل خانہ کی روزی حاصل کرنے کے لیے کسی کے کھیت پر حملہ آور ہیں اور اگر اسی دوران کھیت کا مالک نمودار ہو جائے تو آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ اس کے منھ سے گالیوں کے فوارے ابل رہے ہیں، اسی طرح اگر خدانخواستہ دو شخصوں میں جھگڑا اور تکرار ہو رہی ہو تو آپ بڑی آسانی سے گالیوں کے ٹورنامنٹ کا دلخراش منظر دیکھ سکتے ہیں۔

ٹرین میں اگر آپ کے گرد و پیش بیٹھے ہوئے چند بے فکرے نوجوان کسی لایعنی موضوع پر گپیں ہانک رہے ہوں اور دوران گفتگو کبھی اشاروں میں اور کبھی صراحۃً اپنی عیاشی و بدکاری کی داستانیں چھیڑ رہے ہوں تو آپ سمجھ لیجیے کہ یہ مسلمان ہیں۔

بزرگوں سے لے کر خردوں تک، اونچوں سے لے کر نیچوں تک اور دینداروں سے لے کر بے دینوں تک آپ کسی کی مجلس میں بیٹھ جائیے، چند ہی لمحوں میں کسی مسلم بھائی کے مردار گوشت کی خوراک آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گی۔ برائیوں اور عیوب کا دفتر کھل جائے گا اور ان پر تبصرے کے لیے زبان قینچی کی طرح رواں ہوگی۔

کسی بھی شہر میں سینما ہال کی کھڑکیوں کے گرد و پیش جوانوں کی بھیڑ بھاڑ میں برقعہ پوش خواتین کی خاصی بڑی تعداد کو دھکے کھاتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ بلکہ اب تو جو بے پردہ خواتین نظر آئیں، ان کے بارے میں بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ غیر مسلم ہی ہیں۔

آپ کسی دوکان پر اس جذبے کے تحت سامان خریدنے جائیں کہ یہ بھی اپنے ایک بھائی کی اعانت اور مدد کا ذریعہ ہے تو کچھ عجب نہیں کہ آپ کو دوسری دوکانوں کی بہ نسبت سامان کچھ مہنگا ہی ملے اور خدا اور قرآن کی قسم کھا کر یہ احسان بھی جتلا دیا جائے کہ آپ کو اپنا بھائی سمجھ کر آپ کے ساتھ خاص رعایت کی گئی ہے۔ چند پیسوں کے لیے جھوٹ بولنا اور ایمان بیچنا کتنا آسان ہے، اس کا اندازہ آپ بہت سے مسلم دوکانداروں سے ایک ادنیٰ سے سامان کی خرید و فروخت کے دوران کر سکتے ہیں۔

آپ اگر مزدور، دستکار یا صنعت کار ہیں تو آپ جانتے ہوں گے کہ آپ کے مالکوں اور ساہوکاروں نے آپ کی گاڑھی کمائی سے کچھ نہ کچھ نچوڑ لینے کے لیے کتنے راستے بنا رکھے ہیں۔ اور آپ کا سامان خرید لینے کے بعد کس طرح

مہینوں کی مہینوں آپ کے مال کی قیمت روکے رکھتے ہیں۔ اور آپ کو دوڑاتے پھرتے ہیں۔

اور اگر خدانخواستہ آپ صاحب مال ہیں، اور دست کاروں اور صنعت کاروں کے ہاتھ اپنا مال تیار کراتے ہیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ آپ کے کاریگر اور مزدور اپنی ڈیوٹی کی انجام دہی میں کتنے کوتاہ اور غیر ذمہ دار واقع ہوئے ہیں، اور آپ کا مال خرد برد کرتے میں انھیں کتنی مہارت حاصل ہے۔

آپ اگر عالم ہیں اور کسی بڑے مالدار آدمی کے ساتھ کچھ دیر کے لیے بیٹھنے کا اتفاق ہوگیا تو غالباً سود کا مسئلہ چھڑا ہوگا، اور سودی لین دین کی ضرورت اور اس معاملے میں مجبوریوں کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہوگا کہ گویا سود لیے دیے بغیر زندگی کے راستے مسدود اور ترقی کے تمام امکانات کے دروازے بند ہیں۔ میں نے کبھی کسی غریب یا متوسط طبقے کے آدمی کو نہیں سنا کہ سودی لین دین کی ضرورت کا اظہار کیا ہو۔ لیکن جن لوگوں کے پاس بدہضمی کی حد تک دولت کا انبار ہو، ان کی گفتگو سے ایسا لگتا تھا کہ وہ سود کے بغیر روزی کے سارے دروازے بند سمجھتے ہیں۔

غرض زندگی کے جس شعبے کا بھی جائزہ لیجیے، ہمارا اجتماعی کردار حق و شرافت اور اخوت و انسانیت کے تقاضوں سے دور اور اسلامی احکامات کی خلاف ورزیوں سے بھرپور ملے گا۔ . . . . . میں یہ نہیں کہتا کہ یہ امت بھلائیوں سے کلی طور تہی دامن ہو چکی ہے۔ مگر یہ کہنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتا کہ اس پر شر غالب آچکا ہے اور خیر مغلوب ہو چکا ہے۔

ظاہر ہے اس صورت حال میں تبدیلی اور انقلاب لانے کی کوشش کا اولین ذمہ دار اس امت کا وہ طبقہ ہے جسے انبیاء کا وارث کہا جاتا ہے۔ مگر اس طبقے کی کوششوں کا جو رخ ہے وہ بڑا مایوس کن ہے۔ ان وارثین انبیاء میں ایک بڑا گروہ ان لوگوں کا ہے جو عام مسلمانوں سے ربط تو ضرور رکھتے ہیں مگر ان کے تعلق کی بنیاد اصلاح و تبلیغ نہیں بلکہ اپنے جسم و جان اور تن و لباس کی ضرورتوں کی تکمیل ہے۔ یہ لوگ تبدیلی کا کوئی عملی قدم اٹھانے سے تو یکسر معذور ہیں۔ لیکن ان کی زبان سے نکلی ہوئی آواز کی جو نوعیت ہو سکتی ہے اور وہ جہاں تک پہونچ سکتی ہے اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں۔ البتہ ان وارثین انبیاء کا ایک گروہ ایسا ضرور ہے جسے عقیدت و محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اس کی آواز کان کے پردوں سے آگے جا سکتی ہے۔ مگر ان میں سے کھوکھلے کردار کے لوگوں کو چھانٹ دینے کے بعد بھی۔ مشکل یہ ہے کہ یہ لوگ آسمان کی بلندیوں پر رہتے ہیں اور انھیں جن سے خطاب کرنا ہے وہ بستیوں کے مکین ہیں۔ ان کی تقریریں عربی میں ہوتی ہیں اور ان کے مخاطب معیاری اردو بھی نہیں سمجھتے۔ ان کا

قیام عالمگیر پیمانے کے ہوٹلوں میں ہوتا ہے۔ اور ان سے استفادے کے محتاج لوگوں کو جھونپڑی بھی نصیب نہیں۔ یہ اسلام کے علمبردار مسلم حکمرانوں کے زیر سایہ چلنے والی یونیورسٹیوں میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں کو خطاب کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔ اور اسی اونچی سوسائٹی کے لوگوں سے شاعرانہ اداؤں کے ساتھ الداعیۃ الاسلامی الکبیر کے القاب و خطاب سے پکارے جانے یا نوازے جانے کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ ان ساحل نشینوں کے بجائے کاروبار زندگی کے طوفان سے ٹکرانے اور اس کے تھپیڑے کھانے والوں کو ان داعیانِ اسلام کی حکمت و دانائی کے جواہر پاروں کی ضرورت ہے۔ غرض شکار کہیں ہے اور تیر کہیں اور چلایا جا رہا ہے اور اس کا جو نتیجہ ہے اور جو آئندہ ہو سکتا ہے، وہ کسی تبصرے اور تجزیے کا محتاج نہیں۔ بس عرض ہے کہ ؎

تو ہما کا ہے شکاری ابھی ابتدا ہے تیری
نہیں مصلحت سے خالی یہ جہانِ مرغ و ماہی

●●●

اعلان

۱۔ جملہ خریداروں کے نام ہر ماہ کا محدث پوری پابندی کے ساتھ اچھی طرح دیکھ بھال کر وقت مقررہ پر بھیجا جاتا ہے۔

۲۔ اگر آپ کو کسی ماہ کا پرچہ نہ ملے تو یہ ادارۂ محدث کی لاپرواہی نہیں بلکہ ڈاک کی گڑبڑی کا نتیجہ ہے آپ پرچہ نہ ملنے کی صورت میں پندرہ تاریخ تک انتظار کرکے ایک کارڈ کے ذریعہ ہمیں مطلع کردیں دوبارہ ارسال کردیا جائے گا۔

۳۔ مضامین کے علاوہ تمام معاملات کے سلسلے کی خط وکتابت مینیجر سے کریں۔

۴۔ خط وکتابت میں خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں (مینیجر)

تعمیر مسجد کمیٹی کا اعلان

مقامی جمعیت اہلحدیث جمشید پور کی جانب سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ جناب مولوی محمد اسمعیل خاں صاحب (ناظم تعمیر مسجد کمیٹی) کو نظامت نیز جمعیت کی سفارت سے الگ کردیا گیا ہے۔

لہٰذا جمشید پور کی جمعیت سے متعلق ان سے نہ کوئی معاملہ کیا جائے اور نہ ہی ان کو کسی قسم کا چندہ دیا جائے۔

المعلن

جمعیت اہلحدیث

جمشید پور سنگھ بھوم

آیات و انوار

مشرکین عرب کا شرک

محدث کے پچھلے شمارے میں اللہ تعالیٰ کے متعلق مشرکین عرب کے تصور اور عقیدے کا نقشہ قرآنی آیات کی روشنی میں پیش کیا گیا تھا۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ مشرکین عرب بھی ہم مسلمانوں کی طرح صرف اللہ تعالیٰ ہی کو آسمان و زمین اور ساری کائنات کا خالق اور مالک مانتے تھے۔ ان کا بھی ایمان تھا کہ وہی روزی اور اولاد دیتا ہے بارش برساتا ہے اور پودے اگاتا ہے، سب کچھ اسی کی مٹھی میں ہے۔ وہ جس کو پکڑنا چاہے دنیا کی کوئی طاقت اسے بچا نہیں سکتی، اور جسے بچانا چاہے دنیا کی کوئی طاقت اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ چاند، سورج، تارے سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔ وہ اگر دنیا والوں پر رات ہی رات کر دے تو کسی کی مجال نہیں کہ دن لا سکے، اور اگر دن ہی دن کر دے تو کسی کی مجال نہیں کہ رات لا سکے۔ وہی رات ختم کر کے دن لاتا ہے اور دن ختم کر کے رات لاتا ہے۔ پہاڑ چشمے، دریا، باغات، سب اسی کے بنائے اور اگائے ہوئے ہیں۔ وہی اس کائنات کا سارا نظام چلا رہا ہے وہی مجبوریوں کی آہیں اور فریادیں سنتا ہے اور دعائیں قبول کرتا ہے۔ غرض ان سارے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے متعلق مکہ کے مشرکین کا عقیدہ وہی تھا جو مسلمانوں کا ہے۔

یہاں پہونچ کر فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر مشرکین عرب کے وہ کون سے عقیدے اور عمل تھے جن کی وجہ سے ان کو مشرک قرار دیا گیا، اور ان کی مخالفت مول لے کر عرصہ تک ان کے نہایت سنگین اور بھیانک مظالم سہے گئے، ملک و وطن چھوڑا گیا، جنگیں لڑی گئیں، اور فریقین کے بہت سے افراد خاک و خون کی نذر ہوئے، اور اس وقت تک جنگ کا سلسلہ بند نہ ہوا جب تک مشرکین اپنے ان عقائد و اعمال سے تائب نہیں ہو گئے؟ اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو سب کچھ مانتے ہوئے بھی کچھ دوسری ہستیوں کو بھی

اپنی حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے پکارتے تھے۔ ان سے مرادیں مانگتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔

لیکن اس جواب کی تہ سے پھر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں جنھیں حل کیے بغیر ان کے شرک کا صحیح نقشہ سامنے نہیں آسکے گا۔ پہلا سوال یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ وہ دوسری ہستیاں کون سی تھیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ ان ہستیوں کو کیا سمجھ کر حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے پکارتے تھے؟ تیسرا سوال یہ ہے کہ وہ ان ہستیوں کی عبادت اور پوجا پاٹ کس طرح کرتے تھے؟ چوتھا سوال یہ ہے کہ مشرکین کس مقصد کے تحت ان کی عبادت کرتے تھے۔ اگلی سطور میں ترتیب وار ان سوالوں کے جوابات ملاحظہ فرمایئے۔

پہلا سوال یہ تھا کہ اللہ کے علاوہ وہ دوسری ہستیاں کون سی تھیں جنھیں مشرکین پکارتے اور پوجتے تھے؟ اس سلسلے میں قرآن کے ارشادات یہ ہیں۔ وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنَاهُم مَّا لَهُم بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ۔ (الزخرف: ۱۹، ۲۰) یعنی ان مشرکین نے کہا کہ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان (فرشتوں) کی عبادت نہ کرتے، انھیں اس کا علم نہیں، وہ محض اٹکل دوڑاتے ہیں۔

اور ایک اور جگہ ارشاد ہے۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ۔ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم، بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ (سبا: ۴۰، ۴۱) اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے پھر فرشتوں سے کہیں گے کہ یہی لوگ تو ہیں جو تمھاری پوجا کرتے تھے۔ فرشتے کہیں گے (خدایا!) تو پاک ہے تو ہی ہمارا ولی ہے۔ یہ لوگ نہیں ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت جن (شیطان) کی پوجا کرتے تھے اکثر انھیں پر ایمان رکھتے تھے۔

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ مشرکین فرشتوں کی پوجا کرتے تھے۔ سورہ فرقان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ فَيَقُولُ أَأَنتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ، قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنبَغِي لَنَا أَن نَّتَّخِذَ مِن دُونِكَ أَوْلِيَاءَ ○

اور جس دن اللہ ان (مشرکین) کو اکٹھا کرے گا اور جن کو اللہ کے سوا یہ پوجتے ہیں (انھیں بھی اکٹھا کرے گا) پھر پوچھے گا کہ کیا تم لوگوں نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا، یا وہ خود ہی راستے سے بھٹک گئے تھے؟ وہ کہیں گے

کہ اے اللہ تو پاک ہے ہمارے لیے درست نہ تھا کہ ہم تیرے سوا کسی اور کو ولی بناتے ۔

سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے ۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۔ یعنی مشرکین جن لوگوں کو پکارتے ہیں وہ لوگ خود اللہ تعالیٰ کے قرب کی تلاش میں رہتے ہیں اور اس فکر اور کوشش میں رہتے تھے کہ کون اللہ تعالیٰ کا زیادہ مقرب ہے اور اسی کی رحمت کی امید رکھتے تھے اور اس کے عذاب سے ڈرتے تھے ۔ تیرے رب کا عذاب واقعی ڈرنے کی چیز ہے ۔

قرآن کی ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ مشرکین جن ہستیوں کی عبادت کرتے تھے اور جن کو مدد کے لیے پکارتے تھے وہ محض لکڑی پتھر کی مورتیاں نہ تھیں بلکہ وہ مکمل باشعور مخلوق یعنی ایسی نیک ہستیاں اور ایسے بزرگ لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم تھے ۔ اسی کو اپنا مولیٰ مانتے اور جانتے تھے ، اس کی عبادت میں لگے رہتے تھے تاکہ اس کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کر لیں ۔ انھیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید بھی لگی رہتی تھی اور عذاب کا خوف بھی ۔ ظاہر ہے کہ یہ خصوصیت لکڑ پتھر کی بے جان مورتیوں کی نہیں ، بلکہ بزرگانِ دین ، اولیائے کرام اور اللہ کے سچے پکے اور نیک بندوں کی ہے ۔ لہٰذا ان آیات سے معلوم ہوا کہ مشرکین ، اولیاء اور بزرگوں کی بھی پوجا کرتے تھے ، اس کی مزید تفصیل ہمیں حدیث ، تفسیر اور سیر کی کتابوں سے ملتی ہے ۔

چنانچہ صحیح بخاری ص ۶۱۴ ج ۲ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا تو خانہ کعبہ کے گرد رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بتوں کو توڑ ڈالا اور کعبہ کے اندر رکھے ہوئے بتوں کو نکلوایا تو اس میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی مورت بھی نکالی گئی ۔ ان کے ہاتھ میں فال کے ذریعہ قسمت معلوم کرنے کے تیر تھے آپ نے ان دونوں پیغمبروں کی مورت تڑوا دی ، اور فرمایا کہ ان پیغمبروں نے پانسے کے تیر کبھی استعمال نہیں کیے ۔

سورہ نوح میں قوم نوح کے چند معبودوں وَدّ ، سواع ، یغوث ، یعوق اور نسر کا تذکرہ نام لے کر کیا گیا ہے ان کے متعلق صحیح بخاری ص ۷۳۲ ج ۲ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں بتلایا گیا ہے کہ یہ سب بزرگانِ دین کے نام ہیں ۔ ان کے وفات پا جانے کے بعد لوگوں نے ان کی قبروں کی مجاوری شروع کر دی اور پھر ان کے بت بنا لیے گئے ، کتب سیرت میں مذکور ہے ۔ کہ ۔ جب عرب میں بت پرستی کا دار دورہ شروع ہوا تو عمرو بن لحی نے

ان ہستیوں کے بت لاکر مختلف قبیلوں میں پھیلا دیا۔

قرآن مجید کی سورہ نجم میں لات، عزیٰ، اور مناۃ کا ذکر ہے۔ یہ مشرکین عرب کے تین مشہور بتوں کے نام ہیں۔ لات کے بارے میں صحیح بخاری ص ۲۰، ج ۲ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کان اللات رجلا یلت سویق الحاج۔ یعنی لات ایک آدمی تھا جو حاجیوں کا ستو گھولا کرتا تھا۔ یہ شخص درحقیقت مکہ اور طائف کے درمیان حاجیوں کے راستے میں ایک سفید چٹان پر بیٹھا رہتا تھا اور گزرنے والے حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔ جب یہ انتقال کر گیا تو وہیں دفن کر دیا گیا۔ چٹان اس کی قبر پر رکھدی گئی۔ اور آستانہ بنا دیا گیا۔ لوگ نذریں وغیرہ چڑھانے لگے۔ یہاں کوئی مورتی نہیں بنائی گئی تھی۔

خلاصہ یہ کہ مشرکین عرب، فرشتوں کو، پیغمبروں کو، اولیائے کرام کو، بزرگان دین کو، صالحین اور نیکوکار انسانوں کو جنھیں وہ خدا کا مقرب اور مقبول بارگاہ سمجھتے تھے، اپنی حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے پکارتے تھے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔ کبھی بت بناکر اور کبھی قبروں اور آستانوں کی شکل میں۔ لیکن اصل اہمیت بتوں اور آستانوں کی نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ اس ہستی کی ہوتی تھی جس کا بت یا آستانہ بنایا جاتا تھا۔ البتہ جب کسی ہستی کا بت یا آستانہ بن جاتا تھا تو وہ بھی بلکہ اس کے قریب کے درخت وغیرہ بھی مقدس اور متبرک سمجھے جانے لگتے تھے۔ چنانچہ عزیٰ کے آستانے پر ببول کے تین درخت تھے، لوگ ان کی بھی تعظیم کرتے تھے، اور اس کی ڈال وغیرہ نہیں توڑتے تھے کہ اگر توڑیں گے تو تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کو بھیجا۔ وہ آستانہ ڈھاکر درخت کاٹے بغیر چلے آئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے کچھ نہیں کیا۔ دوبارہ جاکر، حضرت خالد نے ایک کالی بھجنگ پراگندہ بال والی عورت کو دیکھا۔ اسے قتل کر دیا اور درختوں کو کاٹ ڈالا اور واپس آکر روداد سنائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں یہی عزیٰ ہے۔ مشرکین کے ایک اور مقدس درخت کا بھی تذکرہ ملتا ہے جسے ذات انواط کہتے تھے۔ یہ بیر کا درخت تھا۔

اب دوسرے سوال کو لیجیے کہ مشرکین عرب ان ہستیوں یعنی فرشتوں، پیغمبروں اور اولیائے کرام وغیرہ کو کیا سمجھ کر حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے پکارتے اور ان کی پوجا کرتے تھے؟ قرآن کے مختلف بیانات سے اس کا جو جواب نکلتا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین سمجھتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت ہی مقرب اور مقبول بارگاہ ہستیاں ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی بات سنتا ہے مانتا ہے۔ اور اگر وہ کسی کے بارے میں

سفارش کردیں تو اللہ تعالیٰ اسے رد نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے خود ان ہستیوں کو بھی بعض بعض معاملات میں تصرف کرنے کا اختیار دے رکھا ہے۔ مثلاً اولاد اور روزی دینا، بیمار کو تندرست کرنا، مصیبتیں اور بلائیں ٹالنا بگڑی بنانا۔ لڑائی میں اپنے ماننے والوں کو فتح اور دشمن کو شکست دینا۔ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ مشرکین کو جنگ احد میں کامیابی ہوئی تو ابوسفیان نے ہبل کی جے پکارنے کے بعد نعرہ لگایا کہ لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم۔ (صحیح بخاری ۲/۵۷۹) یعنی ہمارے لیے عزیٰ ہے، تمھارے لیے عزیٰ نہیں۔ مشرکین سمجھتے تھے کہ عزیٰ دیوی جنگ میں ہم کو فتح اور مخالفین کو شکست دیتی ہے۔ اسی لیے یہ نعرہ لگایا گیا تھا۔

اب مزید سنیے! سورۂ زمر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ، وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ۔ کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں؟ اور یہ مشرکین اس کے سوا دوسروں سے تم کو ڈراتے ہیں۔ (مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکیاں دیتے تھے کہ تم ہمارے معبودوں کو ناکارہ کہنے سے باز آجاؤ ورنہ کسی دن یہ تمھیں تباہ و برباد کر ڈالیں گے۔)

چوں کہ مشرکین کا خیال تھا کہ ہم جن ہستیوں کو پوجتے ہیں انھیں بگڑی بنانے اور نفع نقصان پہونچانے کی طاقت ہے۔ اسی لیے اللہ نے ان کے اس خیال کی جگہ جگہ تردید کی ہے۔ ارشاد ہے يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا۔ (سورہ فرقان) یعنی یہ اللہ کے سوا ایسوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ نقصان پہونچا سکتے ہیں نہ نفع پہونچا سکتے ہیں اور کافر درحقیقت اپنے رب کا مخالف ہے۔

ایک جگہ فرمایا گیا قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ۔

(اے پیغمبر!) آپ کہدیں کہ تم لوگ اللہ کے علاوہ جن کو سمجھتے ہو پکار دیکھو۔ وہ آسمان و زمین میں ذرے برابر بھی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے اور آسمان و زمین میں ان کی کوئی شرکت نہیں اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے۔ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا۔ (اے پیغمبر!) آپ کہدیجئے کہ اللہ کے علاوہ جن ہستیوں کو تم نے سمجھ رکھا ہے انھیں پکار دیکھو۔ وہ تم سے تکلیف دور کرنے اور پھیر دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔

اس مضمون کی آیتیں قرآن میں بہت ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ مشرکین ان ہستیوں کو یعنی فرشتوں پیغمبروں اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے اور اسی خیال کی بنا پر انھیں پکارتے ان سے التجائیں کرتے اور ان کی دہائیاں دیتے تھے۔ قرآن نے بتایا کہ ان کو سرے سے اس طرح کا کوئی اختیار نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی کی پکار اور فریاد سن سکتے ہیں، نہ کسی کا کچھ بنا بگاڑ سکتے ہیں۔

اس جگہ ایک اور نقطہ واضح کردینا ضروری ہے۔ مشرکین ان ہستیوں میں نفع نقصان پہونچانے اور تصرف کرنے کا جو اختیار مانتے تھے وہ کچھ لامحدود اور خدائی اختیار کے برابر نہیں مانتے تھے بلکہ کچھ خاص دائروں اور خاص علاقوں میں محدود سمجھتے تھے۔ اسی لیے سمندر میں جب ان کا جہاز ڈوبنے لگتا تو وہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر صرف اللہ کو پکارتے۔ ارشاد ہے: وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ، فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ہ یعنی جب تم کو سمندر میں ضرر پہونچتا ہے تو اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے تھے ان سب کو بھول جاتے ہو۔ لیکن جب وہ تمھیں نجات دے کر خشکی پر لاتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بڑا ناشکرا ہے۔

اس مضمون کی بعض اور آیتیں بھی ہیں جن سے معلوم ہے کہ مشرکین سمندر کے اندر ان ہستیوں کی کارفرمائی نہیں سمجھتے تھے۔

اسی طرح مشرکین ان ہستیوں میں جو کچھ اختیار مانتے تھے وہ ذاتی اور مستقل نہیں مانتے تھے بلکہ اصل مالک تو وہ اللہ ہی کو مانتے اور سمجھتے تھے، البتہ ان کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی اختیار میں سے کچھ ان ہستیوں کو بھی دیدیا ہے۔ چنانچہ قرآن کا بیان ہے۔ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۱۰ یعنی اے پیغمبر) آپ کہیے کہ کس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ (بتاؤ) اگر تم لوگ جانتے ہو۔ وہ کہیں گے کہ (یہ سارا اختیار) اللہ کے لیے ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے قبضے اور اختیار میں مانتے تھے، پس دوسروں کو ان کے عقیدے کے مطابق جو کچھ اختیار ملا وہ لازماً اللہ کے دینے سے ملا۔ اس کی مزید وضاحت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ مشرکین حج کے موقع پر لبیک پکارتے ہوئے۔ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ کے بعد

یہ بھی کہتے تھے کہ الا شریکا هو لك تملكه وما ملك۔ (دیکھیے صحیح مسلم ص ۳۷۶ ج ۱) یعنی (اے اللہ) تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسا شریک جو تیرے ہی قبضے میں ہے۔ تو اس شریک کا بھی مالک ہے، اور اس شریک کے اختیار میں جو کچھ ہے اس کا بھی مالک ہے۔

مشرکین کے اس لبیک سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنے جن شرکاء کو پوجتے تھے انھیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی طاقت اور اختیار میں شریک مانتے جو طاقت و اختیار دوسری مخلوق کو حاصل نہیں ہے مثلاً وہ چاہیں تو آگ سرد ہو جائے۔ اٹھ کہدیں تو مردہ زندہ ہو جائے اور اٹھ کر بیٹھ جائے۔ وغیرہ۔ اسے ہم خدائی تصرف یا کن فیکون والی طاقت کہہ سکتے ہیں۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مشرکین اپنے شرکاء میں اس طرح کی جو طاقت اور جو اختیار مانتے تھے وہ ذاتی نہیں مانتے تھے۔ بلکہ ان کا ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ طاقت دی ہے۔ اور یہ طاقت پانے کے بعد بھی وہ ہمہ وقت اللہ کے قبضے اور اختیار میں ہیں۔ یعنی ان کی طاقت اور ان کا اختیار عطائی ہے اور اللہ کی ماتحتی میں ہے۔

اب تیسرا سوال لیجیے کہ مشرکین ان ہستیوں کی یعنی فرشتوں، پیغمبروں، بزرگوں اور اولیائے کرام کی عبادت اور پوجا پاٹ کس طرح کرتے تھے، اس کا جواب قرآن مجید میں بڑی وضاحت اور تفصیل سے ملتا ہے۔ جو یہ ہے

(۱) مشرکین نے ان ہستیوں کے جو بت یا آستانے بنا رکھے تھے وہاں کچھ خاص لوگ مجاور بن کر بیٹھے رہتے تھے اور یہ طریقہ قدیم زمانے سے رائج تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے پوچھا تھا کہ مَا تَعْبُدُوْنَ؟ تم لوگ کیا پوجتے ہو؟ اس کے جواب میں انھوں نے کہا تھا۔ نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ۔ ہم بت پوجتے ہیں، ان کے مجاور بنے بیٹھے رہتے ہیں۔

(۲) ایک خاص دن ایسا مقرر رہتا تھا جس میں عام لوگ ان آستانوں کی زیارت کے لیے میلے اور عرس کی شکل میں جمع ہوتے تھے۔ جسے حج یعنی زیارت کہتے تھے۔ یہ طریقہ بھی دور قدیم سے رائج تھا۔ قرآن کا بیان ہے کہ جب بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات ملی اور وہ دریا پار کر کے آگے بڑھے تو فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤى اَصْنَامٍ لَّهُمْ۔ وہ لوگ ایک قوم کے پاس پہونچے جو اپنے بتوں پر جماؤ کیے ہوئے تھے۔" یعنی اس کی زیارت کے لیے میلہ یا عرس لگائے ہوئے تھے۔

زیارت کے اس خاص دن کے علاوہ بھی مختلف لوگ اپنی مختلف اغراض اور ضروریات کے تحت تقریباً

روزانہ ہی ان آستانوں پر حاضر ہوتے تھے اور عاجزی و نیازمندی کے ساتھ مختلف قسم کی حرکتیں کرتے تھے۔ مثال کے طور پر:

(۳) وہ لوگ مذکورہ بالا ہستیوں کے نام پر بنے ہوئے بتوں اور آستانوں کو سجدہ کرتے تھے۔ اللہ نے اس سے سختی کے ساتھ منع کیا اور اپنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ فَاسْجُدُوا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوا۔ اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۔ سورج اور چاند کو سجدہ مت کرو، اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انھیں پیدا کیا ہے۔ اگر واقعی تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

(۴) سجدہ کے علاوہ وہ لوگ بتوں اور آستانوں کا طواف بھی کرتے تھے۔ لات، مناۃ اور ذی الخلصہ کے گرد طواف کا تذکرہ حدیث و تفسیر اور سیرت کی کتابوں میں بڑی تفصیل سے ملتا ہے۔ مناۃ کی زیارت کرنے والے تو بیت اللہ کا طواف کر کے صفا و مروہ کے درمیان دوڑ ہی نہیں لگاتے تھے بلکہ مکہ سے لبیک لبیک پکارتے ہوئے قدید میں مناۃ کے آستانے پر پہونچ کر مناۃ کا طواف کرتے تھے۔ ادھر جو لوگ صفا و مروہ کا طواف کرتے تھے وہ بھی اس طواف کا مقصود اساف اور نائلہ نامی دو بتوں کو ٹھہرا لیتے تھے۔ اسی لیے اسلام کی آمد کے بعد صحابہ کرام کو صفا و مروہ کے طواف میں تامل ہوا۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۔ یعنی صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس پر کوئی حرج نہیں کہ ان دونوں کا (یعنی صفا اور مروہ کا) طواف کرے۔ (کیوں کہ اسلام میں یہ طواف اساف و نائلہ کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے ہو رہا تھا۔)

(۵) طواف کے علاوہ ان آستانے والی ہستیوں کے نام پر نذر اور قربانی کا بھی بڑا وسیع سلسلہ جاری تھا قربانی کا ان کے یہاں دو طریقہ تھا۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ جانور آستانے پر لے جا کر ذبح کرتے تھے۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ جانور کو تو آستانے پر نہ لے جاتے بلکہ اپنے گھر پر یا میلے میں یا کسی بھی جگہ ذبح کر دیتے۔ البتہ ذبح کرتے وقت اللہ کے بجائے اس ہستی کا نام لے لیتے تھے۔ قرآن مجید میں ان دونوں قسم کے ذبیحوں کو حرام قرار دیا گیا۔ چنانچہ سورہ مائدہ کی تیسری آیت میں حرام جانوروں کی قسمیں بتاتے ہوئے کہا گیا۔ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۔

یعنی وہ جانور بھی حرام ہے جس پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام لیا گیا ہو اور فرمایا گیا کہ وَمَاذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ۔یعنی وہ جانور بھی حرام ہے جسے آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔ سورۂ انعام میں فرمایا گیا۔ وَلَا تَاکُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۔جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسے بالکل نہ کھاؤ۔ وہ فسق ہے (یعنی حرام ہے ۔) ثابت بن ضحاکؓ کا بیان ہے کہ ایک آدمی نے بوانہ میں اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی تھی انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا تو آپؐ نے دریافت کیا کہ کیا وہاں جاہلیت کا کوئی بت پوجا جاتا تھا؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیا وہاں ان کا کوئی میلہ اور تہوار لگتا تھا ۔؟ لوگوں نے کہا نہیں ۔ آپؐ نے فرمایا اپنی نذر پوری کرلو ۔ اور یاد رکھو کہ اللہ کی معصیت میں کوئی نذر پوری نہیں کرنی ہے ۔ اور نہ ایسی نذر پوری کرنی ہے جس کا انسان مالک نہ ہو ۔ (ابو داؤد)

(۶) ذبح کے علاوہ ان ہستیوں کے لیے نذر ماننے اور چڑھاوے کا جو سلسلہ تھا اس کی نشاندہی بھی قرآن میں کی گئی ارشاد ہے ۔ وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا ۔ یعنی اللہ نے جو کھیتی اور چوپائے پیدا کیے ہیں، ان میں سے ایک حصہ مشرکین نے اللہ کے لیے مقرر کیا اور ایک حصہ اپنے شرکاء کے لیے ۔ پھر کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے ۔ ان کے خیال میں ۔ اور یہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے ۔

خلاصہ یہ کہ وہ غلے اور چوپائے کی پیداوار سے اللہ کے نام پر بھی نذر نکالا کرتے تھے اور ان ہستیوں کے نام پر بھی جنھیں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے، پھر نذر کے لیے نکالے ہوئے غلے اور جانور کو کھانے کے سلسلے میں اور اس جانور کو استعمال کرنے کے سلسلے میں کچھ خاص پابندیاں تھیں جن کی طرف اللہ نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے ۔ وَقَالُوا هٰذِهِ اَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَا يَطْعَمُهَا اِلَّا مَنْ نَشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَاَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ ۔ یعنی مشرکین کہتے، ان چوپایوں اور غلوں کو استعمال کرنا منع ہے، ان کو کوئی نہیں کھا سکتا ۔ مگر جس کو ہم چاہیں ۔ اپنے خیال میں ۔ اور کچھ چوپائے ہیں جن پر سوار ہونا حرام ہے ، اور کچھ چوپائے ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے ۔ یہ سب اللہ پر افترا ہے ۔ (خلاصہ یہ کہ نذر کے چوپائے اور غلے عام غلوں اور چوپایوں کی طرح استعمال نہیں کیے جاسکتے تھے ۔ ان کا خاص مصرف اور الگ ضابطہ تھا ۔)

مشرکین کے یہاں جانوروں کی نذر ماننے کے کچھ اسباب و مواقع بھی مقرر تھے، اور اسی مناسبت سے ان کا ایک خاص نام مقرر ہوتا تھا۔ امام المغازی محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ کوئی اونٹنی جب دس مرتبہ مسلسل مادہ بچہ ہی جنتی تو اسے آزاد چھوڑ دیا جاتا، نہ اس پر سواری کی جاتی، نہ اس کا بال کاٹا جاتا، نہ مہمان کے سوا کوئی اس کا دودھ پیتا۔ اس اونٹنی کو سائبہ کہا جاتا تھا۔ اگر یہ اونٹنی اس کے بعد بھی مادہ بچہ دیتی تو اس بچے کا کان چیر کر اسے بھی ماں کے ساتھ آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ نہ سواری کی جاتی، نہ بال کاٹا جاتا، نہ مہمان کے سوا کوئی اس کا دودھ پیتا، اسے بحیرہ کہتے تھے۔

اگر کوئی بکری پانچ پیدائش میں دس مادہ بچہ جنتی، درمیان میں کوئی بھی نر نہ ہوتا تو اس بکری کو وصیلہ کہتے تھے اور آئندہ اس بکری سے جو کچھ پیدا ہوتا اسے مرد کھاتے، عورتیں نہ کھائیں۔ البتہ اگر مردہ ہوتا تو دونوں کھاتے

اگر کسی نر اونٹ کی جفتی سے دس بار مسلسل مادہ بچہ پیدا ہوتا تو وہ اونٹ آزاد کر دیا جاتا، نہ اس کی سواری کی جاتی نہ بال کاٹا جاتا، نہ کوئی کام لیا جاتا۔ اسے حامی کہتے تھے۔ (سیرت ابن ہشام ص ۸۹، ۹۰ ج ۱)

شہرہ آفاق تابعی حضرت سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ یہ سارے جانور مشرکین کے معبودوں کے لیے ہوا کرتے تھے (یعنی ان کے نام پر بطور نذر چھوڑے جاتے تھے۔) (صحیح بخاری ص ۴۹۹ ج ۱)

اللہ تعالیٰ نے ان سب پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۔ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۖ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۔ یعنی اللہ نے نہ بحیرہ بنایا ہے نہ سائبہ نہ وصیلہ، نہ حامی، لیکن کافر لوگ اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

دوسرے سوال کے سلسلے میں اب تک کی تفصیلات سے یہ واضح ہوا کہ مشرکین اللہ کے علاوہ دوسری ہستیوں یعنی فرشتوں، پیغمبروں، اولیائے کرام، بزرگانِ دین اور بحکم اور انسانوں کی جو پوجا کرتے تھے، اس کا طریقہ یہ تھا کہ ان ہستیوں کے آستانوں پر کچھ حضرات مجاور بن کر بیٹھ رہتے تھے۔ اور عام لوگ میلے اور عرس کی شکل میں کسی خاص دن ان کی زیارت کرتے تھے۔ اس کے علاوہ عام ایام میں بھی حاضری و زیارت کا سلسلہ چالو رہتا تھا۔ زیارت کرنے والے بڑی عاجزی اور نیازمندی سے پیش آتے تھے، آستانوں کو سجدہ کرتے تھے کبھی ان کے گرد چکر لگاتے تھے۔ کھجور، غلے اور کھانے کی چیزیں، دودھ وغیرہ ان پر نذر کے طور پر چڑھاتے تھے۔ جانور قربان کرتے تھے اور جانور کو ان کی نذر مان کر آزاد چھوڑ دیتے تھے .... یہی سب اللہ کے

علاوہ دوسری ہستیوں کی عبادت اور پوجا پاٹ تھی، جسے مشرکین نے اختیار کر رکھا تھا۔

اب چوتھا اور آخری سوال باقی رہ جاتا ہے کہ مشرکین کس مقصد کے تحت ان کی عبادت کرتے تھے۔ قرآن میں اس کا بیان بھی بہت صاف لفظوں میں موجود ہے۔ ارشاد ہے۔ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاءُ نَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ (سورہ یونس ۱۸) یعنی یہ (مشرکین) اللہ کے سوا ایسی ہستیوں کو پوجتے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہونچا سکتی ہیں نہ نفع۔ اور کہتے ہیں یہ لوگ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔

مشرکین آخرت کے قائل نہ تھے اس لیے ان کا یہ مطلب نہ تھا کہ قیامت کے روز ہماری سفارش کر کے بخشوائیں گے۔ بلکہ یہ مطلب تھا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کہہ سن کر ہماری مرادیں پوری کرا دیتے ہیں۔ مصیبتیں ٹلوا دیتے ہیں یعنی حاجت روائی و مشکل کشائی کرا دیتے ہیں۔ سورہ زمر آیت ۳ میں ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ یعنی اللہ کے سوا دوسری ہستیوں کو جن لوگوں نے ولی بنایا ہے۔ (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔

خلاصہ یہ کہ مشرکین کے نزدیک ان مقرب بارگاہ الٰہی ہستیوں کی عبادت کے دو مقصد تھے۔ ایک یہ کہ وہ مشرکین کو اللہ کے قریب کر دیں اور دوسرے یہ کہ وہ اللہ سے کہہ سن کر ان کی مرادیں پوری کرا دیں اور ان کی حاجت روائی و مشکل کشائی ہو جائے۔ یعنی یہ ہستیاں اصل معبود نہ تھیں، بلکہ اللہ اور بندے کے درمیان وسیلہ تھیں۔

اب تک قرآن مجید کی روشنی میں جو کچھ عرض کیا گیا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کو سب کچھ ماننے کے بعد پیغمبروں اور اولیائے کرام وغیرہ کو خدا کی عطا کی ہوئی کچھ خاص قوت و اختیار کا مالک، اللہ کی قربت کا وسیلہ اور اپنی مرادوں کی تکمیل اور حاجت روائی و مشکل کشائی کا ذریعہ سمجھ کر انھیں پکارتے تھے، ان سے فریادیں کرتے تھے اور انھیں خوش رکھنے کے لیے، مختلف قسم کی نذر و نیاز پیش کرتے تھے۔ یہی مشرکین عرب کا شرک تھا۔ اس پر قرآن نے کڑی نکتہ چینی کی۔ اس کو مٹانے کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے اور اللہ نے اس کے بارے میں فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ۔ اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا جس چیز کو چاہے گا بخش دے گا۔ پس ہر مسلمان کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے کہ کہیں وہ خود تو اس میں مبتلا نہیں ہے، اگر مبتلا ہے تو فوراً توبہ کرنی چاہیے، ورنہ آخرت یقینی طور پر برباد ہو جائے گی۔

●●●

سُنّت ابراھیمی کے آداب

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ، وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذی الحجہ کے دس دن کوئی بھی دن ایسا نہیں ہے کہ اس میں (ذی الحجہ کے) ان دس دنوں سے بڑھ کر نیک عمل اللہ کے نزدیک محبوب ہو۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں۔ سوائے اس صورت کے کہ کوئی آدمی اپنی جان اور اپنا مال لے کر نکلے اور کچھ بھی لے کر واپس نہ ہو۔ (بخاری)

تکبیرات ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بھی دن اللہ کے نزدیک نہ ذی الحجہ کے دس دنوں سے بڑھ کر عظیم ہے نہ اس میں کوئی عمل ان دس دنوں سے زیادہ محبوب ہے، لہٰذا ان دس دنوں میں کثرت تسبیح (تہلیل اور تحمید و تکبیر کہو۔ (معجم کبیر طبرانی)

ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ دونوں حضرات ذی الحجہ کے دس دنوں میں بازار جاتے تو وہاں بھی تکبیر کہتے تھے اور ان کی تکبیریں کر دوسرے لوگ بھی تکبیر کہتے تھے (بخاری، تعلیقا، سنن بیہقی)

تکبیر کا وقت ۱۳ ذی الحجہ کے آخر دن تک ہے اور تکبیر کہنے کے لیے نماز کے بعد وغیرہ کا کوئی وقت مخصوص نہیں ہے جب ہو سکے کہے۔

بال اور ناخن ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ذی الحجہ کا چاند دیکھ لے اور قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو اپنے بال اور ناخن بالکل نہ ترا شے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اضحیٰ کے دن عید منانے کا حکم دیا گیا ہے، اسے اللہ نے اس امت کے لیے مقرر کیا ہے۔ ایک صحابی نے کہا۔ یہ فرمایئے کہ اگر میرے پاس صرف

دوسرے شخص کا آدھا دیا ہوا جانور ہے تو کیا میں اس کی قربانی کر سکتا ہوں؟ ۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں ۔ البتہ تم اپنا بال اور ناخن تراش لو، مونچھ کاٹ لو اور زیر ناف مونڈ لو ۔ یہی اللہ کے نزدیک تمھاری مکمل قربانی ہے ۔ (ابوداؤد، نسائی)

قربانی سنت ابراھیمی ہے

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! یہ قربانی کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تمھارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے ۔ صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! ہمیں اس میں کیا ملے گا، آپؐ نے فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی ۔ صحابہؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول اگر اون ہو تو؟ آپ نے فرمایا: اون کے ہر روئیں کے عوض ایک نیکی ۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

قربانی کی اہمیت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نحر کے دن (یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو) کوئی بھی عمل اللہ کے نزدیک (قربانی) کا خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ۔ قربانی کرنے والا قیامت کے روز قربانی کی سینگ اس کے بال اور اس کی کھروں سمیت آئے گا ۔ (یعنی قربانی کے ان بے مصرف اجزا کو بھی نیکی کی میزان میں تولا جائے گا) اور خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ کے نزدیک (رضا اور قبول) کی جگہ لے لیتا ہے ۔ بس خوشی خوشی قربانی کرو ۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

قربانی کی تاکید

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: جو شخص وسعت رکھتے ہوئے بھی قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے ۔ (مسند احمد، ابن ماجہ)

ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں دس سال قیام کیا ۔ آپ (ہر سال) قربانی کرتے ۔ (جامع ترمذی)

قربانی کے جانور کی عمر

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ دانتا ہوا جانور ہی ذبح کرو (یعنی: ہی جانور ذبح کرو جن کے اگلے پیدائشی دانت گر چکے ہوں ۔) ہاں اگر مشکل ہو تو بھیڑ کا جذعہ (یعنی ایک سالہ بچہ) ذبح کر سکتے ہو ۔ (مسلم)

قبیلہ بنی سلیم کے ایک حضرت مجاشع کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بھیڑ کا ایک سالہ بچہ بھی وہ کام دے سکتا ہے جو کام دانتا ہوا جانور دیتا ہے ۔ (یعنی اس کی قربانی بھی درست ہے (ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ)

قربانی کے جانور کے اوصاف

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم کان آنکھ اچھی طرح دیکھ لیں اور ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان آگے سے کٹا ہو یا پیچھے سے کٹا ہو یا لمبائی میں چیرا ہوا ہو۔ یا سوراخ کیا ہوا ہو۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ بھی بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے جانور کی قربانی کرنے سے منع کیا ہے جس کی سینگ ٹوٹی ہوئی ہو۔ یا کان کٹا ہوا ہو۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کس طرح کے جانوروں کی قربانی سے بچا جائے۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ چار طرح کے (۱) ایسا لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن واضح ہو (۲) ایسا کانا جس کا کانا پن واضح ہو (۳) ایسا بیمار جس کی بیماری واضح ہو (۴) ایسا دبلا جانور جس میں گودا نہ ہو۔ (یعنی صرف ہڈی چمڑا رہ گیا ہو۔)

(موطا مالک، مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دفعہ) دو سینگ دار بکرے بدھیا کیے ہوئے مینڈھوں کی قربانی کی۔ (مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بعض دفعہ سینگ دار نر مینڈھے کی قربانی کرتے جو خصی یا بدھی نہیں ہوتا وہ سیاہی میں دیکھتا، سیاہی میں کھاتا اور سیاہی میں چلتا تھا۔ (یعنی اس کی آنکھ اور منھ کے ارد گرد اور اس کے پاؤں سیاہ تھے۔)

قربانی کا وقت

جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید اضحی میں حاضر ہوا۔ آپ جوں ہی نماز سے فارغ ہوئے اور سلام پھیرا دیکھا کہ قربانی کا گوشت حاضر ہے جسے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی ذبح کر دیا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے نماز (دوگانہ) پڑھنے سے پہلے جانور ذبح کیا ہے اب وہ اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو نماز پڑھی، پھر خطبہ دیا، پھر قربانی کی اور فرمایا کہ جس شخص نے نماز پڑھنے سے پہلے جانور ذبح کر دیا ہے وہ اس کی جگہ

دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے پہلے) ذبح نہیں کیا ہے وہ (اب اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔ (بخاری مسلم)

حضرت براء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہمیں دس ذی الحجہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد خطبہ دیا، آپ نے فرمایا جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہماری قربانی کی اس نے تو قربانی کی لیکن جس نے نماز سے پہلے ہی قربانی کر دی تو یہ محض گوشت کی بکری ہوئی۔ اس پر ابو بردہ بن نیار اٹھے، انھوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! میں نے تو خدا کی قسم نماز کے لیے نکلنے سے پہلے ہی قربانی کر دی ہے۔ مجھے یہ معلوم تھا کہ آج کا دن کھانے پینے کا دن ہے اس لیے میں نے جلدی کر دی۔ پھر خود بھی کھایا، بال بچوں کو بھی پڑوسیوں کو بھی کھلایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ تو گوشت کی بکری ہوئی۔ انھوں نے کہا میرے پاس بکری کا ایک جذعہ (تقریباً ایک سالہ) بچہ ہے اور وہ گوشت کی دو بکریوں سے بہتر ہے۔ کیا یہ میری طرف سے کام دے سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، لیکن تمھارے بعد کسی کے کار آمد نہیں ہو سکتا۔ (یعنی یہ اجازت انہی کے لیے مخصوص تھی۔) (ابو داؤد)

قربانی میں حصے

ابن عباس رضی اللہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے اور عید اضحیٰ آگئی تو ہم لوگ گائے میں سات سات آدمی اور اونٹ میں دس دس آدمی شریک ہوئے۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

ایک گھر کی طرف سے ایک قربانی

میزبان رسول حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرتا تھا، جسے سب کھاتے تھے اور کھلاتے تھے یہاں تک کہ لوگوں نے فخر اور بڑھاوا اور برتری شروع کر دی تو اب جو حالت ہے اسے تم دیکھ رہے ہو۔ (ابن ماجہ، ترمذی)

شعبی ابو سریحہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے اکھڑ پنے پر مجبور کر دیا ہے۔ حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ سنت کیا تھی۔ ایک گھر والے ایک یا دو بکری کی قربانی کر لیتے تھے۔ لیکن اب ہمارے پڑوسی (اس پر) ہمیں بخیل کہتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سارے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری ذبح کرتے تھے۔ (مستدرک حاکم)

ابو طلحہ رض کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چتکبرے مینڈھوں کی قربانی کی۔ پہلے پر عن محمد و

آل محمد کہا (یعنی یہ محمد اور ان کے گھر والوں کی طرف سے ہے۔) دوسرے پر عمن امن بی وصدقنی من امتی کہا (یعنی یہ میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے ہے جو مجھ پر ایمان لائے اور میری تصدیق کی۔)
(مصنف ابن ابی شیبہ، مسند ابویعلی)

قریب قریب یہی بیان حضرت انس کا ہے۔ آپ نے پہلے ھٰذا من محمد و اھل بیتہ کہا (یہ محمد اور ان کے گھر والوں کی طرف سے ہے) اور دوسرے پر ھٰذا عمن وحد ک من امتی کہا (یہ میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے ہے جنھوں نے تیری توحید کی۔) (مصنف ابن ابی شیبہ)

مسلم اور ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے ذبح کرتے ہوئے یہ کہا بسم اللہ، اللّٰھم تقبل من محمد و آل محمد ومن امۃ محمد۔ (اللہ کے نام سے۔ اے اللہ! محمد، آل محمد اور امت محمد کی طرف سے قبول فرما۔)

میت کی طرف سے قربانی

حنش تابعی کہتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا دو مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے۔ میں نے کہا یہ کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں، تو میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ (ابوداؤد، ترمذی، حدیث متکلم فیہ ہے)

قربانی کے ایام

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ تشریق کے سارے دنوں میں قربانی ہے۔ (۱۱، ۱۲، اور ۱۳، ذی الحجہ کے دن تشریق کے دن کہلاتے ہیں۔) (ابن حبان، بیہقی، بزار، دارقطنی، مسند احمد۔ متعدد طرق کی وجہ سے روایت قابل اعتبار ہے)

اس مفہوم کی دو حدیثیں ابن عدی نے کامل میں اور بیہقی نے السنن (۲۹۶/۹) میں ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہیں۔ دونوں ضعیف ہیں مگر ایک دوسرے کو قوت پہونچاتی ہیں۔ ایک حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس کے راوی ثقہ ہیں۔

قربانی کا گوشت

فکلوا منھا واطعموا القانع والمعتر۔ خود بھی کھاؤ اور ضرورت مند اور غیر ضرورت مند یا سائل اور غیر سائل سبھی کو کھلاؤ۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس شخص نے (باقی ص ۳۶ پر)

امریکہ میں نئی خرافات

مُردوں کے نام خطوط

نور عظیم ندوی

نوع انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لیے خدا کی نازل کی ہوئی کتابوں اور اس کے مبعوث کیے ہوئے انبیاء کی تعلیمات سے انسان اعراض کرتا ہے تو اس کی قسمت میں جہالت کی تاریکیاں ہی آتی ہیں۔ ہدایت کا سرا ہاتھ سے چھوٹتا ہے تو ضلالت و گمراہی کی پُرپیچ وادیوں میں بھٹکنا اور تباہی و بربادی کے غاروں میں گرنا مقدر ہو جاتا ہے۔ وماذا بعد الحق الا الضلال؟ اور اس سے بڑی ضلالت یا جہالت اور کیا ہوگی کہ انسان اپنے رب کو، اپنے خالق اور معبود کو نہ پہچانے اور اپنے آپ کو اور اپنے فرائض کو نہ سمجھ سکے، معبود حقیقی کی معرفت ہی تمام علوم و معارف کا سرچشمہ ہے اگر اسی میں غلطی ہو گئی تو انسان جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتا ہی رہتا ہے۔ یہ جہالت بہت سی حماقتوں اور خرافات کو جنم دیتی ہے! اور بعض اوقات انسان اوہام پر یقین و اعتماد کرنے لگتا ہے جن کا عقل و فہم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا ہے۔ انسان کی یہ کمزوری قدیم زمانوں میں، یا جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکنے والی قوموں یا علم و ثقافت سے محروم انسانوں کے لیے خاص نہیں۔ خرافات و اوہام کے پیچھے اللہ کی ہدایت سے محروم انسان پہلے بھی دوڑتا تھا اور آج بھی اس سے نجات نہیں پا سکا، یہ کمزوری ان معاشروں اور ایسے انسانوں میں بھی نظر آتی ہے، جنھیں علم و ثقافت سے بہرہ وافر ملا ہے، جو تہذیب و تمدن میں دنیا کی قیادت کر رہے ہیں جو سائنس اور ٹیکنولوجی میں اعلیٰ ترین مقام پر پہونچ چکے ہیں، جن کی حیرت انگیز ایجادات و اختراعات کا شمار مشکل ہے

جو چاند ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں اور سمندر جن کے سامنے پایاب ہیں لیکن خدا کی بتلائی ہوئی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور ہدایت کی روشنی سے محروم ہیں، ان میں ضلالت و گمراہی کی جو مختلف شکلیں اور اخلاقی مفاسد پھیلے ہوئے ہیں وہ الگ رہے ان میں ایسی خرافات جنم لے رہی ہیں اور تیزی سے پھیل رہی ہیں کہ معمولی سمجھ بوجھ کا انسان بھی ان پر ہنس پڑے۔

آجکل امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں علم و ہنر کے مرکز میں ایسی خرافات پھیل رہی ہیں کہ انسان ان پر ہنسنے یا ان کی "ترقی یافتہ عقل" پر ماتم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ایک ریاست کیلی فورنیا میں ان دنوں ایک نئی تجارت فروغ پارہی ہے۔ یہ تجارت اپنے انداز کی بالکل نئی ہے۔ ابھی چند ماہ قبل اس کی ابتدا ہوئی ہے لیکن بہت تیزی کے ساتھ پروان چڑھ رہی ہے اور مختلف طبقات کے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور ایک نفع بخش کاروبار کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ یہ کاروبار ہے مُردہ انسانوں کے نام خطوط اور پیغامات بھیجنے کا۔

ہندو پاک میں بعض بزرگوں کے مزارات پر نادان مسلمان اپنی ضرورتیں اور التجائیں لکھ کر ڈالدیا کرتے ہیں، وہ اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے اسی قسم کے شرکیہ اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں، لیکن امریکہ میں لوگوں کو بیوقوف بنا کر ڈالر کمانے کا اس سے بھی زیادہ "ترقی یافتہ" طریقہ نکالا ہے۔ چند ماہ قبل وہاں ایک ادارہ قائم ہوا ہے جس کا نام ہے۔ "انجمن سماوات" (Heavens Union)۔ اس ادارہ نے مردہ انسانوں کے نام خطوط اور پیغامات بھجوانے کا کاروبار شروع کر رکھا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے کسی مردہ دوست یا عزیز کو شدت سے یاد کر رہا ہے اور اس سے اظہار محبت کرنا چاہتا ہے یا اپنے تعلق و وفاداری کا یقین دلانا چاہتا ہے یا کسی عظیم شخصیت کو خراج تحسین پیش کرنا چاہتا ہے یا کسی طرح کا کوئی پیغام بھیجنا چاہتا ہے تو اس کے لیے مذکورہ ادارہ کی خدمات حاصل ہیں وہ خط لکھے اور اپنے دستخط کے ساتھ مذکورہ بالا ادارہ کے حوالہ کردے، خط مطلوب شخص کو بھیج دیا جائے گا۔ اور ہاں سے کام یوں کہ دشوار اور سفر لمبا ہے، اس لیے اس کے اخراجات ادا کرنا نہ بھولیں۔

اس ادارہ "انجمن سماوات" کے جنرل مینجر ایک صاحب "گب گالور" ہیں جو فوت شدہ اعزہ و اقارب سے محبت رکھنے والوں کی یہ عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ یہ خطوط و پیغامات وہ دستی بھیجتے ہیں۔ کیوں کہ زمانہ خراب آگیا ہے اور ڈاک کا کوئی اعتبار نہیں۔ پھر مرنے اپنا پوسٹ بکس نمبر بھی نہیں بتلاتے، اس لیے اس کام کے لیے وہ ایسے مریضوں کا

انتخاب کرتے ہیں جن کا اس دنیا سے سفر یقینی ہو۔ وہ خطوط یا پیغامات اپنے ساتھ لے جائیں گے اور مطلوب افراد کو تلاش کر کے انھیں پہونچا دیں گے، اور یقینی بات یہ ہے کہ وہ اپنی مزدوری بھی لیں گے، وہ بھی پیشگی یعنی اسی دنیا میں۔ لیکن اس ڈاک کی کوئی جوابی رسید کی توقع فضول ہے کیوں کہ مراسلت یکطرفہ ہے۔

جنرل مینیجر کا کہنا ہے کہ پالتو جانوروں کی طرف سے ان کے فوت شدہ مالکان کے نام پیغامات قبول نہیں کیے جائیں گے، پیغامات صرف انسانوں کے قبول کیے جائیں گے۔ اور کیا پتہ یورپ یا امریکہ کا نکتہ آفریں ذہن ان بیچارے جانوروں کے درد و غم کا مداوی بھی ڈھونڈ نکالے اور ان کے لیے کوئی الگ ایجنسی کھل جائے یا گب کا بور صاحب ہی اپنے ادارہ کی کوئی شاخ ان جانوروں کے لیے بھی کھولدیں۔ فی الحال تو ان کے خیال میں جانوروں کے پیغامات بھیجنا مذاق ہوگا۔ گویا انسانوں کی جو خدمت وہ انجام دے رہے ہیں وہ بہت ہی سنجیدہ اور معقول کام ہے۔

جنرل مینیجر صاحب نے کاروبار کی شروعات اپنے آنجہانی اقربا کے نام پیغامات سے کی۔ سب سے پہلے انھوں نے اپنی ماں کو پیغام بھیجا پھر اپنے پسندیدہ ایک شاعر کو۔ پچھلے ماہ دسمبر سے ابتک اس ادارہ کے ذریعہ پانچ سو سے زائد خطوط عالم آخرت کو بھیجے جا چکے ہیں۔ زندگی سے مایوس چار مریضوں نے خطوط اور پیغامات اپنے ساتھ لیے اور اس دنیا سے رخصت ہو گئے کہ لوگوں کے اعزہ و اقارب کو عالم آخرت میں تلاش کر کے ان کو پہونچا دیں گے۔ ان لوگوں نے اپنی مزدوری اسی دنیا میں وصول کر لی اور "انجمن سماوات" نے اپنا کمیشن بھی۔

اس ادارہ کا صدر مقام لاس انجلس کے مضافات میں "گرانڈا ہلز" میں ہے۔ جنرل مینیجر کا کہنا ہے کہ ہمارا ادارہ قانون کے مطابق رجسٹرڈ ہے اور اس کے کاغذات ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ موصوف ۳۵ سال کے جوان ہیں۔ چندیا صاف اور چمکتی ہوئی ہے لیکن ڈاڑھی بھرپور ہے، اس ادارہ کے قیام کا نیک خیال ۱۹۸۰ء میں آیا جبکہ ان کی ماں کو فوت ہوئے کل چھ ماہ گزرے تھے۔ ہوا یوں کہ ان کی ماں کی ایک سہیلی اسپتال میں پڑی سرطان جیسے موذی و مہلک مرض کا ناکام مقابلہ کر رہی تھی۔ یہ اپنی بچی کے ساتھ اس عورت کی عیادت کو گئے اور اس مریضہ سے دیر تک باتیں کرتے رہے، دوران گفتگو مریضہ نے ان کی بچی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ تمھاری ماں کو معلوم ہوتا کہ اس کی اتنی بھولی بھالی اور پیاری سی پوتی بھی ہے تو وہ کتنا خوش ہوتی "گب" کی زبان سے نکل گیا۔ کیا آپ اتنی مہربانی کریں گی کہ میری ماں کو اس کی اطلاع دیدیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہدیں کہ میں اس کی محبت میں تڑپ رہا ہوں اور اس کو یاد کر کے رو دیا کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر دونوں رو پڑے۔ گب کی ماں کا انتقال بھی سرطان ہی میں ہوا تھا۔

یہ اس کاروبار کی ابتدا تھی ۔ پھر ادارہ قائم ہو گیا ۔ اس وقت اس ادارے کے پاس مختلف قسم کے چھپے ہوئے فارم ہیں جو گلاب کے سرخ سرخ پھولوں سے مزین ہیں اور ان پر "انجمن سماوات ۔ دوسری دنیا کو خطوط" چھپا ہوا ہے ۔ ضرورتمند حضرات کوئی فارم منتخب کرکے اس کی خانہ پری کرکے دیدیتے ہیں ۔ جنرل مینیجر اور ان کے تین معاونین فارم کمپیوٹر میں داخل کرتے ہیں اور دوسری دنیا کے مسافروں کو تلاش کرکے ان کے حوالے کر دیتے ہیں ۔ اور جنرل مینیجر کے قول کے مطابق ان مسافرین ۔ مریضوں ۔ کا انتخاب نفسیات کے ڈاکٹر کرتے ہیں ۔ مریضوں سے ان خطوط کی نقل پر دستخط بھی لیے جاتے ہیں تاکہ ثبوت رہے کہ خطوط ان کے حوالہ کر دیے گئے ۔

ظاہر بات ہے کہ یہ ادارہ محض "خدمت خلق" یا "ثواب آخرت" کے لیے تو قائم ہوا نہیں ہے، اس کا اصل مقصد تجارت ہے ۔ اس اعتبار سے اس کے نرخ بھی متعین ہیں مثلاً ایک سو الفاظ پر مشتمل خط کے ساٹھ ڈالر ۔ پچاس الفاظ پر چالیس ڈالر ۔ یہ تو عام خطوط کے نرخ ہیں، اگر جلدی ہو یعنی EXPRESS بھیجنا ہو تو پچاس الفاظ سے ایک سو ڈالر اور سو الفاظ کے ایک سو پچیس ڈالر ادا کرنے ہوں گے ۔ قاصد یعنی اس دنیا سے کوچ کرنے والے مریض کو صرف ۱۰ فی صد ملے گا جو وہ پیشگی وصول کرے گا ۔ کیوں کہ اس کو لوٹ کر تو آنا نہیں ہے ۔

ادارہ کے جنرل مینیجر مسٹر گب کہتے ہیں کہ بیشمار لوگ جو اپنے مردہ عزیزوں کو خطوط بھیجتے ہیں وہ اپنے خطوط کے جوابات کی تمنا کرتے ہیں اور ان سے اس سلسلہ میں مدد کی درخواست کرتے ہیں ۔ اور کیا پتہ مسٹر گب یا ان جیسا کوئی اور ذہین شخص لوگوں کو احمق بنانے کا کوئی اور نسخہ تلاش کرے اور عالم غیب سے پیغامات وصول کرکے زندہ انسانوں تک پہونچانے کا ڈھونگ رچالے ۔

قرون وسطیٰ میں مسیحی پادریوں نے اسی طرح عوام کو احمق بنا کر بے پناہ دولت کمائی تھی وہ سادہ لوح مسیحی عوام کے ہاتھوں مغفرت نامے بیچا کرتے تھے اور اس تجارت میں ان "اللہ کی راہ" میں زندگی وقف کرنے والوں نے سونے چاندی کے انبار اکٹھا کر لیے تھے ۔ اس زمانہ میں بعض پادریوں کے پاس اتنی دولت جمع ہو گئی تھی کہ بڑے بڑے بادشاہ اس کا خواب ہی دیکھا کرتے تھے ۔ اور یہ ساری دولت اکٹھا ہوتی تھی مسیحی عوام کو احمق بنا کر ۔ بیچارے سادہ لوح عوام عذاب آخرت کے خوف اور جنت کے شوق میں یہ مغفرت نامے خریدتے تھے ۔ ان کا تو مرنے کے بعد جو بھی حشر ہوا لیکن پادری اس دنیا ہی میں جنت کے مزے لوٹ رہے تھے ۔ پھر ان "جنت کے ٹھیکیداروں" نے جنت کی زمین بھی بیچنی شروع کر دی تھی اور لوگ اپنی استطاعت کے مطابق گز اور بیگھوں کے حساب سے جنت میں جگہ

(باقی صفحہ ۳۶ پر)

کچھ آہِ سحر گاہی کچھ فضل یداللّٰہی

مولانا عبد الرؤف صاحب جھنڈانگری

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ○

یعنی اللہ کے نیک بندے وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی خوشنودی کے لیے سجدہ اور قیام میں رات کا بڑا حصہ بسر کرتے ہیں۔

اس آیت سے اہل ایمان کی ایک خاص صفت قیام اللیل کا حال معلوم ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر خلفائے راشدین و دیگر صحابۂ کرام تک اس قیام لیل میں سجدہ و قیام پر مسلسل عمل پیرا رہے۔ قرآن کریم میں ان کی اس شب بیداری و قیام و سجود کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے۔

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ

یعنی وہ اپنے بستروں پر آرام کرنے کے بجائے اپنے رب کو خوف و محبت کے ملے جلے جذبات سے پکارتے ہیں اور اس کی دی ہوئی روزی سے خرچ کرتے ہیں۔

ایک اور آیت میں اس طرح ارشاد ہے: وَكَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ اللَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ○ یعنی وہ لوگ رات میں تھوڑی دیر سویا کرتے تھے اور غدا سے بوقت صبح بخشش مانگا کرتے تھے۔ ——— قصائد منیریہ میں ایسے اللہ کے نیک بندوں کا حال لکھا ہے۔

بہت کم کھاتے پیتے ہیں ۔ بہت کم شب کو سوتے ہیں ۔
ہمیشہ کام ہے رونا ، منیر اس کے یگانوں کا

قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد گرامی ہے: وَمِنَ اللَّيْلِ

ایک واقعہ

فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا. (بنی اسرائیل ع ۸) ــــــ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی شب بیداری وقیام لیل وتہجد میں بسر فرمائی۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ مسجد نبوی میں تشریف لے جا رہے تھے، رات تاریک تھی اور مسجد میں لائٹ کا انتظام نہ تھا۔ کئی صحابی قیام اللیل وتہجد کے لیے موجود تھے، ان میں سے ایک صحابی کو آپ کے پاؤں سے ٹھوکر لگ گئی۔ صحابی رض نے لاعلمی کی بنا پر برجستہ کہا کہ تم اندھے ہو؟ دکھائی نہیں دیتا؟ نبی کریم نے فرمایا کہ اندھا تو نہیں ہوں لیکن رات کی تاریکی میں تمھیں ٹھوکر لگ گئی اس کی معافی چاہتا ہوں۔ صحابی نے جب سنا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو معذرت کر رہے ہیں تو بے حد نادم ہوئے اور کہنے لگے، یا رسول اللہ مجھ سے گستاخی کے کلمات لاعلمی میں سرزد ہو گئے ہیں۔ میں بڑے ادب سے معافی چاہتا ہوں، آخر ہر ایک نے دوسرے کو معاف کیا۔ پھر بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مطمئن نہ ہوئے اور نماز تہجد وغیرہ سے فارغ ہو کر ان صحابی کو اپنے گھر لے گئے کہ رات تم نے مروت سے معاف کیا تھا، میں چاہتا ہوں کہ دل کی پوری خوشی سے معاف کر دو۔ یہ کہہ کر حضور اٹھے اور بکریوں کے باڑھ کی طرف گئے اور چالیس بکریاں دے کر فرمایا کہ ان بکریوں کو گھر لے جاؤ اور میری غلطی ولغزش کو دل سے معاف کر دو۔ صحابی نے کہا کہ میں نے پہلے ہی دل کی خوشی سے معاف کر دیا تھا اور اب بھی بخلوص قلب معاف کرتا ہوں۔

(مسند دارمی)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اعلیٰ صحابہ قیام اللیل کے لیے مسجد نبوی روضۃ من ریاض الجنۃ میں جمع ہوا کرتے تھے۔ اور قیام اللیل کا برابر اہتمام فرماتے رہتے تھے۔

حضرت عمر فاروق کا ایک واقعہ

ایک بار حضرت عمر فاروق رض مسجد نبوی میں قیام لیل ونماز تہجد کے لیے حاضر ہوئے تو رات کی تاریکی میں ایک صحابی کو آپ کے پاؤں سے ٹھوکر لگ گئی۔ صحابی بولے یہ کون ہے بالکل اندھا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رض نے فرمایا کہ اندھا تو نہیں ہوں لیکن غلطی ضرور ہو گئی ہے، اس کی معافی چاہتا ہوں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے عمر رض کے جواب کو اس طرح نقل کیا ہے:

نہ کورم ولیکن خطا رفت کار گنہ از من آمد گنہ در گزار

یعنی میں اندھا تو نہیں لیکن غلطی بہرحال ہو گئی ہے جس کی تم سے معافی چاہتا ہوں۔

آپ کی معذرت وطلب عفو پر وہ شخص بڑا نادم ہوا اس نے خود معذرت کے ساتھ معافی چاہی کہ اگر میں جانتا کہ آپ ہی کے پاؤں سے مجھ کو ٹھوکر لگی ہے تو ہرگز مجھ کو کوئی اعتراض نہ ہوتا لیکن اب گستاخی ہو چکی ہے تو معافی چاہتا ہوں، آخر ہر ایک نے ایک دوسرے کو معاف کیا۔ حضرت عمرؓ نے قیام لیل وتہجد ونماز فجر کی جماعت وغیرہ سے فراغت حاصل کی تو ان صحابی کو اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گئے اور کہا آپ نے مجھ کو مروت وظاہر داری میں معاف کر دیا ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ دل کی رضامندی سے مجھ کو معاف کر دیں۔ یہ کہہ کر عمرؓ فاروق نے درم سے بھری ہوئی ایک تھیلی ان کے حوالہ فرمائی اور کہا کہ اسے سفر حج کے لیے بطور خرچ قبول کیجیے اور مجھ کو دل کی خوشی سے معاف کر دیجیے۔ (منتخب کنز العمال)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ جس طرح قیام اللیل وتہجد پر عمل پیرا تھے ویسے ہی دوسرے اصحاب کرام بھی نماز تہجد وشب خیزی پر عمل پیرا رہے ہیں۔

قیام اللیل وشب بیداری

حافظ ابن القیمؒ نے کتاب الروح میں نقل فرمایا ہے کہ سفیان ثوریؒ کو کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ خدا نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انھوں نے دو شعروں میں اپنا ماجرا بیان کیا کہ خدا نے مجھ سے فرمایا کہ تم میرے لیے شب کی تاریکیوں میں اور رات کی تنہائیوں میں قیام لیل وتہجد گزاری کرتے تھے لہٰذا میں اختیار دیتا ہوں کہ جنت کے جس محل میں تم چاہو رہ سکتے ہو۔

فقد كنت قواما اذا الليل قد دجا　　بعبرة محزون وقلب عميد،

فدونك فاختر اى قصر تريده　　وزرنى فانى منك غير بعيد

(تم رات کی تاریکی میں اشک غمگین اور دل حزین کے ساتھ قیام کرتے تھے لہٰذا جو محل چاہو منتخب کر لو اور میری زیارت کرو۔ میں تم سے دور نہیں ہوں۔)

ایک طالب علم کسی تعلق سے ایک بار امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں رات میں مہمان ہوئے، امام صاحب نے کھانا کھلانے اور بستر وغیرہ بچھانے کے بعد طالب علم کی چارپائی کے پاس پانی کا لوٹا رکھ دیا۔ صبح آپ اٹھے تو دیکھا کہ لوٹے میں پانی بدستور رکھا ہوا ہے۔ پانی خرچ نہ ہونے پر طالب علم سے پوچھا کہ تم رات میں نہیں اٹھے، کوئی نماز نہیں پڑھی؟ طالب علم نے کہا کہ میں قیام اللیل وشب خیزی کا عادی نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا: سبحان الله رجل يطلب العلم

ثم لایکون لہٗ ورد فی اللیل ۔ (صفوۃ الصفوہ ومناقب احمد لابن الجوزی)

(سبحان اللہ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی آدمی علم دین کا طالب ہو اور پھر رات میں اس کا کوئی وظیفہ نہ ہو)، طول سجدہ وقیام اور عبادت گزاری وشب بیداری بڑی نعمت ہے، یہ نعمت آج بھی جس کو حاصل ہو جائے اسے دولت کونین حاصل ہے کسی عارف خدا نے ملک نیم روز کے عطیہ کو واپس کرتے ہوئے بادشاہ وقت کو یہ شعر لکھا تھا ۔

زانگہ کہ خبر یافتم از ملک نیم شب ۔ من ملک نیم روز بیک جو نمی خورم !

یعنی جب سے نیم شب میں اٹھنے کی دولت نصیب ہوگئی ہے ۔ ملک نیم روز کی میرے نزدیک ایک جو برابر بھی قیمت نہیں رہ گئی ہے ۔ علامہ اقبال مرحوم نے شب بیداری واشک سحرگاہی سے متعلق کیا خوب لکھا ہے ۔

بے اشک سحرگاہی تقویم خودی مشکل ۔ یہ لالۂ پیکانی خوشتر ہے کنار جو ۔

(۴) وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۔

(اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سے جہنم کا عذاب ہٹا دے ، بیشک اس کا عذاب سخت تر ہے ۔)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ خدا کے نیک بندے جہنم سے پناہ مانگتے ہیں ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین وصحابہ کرام وتابعین عظام ومحدثین وائمہء دین سب کے سب عذاب جہنم سے پناہ مانگا کرتے تھے ۔ نبی کریم کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف تھے لیکن توبہ واستغفار اور عذاب جہنم سے دور رہنے کی دعاؤں میں آپ ہمیشہ مشغول رہتے تھے ۔

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ تم کو ایک اچھی دعا بتلاتا ہوں ، تم اسے اپنی دعاؤں میں ہمیشہ پڑھتے رہو ۔ حضرت انسؓ نے کہا ارشاد فرمائیے اے اللہ کے نبی ۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ اپنی ہر نماز کے بعد رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ پڑھا کرو ، یعنی اے میرے رب مجھے دنیا وآخرت کی بھلائی نصیب کر اور جہنم کی آگ سے بچا ۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ اس دعا کو اپنا معمول بنائے رکھا اور اگر کوئی خاص دعا کرنی ہوتی تھی تو اس

خاص دعا کو پڑھ کر پناآتنا ... ، ضرور پڑھتا ہوں ، اس التزام میں کبھی کوئی فرق واقع نہیں ہوا ۔ (منتخب کنز العمال)

عذابِ جہنم سے پناہ مانگنے کا واقعہ

عذابِ جہنم سے پناہ مانگنے کے لیے قرآن کریم میں ارشاد ہوا کہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (تحریم) ۔ (اے اہل ایمان اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جن پر غلیظ اور سخت فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور جس بات کا انھیں حکم دیا جاتا ہے بجالاتے ہیں ۔)

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ وغیرہ اجلہ صحابہ آخرت کے خوف سے اور عذاب جہنم کے ڈر سے اس قدر روتے تھے کہ آنکھوں میں نشان پڑ گئے ۔

حضرت عمر فاروق رضؓ بسا اوقات آگ سے اپنا ہاتھ قریب کر دیتے اور فرماتے اے ابن الخطاب! کیا تو آگ کی جلن سہ سکے گا اور کیا تو خدا کی ناراضگی دفع کرنے کی قدرت رکھتا ہے، پھر نارِ جہنم سے اللہ کی پناہ مانگتے ۔

(سیرۃ الحسن بصری ص ۶۳)

یہ حال تھا عمر فاروق کے خوف کا جنھیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل چکی تھی اور ایک حال یہ ہے ہماری بے فکری کا کہ جہنم کا ہمیں کوئی خوف ہی نہیں ہے ۔

حضرت عمر رضؓ جہنم کے عذاب سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خوف رہتا تھا ، صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ابوموسیٰ اشعریؓ سے مخاطب ہو کر کہا ۔ کیوں ابوموسیٰ ، تم اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ جو اسلام لائے ، ہجرت اختیار کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہر جگہ موجود رہے ان تمام باتوں کا صلہ ہم کو یہ ملے کہ برابر سرابر چھوٹ جائیں ، یعنی نہ ہم کو ثواب ملے نہ عذاب ۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا ، نہیں میں اس پر راضی نہیں ہوں ۔ ہم نے بہت سی نیکیاں کی ہیں اور ہم کو بہت کچھ امید ہے ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں تو صرف اس قدر چاہتا ہوں کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ جائیں اور مرتے وقت یہ شعر پڑھتے تھے ۔

ظلوم لنفسی غیر انی مسلم   اصلی الصلوٰۃ کلھا و اصوم

یعنی میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ مسلمان ہوں نمازیں پڑھتا ہوں اور روزے رکھتا ہوں ۔

ضرار بن حمزہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پچھلے پہر کی نماز میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا کہ وہ محراب میں اپنی ڈاڑھی پکڑے ہوئے کھڑے ہیں اور اس طرح بے قرار و بے چین ہیں جس طرح مار گزیدہ انسان بے قرار و بے چین رہتا ہے اور اس طرح روتے ہیں جس طرح کوئی آفت رسیدہ غمزدہ رو رہا ہے۔ (صفۃ الصفوہ لابن الجوزی ص ۱۲۲)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ایک نوجوان کے پاس سے گزرے جو بہت ہنس رہا تھا۔ فرمایا، کیا بیٹا تم نے پل صراط پار کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا، کیا تمھیں معلوم ہو گیا ہے کہ تم جنت میں جاؤ گے یا جہنم میں؟ کہا نہیں۔ فرمایا، خدا تمھارا بھلا کرے پھر کیسے ہنس رہے ہو، حالانکہ معاملہ نہایت ہولناک ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پھر وہ نوجوان کبھی ہنستا ہوا نہیں دیکھا گیا۔ (سیرۃ حسن بصری لابن الجوزی)

عبداللہ بن مبارک کے خوف خدا کا ایک منظر

یہ عبداللہ بن مبارک وہی محدث جلیل ہیں جن پر ان کے ایک معاصر قاسم بن محمد نے رشک کرتے ہوئے کہا تھا، نماز روزہ، زکوٰۃ اور حج وصدقات جیسے یہ کرتے ہیں، اسی طرح ہم لوگ بھی کرتے ہیں، پھر ان کی اتنی بڑی شہرت کیوں ہے۔ پھر اس کے جواب میں وہ خود ہی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سفر میں میرا ان کا ساتھ ہو گیا۔ رات میں آنکھ کھلی تو دیکھا کہ عبداللہ بن مبارک رات کی تاریکی میں پچھلے پہر اپنے بستر پر رو رہے ہیں، اتفاق سے ایک چراغ ادھر سے گزرا تو چہرہ اس حالت میں نظر آیا کہ لحیتہ قد ابتلت من الدموع فقلت وبھذہ الخشیۃ فضل ھذا الرجل۔ (صفۃ الصفوہ ج ۴ ص ۱۲۱)

یعنی روشنی میں دیکھا تو ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔ قاسم کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اسی خوف خدا کی وجہ سے ان کو فضل و کمال میں برتری میسر ہے۔ ڈاکٹر علامہ اقبال رح نے اہل فضل و کمال کے لیے سحر خیزی کی تعریف میں لکھا ہے ؎

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو — کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

آج دیدۂ تر کی بے خوابیاں، نالۂ شب کی نیازمندیاں، ہم کس انسان میں ڈھونڈیں۔ دیکھیے یہ کتنی پیاری اور کیسی نفیس حدیث ہے ورجل ذکر اللہ خالیا ففاضت عیناہ۔ یعنی اس آدمی کو قیامت کے دن عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا جو تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے آنسو بہائے، کسی نے یہ دلدوز ترجمہ کیا ہے ؎

واندر دلے کہ درد باو دادہ اند چیست از خلق دور رفتن و تنہا گریستن،
نور آورد بسینہ و ظلمت برد ز دل، آغاز صبح و آخر شبہا گریستن،

امام منصور بن معتمرؒ متعلق حافظ شمس الدین ذہبی نقل کرتے ہیں کہ آپ چالیس برس تک دن میں مسلسل روزے رکھتے اور رات کو قیام و عبادت میں بسر کرتے اور خوف خدا و آخرت کا استحضار اس قدر تھا کہ ساری رات روتے رہتے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۳۲)

شیخ الاسلام امام اوزاعیؒ کی عبادت و خوف آخرت کے حال میں ذہبی نے لکھا ہے کہ ساری رات تملق اور تلاوت قرآن میں بسر کرتے اور اس قدر روتے کہ سجدہ گاہ میں آنسو کے پانی دیر تک جمع رہتے۔

(تذکرہ ج ۱ ص ۱۶۹، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۱۷)

حضرت سعید بن عبدالعزیز اپنی ساری رات عبادت و گریہ زاری میں بسر کرتے، ایک عینی راوی کا بیان ہے کہ میں نے نماز پڑھنے میں چٹائی پر ان کے آنسوؤں کے گرنے کی آواز کو بارہا سنا ہے۔ (تذکرہ ج ص ۲۰۳)

حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنی خلوت گاہ میں رات کے وقت اٹھتے اور رات کا اکثر حصہ عبادت و نوافل میں بسر کرتے اور سجدہ میں جاکر اس قدر روتے کہ آنکھوں کا پانی دیر تک زمین پر جمع رہتا۔ (تذکرہ ج ۱)

---

۵ والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما۔

عباد الرحمن کی پانچویں صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ متوسط گزران رکھتے ہیں اور معتدل خرچ کرتے ہیں۔

ان لوگوں کے مختلف حالات ہوتے ہیں کبھی ایک دانہ انار کا صدقہ کافی ہوتا ہے جیسے حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق روایت موجود ہے کہ انھوں نے انار کا ایک دانہ دیا اور سائل سے فرمایا کہ ذرہ ذرہ نیکی کا ثواب ملے گا اور یہ انار تو بہت سے ذرات پر بھاری ہے — اور کبھی سیکڑوں ہزاروں دے کر بھی شوق باقی رہتا ہے رہ گیا ذاتی خرچ تو نہ بڑا اسراف کرے اور نہ بڑی تنگی رکھے خیر الامور اوسطھا۔ اسی طرح ضروریات و اسباب شادی میں، کھانے پینے کے آداب میں، کسی چیز میں فضول خرچی نہ کرے نہ بخل کو دخل دے۔

دولھا کے لوگ (لڑکے والے) کہتے ہیں کہ مہر شرعی ہو اور کم ہو، لڑکی والے بھی کہیں کہ برا نہ مانیے گا، جہیز بھی

شرعی ہوگا، ایک ڈوئی، ایک کرچھل، ایک چکی، ایک کھجور کی چھال کا گدا، ایک پانی پینے کا مشک، غرض تمام حالات میں نہ تو تنگی چاہیے اور نہ فضول خرچی۔

یہ کہنا بھی غلط ہے کہ مہر شرعی کم مقدار میں محدود ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک بار ایسا خیال ظاہر کیا تھا تو ایک بڑھیا نے وان اتیتم احداھن قنطارا پڑھ کر حضرت عمر کو قائل کر دیا کہ عورت کو بڑی سے بڑی مقدار میں مہر دی جا سکتی ہے، خود عمر فاروقؓ نے اپنی بیوی ام کلثوم کو چالیس ہزار درہم مہر دی تھی۔ (منتخب کنز العمال ج ۵ ص ۲۸۳)

اب دیکھنا یہ ہے کہ اسراف و سخاوت میں کیا فرق ہے۔ علامہ ابن القیم

سخاوت و اسراف میں فرق

رحمۃ اللہ لکھتے ہیں ان الجواد حکیم یضع العطاء مواضعہ والمسرف مبذر وقد یصادف عطاءہ موضعہ وکثیرا لا یصادفہ۔ یعنی سخی کی فیاضی اور دریا دلی حکمت و دانش کے تحت موقع و محل سے ہوا کرتی ہے اور فضول خرچ موقع پر کم اور بے موقع کثرت سے خرچ کرتا ہے۔ سخی زکوٰۃ، ونفقات واجبہ انشراح صدر کے ساتھ خرچ کرتا ہے اور مسرف شہوت نفسی کا تابع ہو کر جہاں جس قدر اس کا جی چاہے خرچ کرتا ہے، اس کے ہاتھ سائل مسافر کے معاملہ میں رک جاتے ہیں اور جہاں اس کی خواہشات نفسانی کا حکم ہوتا ہے وہاں ہزاروں کے وارے نیارے کرتا ہے۔ علامہ ابن القیم رح کے الفاظ ہیں۔

بخلاف المسرف فانہ یبسط یدہ فی مالہ بحکم ھواہ وتنھو نہ صرافا لا علی تقدیر ولا مراعاۃ ومصلحۃ۔ (کتاب الروح ص ۲۸۶)

بہرحال عباد الرحمٰن اسراف و تبذیر سے کام نہیں لیتے کیوں کہ یہ بے موقع فضول خرچی و شہوات کی تابعداری کا نام ہے۔ عباد اللہ کو ایسی فضولیات و شہوات سے کیا واسطہ؟۔

بین ذٰلک قواما کا مطلب ہوتا ہے کہ اقتصاد اور اعتدال برت کر کام نکالتے ہیں، یعنی عدل و حکمت کا امتزاج کرتے ہیں، صفت عدل کے سبب حقدار اور غیر مستحقین میں فرق کرتے ہیں اور صفت حکمت کے سبب موقع و محل پر صرف کرتے ہیں، علامہ ابن القیم لکھتے ہیں افراط و تفریط سے بچ کر درمیانی راہ اختیار کرنے کا نام اقتصاد ہے۔ قرآن کریم کی جامع تعلیم ہے۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا۔ (کتاب الروح) ص ۲۸۹

حضرت سفیان ثوری نے فرمایا کہ مال حلال اسراف کا متحمل نہیں ہو سکتا

مال و دولت کا مقام

مال و دولت بڑے کام کی چیز ہے اور بڑی حفاظت و احتیاط کی ضرورت ہے، مشکوٰۃ میں آپ کے الفاظ اس طرح منقول ہیں: لولا ھٰذہ الدنانیر لتمندل بنا ھٰولاء الملوک وقال من کان فی یدہ شئی من ھٰذہ فلیصلحہ فانہ زمان ان احتاج کان اول من یبذل دینہ ۔ (مشکوٰۃ) ۔ یعنی اگر یہ اشرفیاں اور روپے نہ ہوتے تو یہ دنیا دار بادشاہ ہمیں اپنے ہاتھ کا رومال بنا لیتے، یعنی مبتذل و حقیر سمجھتے۔ سفیان ثوری یہ نصیحت کرتے ہیں کہ جس کے ہاتھ میں کچھ مال ہو اسے چاہیے کہ مال کی اصلاح کرے اور اسے بڑھائے کیوں کہ اب یہ وہ زمانہ ہے کہ آدمی اگر محتاج ہو جائے تو سب سے پہلے اپنے دین ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا ۔

پھر حضرت سفیان مال کی اہمیت بتا کر یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ مال حلال میں اسراف نہ کرنا چاہیے بلکہ احتیاط و نظم اور قاعدہ سے حسب ضرورت خرچ کرنا چاہیے، تاکہ مشکلات و ضروریات میں کام آسکے ۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۔

یعنی کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو، فضول خرچ کو اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ۔ یعنی فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں ۔

ایک واقعہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غریب صحابی جو جوان تھے اور انھیں شادی کی ضرورت تھی ایک امیر گھرانے کی لڑکی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما پر ان کی نسبت ٹھہر گئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ مہر کے لیے اور عورت کو زیور اور کپڑا دینے کے لیے تمھارے پاس کچھ ہے؟ ۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے معذوری ظاہر کی ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم عثمان غنی کے پاس چلے جاؤ اور اپنی ضرورت بتلاؤ ۔ یہ حضرت عثمان کے پاس پہونچے تو آپ اندرون خانہ اپنی بیوی سے فرما رہے تھے کہ تم نے موٹی بتی چراغ میں کیوں ڈال دی اور اس قدر تیز کیوں جلایا کہ تیل آج ہی ختم ہو گیا ۔ ان کی کفایت شعاری اور کم خرچی کی یہ بات سن کر پلٹ آئے اور اپنا ماجرا عرض نہ کر سکے ۔ حضور نے ان سے سوال کیا کہ تم نے عثمان سے ملاقات کی؟ انھوں نے کہا کہ میں ان کے گھر گیا تھا وہ تیل کے زائد خرچ ہو جانے پر اپنی بیوی پر غصہ ہو رہے تھے تو میں ان کی اس کفایت کا حال سن کر پلٹ آیا ۔ حضور اکرم نے فرمایا کہ یہ ان کی ذاتی زندگی کی کفایت ہے تم کو

اس سے کیا مطلب، وہ اجتماعی دملی کاموں میں بے تحاشا خرچ کرتے ہیں تم جاکر ان سے ملو اور اپنی ضرورت بتلاؤ
یہ صحابی رسول دوبارہ گئے اور اپنی نسبت وشادی کا حال سنایا اور کہا کہ حضور نے مجھ کو آپ کے پاس بھیجا ہے، تو
فوراً غلام کو بلا کر ایک اونٹ پر شادی کی ضروریات کپڑا، زیور، غلہ وغیرہ لدوا دیا اور ایک اونٹ پر آٹا، زیتون اور
کھجور وغیرہ جیسے سامان بندھوا دیے اور یہ صحابی خوش خوش واپس آگئے۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رض اپنی ذاتی زندگی میں بہت ہی کفایت ملحوظ رکھتے تھے اور ملی و دینی
ضرورتوں میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرتے تھے۔ حالی مرحوم نے کیا خوب لکھا ہے۔

کفایت جہاں چاہیے واں کفایت
سخاوت جہاں چاہیے واں سخاوت،

•••

بقیہ سنت ابراھیمی قربانی کی ہے تین روز کے بعد اس حالت میں اس کی صبح نہیں ہونی چاہیے
کہ اس کے گھر میں قربانی کا کچھ گوشت بچا رہ گیا ہو۔ جب اگلا سال آیا تو صحابہ رض نے عرض کیا۔ اے اللہ کے
رسول، ہم نے پچھلے سال جیسے کیا تھا ویسے ہی کریں؟ آپ نے فرمایا۔ کھاؤ، کھلاؤ اور ذخیرہ بھی کرو۔ پچھلے
سال لوگ بدحال (تنگدست) تھے اس لیے میں نے چاہا تھا کہ تم لوگ ان کی مدد کرو۔ (بخاری)
اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ •••

بقیہ مُردوں کے نام خطوط خریدتے اور قیمت اسی دنیا میں پادریوں کو ادا کرتے اور پادری اپنے پیٹ اور
اپنی جیبیں بھرتے اور اپنی حیوانی خواہشات کی تکمیل کے لیے ان سب حماقتوں کو نہ صرف یہ کہ جائز سمجھتے تھے بلکہ عین دین
بنا کر پیش کرتے تھے اور بیسویں صدی کے آخر میں اسی طرح کی حماقت پھر شروع ہوئی ہے۔ قرون وسطی کے عوام دین کی
حقیقت سے ناواقف تھے اور آج کا انسان حیات اخروی کی حقیقت سے جاہل ہے اور شاطر دھوکہ باز اس سے
فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اللہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو ان جیسے مکاروں کے دجل و فریب سے محفوظ رکھے۔

ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔

•••

خطبۂ حرم

حسد خطرناک ہے

امام حرم شیخ محمد بن عبداللہ السبیل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَامَانِعَ لِمَا أَعْطٰی وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعَ ۔ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَاءُ هُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ ۔ اَحْمَدُهٗ سُبْحَانَهٗ عَلٰی سَوَابِغِ نِعَمِهٖ وَاَشْکُرُهٗ عَلٰی تَرَادُفِ جُوْدِهٖ وَکَرَمِهٖ ۔ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الَّذِیْ طَهَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ مِنَ الْغِلِّ وَالْحَسَدِ ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ ۔ اَمَّا بَعْدُ ۔

مسلمانو! امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَافَسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا ۔ کَمَا اَمَرَکُمُ اللّٰهُ ۔ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یَخْذُلُهٗ وَلَا یَحْقِرُهٗ ۔ اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا ، اَلتَّقْوٰی

تم لوگ بدگمانی سے بچو، کیوں کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور کسی کی کھوج میں نہ پڑو، جاسوسی نہ کرو، باہم چڑھاؤ اوپر نہ کرو، حسد نہ کرو، آپس میں کینہ نہ رکھو ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور اللہ کے بندے اور بھائی بھائی ہو جاؤ جیسا کہ اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس پر ظلم نہ کرے اسے بے یار و مددگار نہ چھوڑے اور اسے حقیر نہ جانے۔ تقویٰ یہاں ہے تقویٰ

هٰهُنَا، اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا۔ وَيُشِيرُ إِلٰی صَدْرِهٖ، بِحَسْبِ امْرِیٔ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يَّحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ۔

یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے ۔ اور آپ سینے کی طرف اشارہ کر رہے تھے ۔ آدمی کے برے ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے ۔ ہر مسلمان کا خون اور مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے ۔

اللہ کے بندو! شارع حکیم صلی اللہ علیہ وسلم امانت دار ناصح ہیں ۔ آپ نے اپنی امت کو ان خطرناک چیزوں سے دور رہنے کی تاکید کی ہے جن کا نتیجہ دینی و دنیاوی اور سماجی نقصان کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ، یہ ناپسندیدہ خصلتیں جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دور رہنے کی تاکید کی ہے ، درحقیقت یہی مسلمانوں کے درمیان برائیوں کی جڑ ہیں ۔ یہ ایسی بری خصلتیں ہیں کہ جب کسی معاشرے میں پھیل جاتی ہیں تو اسے بگاڑ کر رکھ دیتی ہیں، اس کا شیرازہ منتشر کر دیتی ہیں، اس کی آواز متفرق کر دیتی ہیں ۔ لوگوں کو قلق اور اضطراب میں ڈال دیتی ہیں اور باہمی محبت و یگانگت چھین لیتی ہیں ۔ ان خصلتوں میں سب سے زیادہ نقصان دہ اور سب سے زیادہ برے انجام والی خصلت حسد ہے۔ یہ ایسا قاتل مرض اور ایسی لا علاج بیماری ہے جس میں آج بھی بہت سے لوگ مبتلا ہیں اور پہلے بھی تھے ، یہی وہ پہلا گناہ ہے جس کے ذریعہ اللہ کی نافرمانی کی گئی ، یہی ابلیس کا وہ گناہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسے دھتکار دیا ۔ ملعون ٹھہرایا ، اور آسمان سے اتار بھگایا اور اس سے رب العزت نے کہا ۔

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی يَوْمِ الدِّيْنِ ۔

تو اس جنت سے نکل جا ، تو مردود ہے ، اور تجھ پر قیامت تک کے لیے لعنت ہے ۔

اللہ کے بندو! حسد منافقین کی عادت ہے ۔ جن کا دل مسلمانوں کے خلاف غیظ و غضب سے بھرا رہتا ہے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت جن کے گلے کا پھانس بنی رہتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں ان کی یہ کیفیت بیان کی ہے کہ وہ اپنے دلوں کی تہ میں مسلمانوں کے خلاف بھرے ہوئے غیظ و غضب اور کینہ و کپٹ کی وجہ سے اپنی انگلیاں چباتے ہیں ۔ اللہ عز و جل فرماتا ہے ۔

وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ،

جب وہ تم لوگوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب تنہا ہوتے ہیں تو تم پر غیظ و غضب سے

قل موتوا بغیظکم۔ ان اللہ علیم بذات الصدور ۵ ان تمسسکم حسنۃ تسؤھم، وان تصبکم سیئۃ یفرحوا بھا ۔ وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدھم شیئا ان اللہ بما یعملون محیط ۵

سے انگلیاں چباتے ہیں ۔ آپ کہدیجیے کہ تم لوگ اپنے غیظ و غضب سے مر جاؤ ۔ بیشک اللہ سینے کی باتوں کو جانتا ہے ، اگر تمھیں کوئی اچھائی حاصل ہوتی ہے تو انھیں بری لگتی ہے ، اور اگر تمھیں کوئی برائی پہونچتی ہے تو اس پر وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کا داؤ پیچ تمھیں کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتا ۔ بیشک تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے ۔

اللہ کے بندو ! حسد جب سینے کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے اور نفس پر غالب آجاتا ہے تو معاشرہ میں پراگندگی آجاتی ہے ، باہمی خیر خواہی جاتی رہتی ہے ، محبت اور بھائی چارگی دم توڑ دیتی ہے ، ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑتا ہے ، اور دشمن ہمیں للچائی نظروں سے دیکھنے لگتا ہے ۔ یہ حسد جس قوم میں پھیلتا ہے اس کے ضمیر کو فاسد کر دیتا ہے ، ان کی جمعیت کو پراگندہ کر دیتا ہے اور ان کی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے ۔ اللہ نے اس برائی کا ارتکاب کرنے والوں کو پھٹکارا ہے اور اس سے دوچار رہنے پر ان کی مذمت کی ہے ۔ ارشاد ہے

ام یحسدون الناس علیٰ ما اتاھم اللہ من فضلہ ۵

یہ (یہود ، مسلمان) لوگوں سے اس فضل پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے ان (مسلمانوں) کو دیا ہے ۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کرتے ہوئے اس سے بچنے کی تاکید کرتے ہوئے اور اس میں ملوث لوگوں کے برے انجام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حسد نیکیوں کو اسی طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے ۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ۔

لایزال الناس بخیر مالم یتحاسدوا

لوگ برابر بھلائی میں رہیں گے جب تک کہ باہم حسد نہ کریں گے ۔

اللہ کے بندو ! حسد بہت بری عادت ہے ۔ حاسد درحقیقت اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر معترض ہے ۔ اور اس کی تدبیر پر معترض ہے ۔ اللہ نے اپنے بندوں کو جو نعمتیں دی ہیں انھیں اپنے مصائب میں شمار کرتا ہے ۔

اس لیے وہ ہمیشہ غم والم حسرت و افسوس اور داؤ پیچ میں رہتا ہے۔ حسد کی آگ اس کے دل کو جلاتی رہتی ہے حالانکہ جس پر حسد کرتا ہے وہ اس قسم کے احساساتِ غم سے آزاد، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں پلتا رہتا ہے۔ حاسد کا حسد ختم نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس شخص کی نعمت چھین نہ جائے جس پر حسد کرتا ہے۔ اور معلوم ہے کہ نعمتوں کا چھیننا یا دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ (پس حاسد درحقیقت اللہ کے فیصلے سے لڑتا ہے۔)

حاسد کو حسد اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ حق کو چھپائے، اور فضل والوں کے فضل کا اقرار نہ کرے۔ حاسد جس پر حسد کرتا ہے جب اس کی کسی خوبی کو جانتا ہے تو اسے چھپا لیتا ہے، لیکن جب اس کی کسی برائی کا علم ہوتا ہے تو اسے خوب اچھالتا ہے اور اس کا پروپیگنڈہ کرتا ہے، اور اگر کچھ پتہ نہ چلے تو جھوٹے حیلے ڈھونڈتا رہتا ہے اور کبھی کبھی تو جان بوجھ کر قصداً جھوٹ بولتا ہے۔

حسد، ایمان کی کمزوری کی علامت ہے، کیوں کہ اگر دل میں ایمان پختگی کے ساتھ جاگزیں ہو تو اللہ کے غضب کے کام کو مسلسل اختیار کیے رہنے سے روک دے گا۔

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، بلند اخلاق اختیار کرو اور رذیل عادتوں سے بالاتر ہو، قرآن کریم کے اخلاق کو اپناؤ، اور اس کے آداب کو سیکھو، اللہ کے مومن بندوں کے نہج پر چلو، اور ان کے ان اوصاف کو اختیار کرو جن پر اللہ نے ان کی تعریف کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝

اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے، کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کے خلاف کینہ نہ ڈال۔ اے ہمارے رب بیشک تو رؤف رحیم ہے۔

نَفَعَنِيَ اللهُ وَإِيَّاكُمْ بِالْقُرْآنِ الْكَرِيمِ ۝ وَبِهَدْيِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ - أَقُولُ قَوْلِي هٰذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللهَ لِي وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِينَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرُوهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝

● ● ●

عالم اسلام

کوریا میں اسلام

تحریر:۔ کوریا نیوز جنرل　　　　تلخیص و ترجمہ:۔ ایم۔ اے۔ رحمٰن انصاری جھاجھوی

جنگ کوریا (۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۳ء) کے زمانے میں بین الاقوامی جھنڈے تلے آنے والی ترک فوج کے معلم کے ذریعہ مذہب اسلام کا آغاز اور رجحان پیدا ہوئی۔ اس طرح درحقیقت بالکل زمانہ حال میں کوریا اس عالمگیر مذہب سے آشنا ہوا۔ ۱۹۶۰ء میں کوریا مسلم فیڈریشن قائم ہوئی اور قیاس ہے کہ اول اول قریب تیس افراد مشرف بہ اسلام ہوئے تھے مگر بڑھتے بڑھتے آج بیس ہزار کی تعداد مسلمانوں کی ہوگئی ہے۔ آئے دن اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اسلام کی مقبولیت زیادہ تر کوریا کے تجارتی و تعمیراتی کمپنیوں کے انجینئروں اور مزدوروں میں بہت تیزی سے ہوئی جو مشرق وسطیٰ کے ممالک سے ۱۹۷۰ء کے اوائل میں کام کرنے آئے تھے۔

مئی ۱۹۷۶ء میں دار السلطنت سیول میں فن تعمیر کے نہایت دلکش اور شاندار نمونے پر بہت بڑی مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ اس کے سنگ بنیاد کے موقع پر چالیس عالمگیر شہرت کے علماء دین اسلامی ممالک سے آکر شریک ہوئے تھے۔ جنھوں نے منصوبہ کو آگے بڑھایا اور ساتھ ہی تحریک اسلامی کو کوریا میں پھیلایا۔

پوسان شہر میں دوسری مسجد ستمبر ۱۹۸۰ء میں تعمیر ہوئی۔ گزشتہ سال تیسری مسجد ایک قصبہ کوان جی اپ میں وجود میں آئی۔ کوریا مسلم فیڈریشن کی تین شاخیں سعودی عرب، کویت اور انڈونیشیا ہیں۔

عام طور سے نمازی مسجد میں بے ٹوپی اور انگریزی لباس میں نماز پڑھتے ہیں۔ علماء، ترکی کے عالمانہ لباس میں اور ایک آدھ شیروانی پاجامہ میں دیکھے جاتے ہیں۔ نوجوان طبقہ زیادہ تر نماز مسجد جاکر ادا کرتا ہے۔

کوریا مسلم فیڈریشن نے اسلامی یادگار کے ۲۶ ویں جشن سالگرہ کے موقع پر دو ہزار قرآن پاک کا کوریائی زبان میں ترجمہ تقسیم کیا۔ اور ایک سو مسلمان حج کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔

کوریا میں اشاعت و تبلیغ کی کوشش میں کوریا مسلم فیڈریشن کی طرف سے امسال ماہ اگست میں

بین الاقوامی مسلم نوجوان کانفرنس کے انعقاد کا پروگرام تھا، اور یہ اپنی نوعیت کا پہلا موقع ہے جس میں دس غیر ملکوں سے ساٹھ سے زیادہ مندوبین شریک ہوئے جو سعودی عرب، جاپان، چین، کویت، ہانگ کانگ، تھائی لینڈ، ملائشیا اور سنگاپور سے آئے۔ امریکہ اور سعودی عرب کے چند ماہرین تعلیم کی تقریر کا موضوع اس بین الاقوامی جشن میں "نوجوان مسلمانوں کی رفاہی ترقیات" تھا۔

افغان مجاہدین
کی اسلحہ ساز فیکٹریاں۔

افغانستان میں روس کی اعلیٰ فوجی کمان کو اب ایک نئے جنگی مسئلے کا سامنا ہے ملک کے ۲۸ صوبوں میں ان گنت جنگی محاذوں پر پھیلے ہوئے ان کے ٹینک ان کے اپنے ہی جہازوں اور ہیلی کاپٹروں کے لئے خطرہ بن گئے ہیں۔

مجاہدین نے ان ٹینکوں کا ایک اچھا مصرف دریافت کر لیا ہے جو ان کے ٹھکانوں پر حملے کی کارروائی یا ایک علاقے سے دوسرے تک سفر کے دوران چھاپہ ماروں کے راکٹ لانچروں، ٹینک شکن گرنیڈوں اور بارودی سرنگوں کا نشانہ بن کر ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ حریت پسندوں نے ان ٹینکوں میں نصب طیارہ شکن توپیں نکال کر انہیں استعمال کرنے کا ہنر سیکھ لیا ہے اور ان کی مدد سے وہ اب تک درجنوں روسی مگ، ایم آئی ۲۴ ہیلی کاپٹر گرا چکے ہیں۔

روسیوں کو افغانستان میں طیارہ شکن توپوں کی کوئی ضرورت نہیں کہ مجاہدین کے پاس نہ تو کوئی ہوائی اڈہ ہے اور نہ طیارے لیکن روسی توپ خانے کا مسئلہ یہ ہے کہ طیارہ شکن توپیں ان ٹینکوں کا لازمی حصہ ہیں جو انہیں فراہم کئے گئے ہیں ان میں سے جب کوئی ٹینک ناکارہ ہو جاتا ہے تو چھاپہ ماروں کو اس کی تباہی سے زیادہ توپ کے حصول پر مسرت ہوتی ہے کہ وہ ان کی سب سے بڑی ضرورت پوری کرتی ہے۔

آزاد علاقوں میں بہت سے مقامی لوہاروں کو ان توپوں کے لئے سٹینڈ بناتے دیکھا جا سکتا ہے جو اپنے

قدیم اوزار استعمال کرتے ہوئے بہت جوش وخروش کے ساتھ اپنی نئی ذمہ داری نبھاتے نظر آتے ہیں ان کے
لئے لوہے کا حصول کوئی مسئلہ نہیں۔ جنگ زدہ افغانستان میں جہاں انسانی استعمال کی ہر شے کی قیمتیں
تیزی سے بڑھی ہیں صرف لوہا ایک ایسی چیز ہے جو ارزاں ہے۔ اور آسانی سے دستیاب کسی بھی سڑک کے کنارے
تباہ شدہ ٹرکوں ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے اس کا حصول کوئی مسئلہ نہیں۔ یوں بھی افغانوں کا مزاج یہ
ہے کہ کسی چیز کو جو استعمال ہوسکتی ہے کبھی ضائع نہیں ہونے دیتے آزاد علاقوں میں جہاں حملے کا خطرہ کم ہو یا جہاں
خفیہ رکھنے کا اہتمام کیا جاسکتا ہو چھوٹی چھوٹی درجنوں اسلحہ ساز فیکٹریاں کام کررہی ہیں۔ ان فیکٹریوں میں زیادہ
تو مختلف قسم رائفلوں اور مشین گنوں کے لئے گولیاں بنائی جاتی ہیں۔ ایک کمانڈر نے بتایا کہ اب ہمارے لوگوں
نے اس قدر مہارت حاصل کرلی ہے کہ رائفل میں گولی پھٹنے کے واقعات نہ ہونے کے برابر رہ گئے ہیں۔

ٹینک شکن گرینیڈوں کے علاوہ جو ان فیکٹریوں میں تیار ہونے والے خطرناک ترین ہتھیار میں مختلف قسم
کے دوسرے بم بھی بڑی تعداد میں بنائے جاتے ہیں۔ آگ لگانے والے۔ دھواں پیدا کرنے والے اور فضا کو روشن
کرنے والے بم پتھر یا مٹی کی بے ہنگم دیواروں کے درمیان آپ کارکنوں کو تیزی ادھر ادھر آتے جاتے اور
سرگرمی سے کام کرتے دیکھ سکتے ہیں وہ بکتر بند گاڑیوں اور ٹرکوں سے نکال کر لائے گئے ٹائروں سے
ٹیوبیں نکالتے اور ایک دوسرے ذرا فاصلے پر بیٹھے کیمیائی اجزاء حل کرکے بارود اور بم بناتے نظر آتے ہیں
شاید وہ جانتے ہیں کہ اس جنگ میں جو تربیت پانے والے چھاپہ مار دنیا کی سب سے بڑی جنگی مشین سے لڑرہے ہیں ان
کا کردار کس قدر اہم ہے شاید اس جذبے نے ان میں اس قدر انہماک اور احساس ذمہ داری پیدا کردیا ہے کہ کام کے
اوقات میں وہ بہت کم ادھر ادھر متوجہ ہوتے ہیں یا آپس میں بات کرتے ہیں حالانکہ وہ دنیا کی انتہائی مجلس پسند
قوم کے لوگ ہیں انہی فیکٹریوں میں تربیت پانے والے کارکن ان بموں کو ناکارہ بنانے کے فرائض انجام دیتے ہیں
جو بمباری کے دوران نہ پھٹ سکے ہوں وہ بڑی مہارت کے ساتھ ان بموں سے بارود نکالتے اور انہیں
گولیوں میں استعمال کرتے ہیں ناکارہ اسلحہ کو کارآمد بنانے کا عمل افغانستان میں ہر کہیں جاری ہے جو لوگ
اس فن کے ماہر ہیں ان کی بڑی عزت کی جاتی ہے گذشتہ دنوں جب صوبہ ہرات کے دو جڑواں بھائی افضل خان
اور فاضل خان آتش گیر مادہ پھٹنے سے شہید ہوگئے تو اس پاس کے محاذوں پر غم واندوہ کی لہر دوڑ گئی ان
ان دونوں جڑواں بھائیوں نے گذشتہ دو سال میں درجنوں ایسے نوجوانوں کو تربیت دی جو اب مختلف

صوبوں میں چھاپہ مار سرگرمیوں کے لئے نکلنے والے مجاہدین کے ساتھ سفر کرتے ہیں یا وہ حریت پسندوں کی خراب ہو جانے والی رائفلوں مارٹر گنوں اور راکٹ لانچروں کی درستی کے علاوہ دشمن سے چھینے گئے ناکارہ اسلحہ کو کارآمد بنانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

روسی اس نئی صورت حال کا کس طرح مقابلہ کر رہے ہیں؟ انہوں نے سرکاری دستوں کو سختی سے ہدایات جاری کی ہیں کہ خراب ہونے والی گاڑیوں کو قریبی فوجی مراکز یا چھاونیوں تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے ان کے لئے سب سے زیادہ پریشانی ناکارہ ہو جانے والے ٹینک پیدا کرتے ہیں کہ جن سے نکال لی جانے والی ایک طیارہ شکن توپ بھی چھاپہ ماروں کے مقامی محاذ کی قوت میں کئی گنا اضافہ کر دیتی ہے وہ ان ٹینکوں سے دوسری دو گنیں بھی نکال لے جاتے ہیں اور یہ اسے روسیوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں کچھ عرصہ پہلے تک تباہ شدہ ٹینک کسی راستے یا علاقے میں کئی روز تک وہیں پڑے رہتے تھے اور پھر سرکاری دستے ہیلی کاپٹروں کے تحفظ کے ساتھ انہیں بڑے بڑے ٹرالروں میں ڈال کر قریبی فوجی مراکز پر لے جاتے لیکن اب مجاہدین ناکارہ ٹینکوں کو فوری طور پر اپنے زیر تسلط علاقوں میں منتقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے اب تباہی کے فوراً بعد انھیں قریبی ہوائی اڈوں پر لے جا کر روس پہنچا دیا جاتا ہے

وادئ نورستان میں آزاد اسلامی حکومت

پشاور ۱۶ر اپریل۔ افغان مجاہدین نے وادی نورستان کو آزاد ریاست قرار دے کر وہاں اسلامی تعلیمات کے مطابق انتظامیہ تشکیل دے دی ہے۔ یہ بات سرحد پار سے آمدہ تازہ ترین اطلاعات میں بتائی گئی ہے وادی نورستان کا علاقہ گذشتہ ایک سال سے مکمل طور پر مجاہدین کے قبضہ میں ہے جس پر تسلط قائم کرنے کے لئے روسی فوجوں اور طیاروں نے کئی جتن کئے ہیں اور متعدد مرتبہ مجاہدین کے ٹھکانوں پر حملے کئے ہیں مگر روسی فوجیں ہزار کوشش کے باوجود یہاں کی ایک انچ زمین بھی مجاہدین سے آزاد کرا سکیں موصولہ اطلاعات میں بتایا گیا ہے کہ ابھی تک روسی اور افغان فوجیں وادئ نورستان پر سے مجاہدین کا قبضہ ختم کرنے کی سر توڑ کوششیں کر رہی ہیں مگر جیالے حریت پسند ان کے ہر حملہ کو بری طرح پسپا کر دیتے ہیں مجاہدین نے وادئ نورستان کو آزاد ریاست قرار دینے کا اعلان ۱۰ر اپریل کو کیا۔ دریں اثنا ممتاز علماء پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ بھی تشکیل دی گئی ہے۔ آزاد ریاست کا وزیر اعظم روحانی پیشوا مولانا محمد افضل کو نامزد کیا گیا ہے۔ قضا کے نام سے ایک اسلامی عدالت بھی قائم کر دی گئی ہے جو فوری طور پر فیصلے کرنے کی مجاز ہوگی۔

اعلان میں کہا گیا ہے کہ علاقہ میں مکمل طور پر اسلامی حکومت ہو گی۔ اور قوانین اسلام کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سزائیں دی جائیں گی۔ (جنگ : لاہور)

نوٹ :۔ یہ ایک اہلحدیث حکومت ہے اور اس کے ذمہ داران مدینہ یونیورسٹی کے فضلاء ہیں۔

کمپوچیا سے اسلام کے خاتمے کی سازش
مسلمانوں کے خلاف قتل و دہشت کا طوفان

دنیا جانتی ہے کہ چند برس پہلے روس نواز ویت نامیوں نے فوجی قوت کے بل پر کمپوچیا کی حکومت کا تختہ الٹ کر وہاں ایک کٹھ پتلی حکومت قائم کی ہے جس کی بقاء اور تحفظ کا بیڑا روس اور ویت نام نے اٹھا رکھا ہے یہ حکومت اپنے ملک کے عام باشندوں کے ساتھ جو سلوک کر رہی ہے اس کی داستان طویل بھی ہے اور دردناک بھی۔ اور ہمارے موضوع سے خارج بھی۔ البتہ اس وقت وہاں کے مسلمانوں کا جو حال ہے اسے ہفتہ وار البلاغ (۲۸ / ۸ / ۸۲) کویت کی زبانی سنیئے

آج کل کمپوچیا کے مسلمان وہاں کے حکام کی جانب سے سنگین آزمائشوں اور سخت دباؤ کا شکار ہیں وہاں سے آنے والی اطلاعات میں بتایا گیا ہے کہ کمپوچیائی مسلم اقلیت جو پہلے سے قتل عام کا شکار ہے اپنے ایمان و عقیدے اور اپنی بچی کھچی مسجدوں کی حفاظت کے لئے مقابلے پر اتر آئی ہے۔

ان معلومات کا کہنا ہے کہ بنام پنہہ کے علاقے میں پول پوتھ کی حکومت نے ہر تین مسلمانوں میں سے دو کو ذبح کر ڈالا ہے۔ اور اب ۱۱۳ مسجدوں میں سے صرف بیس مسجدیں باقی رہ گئیں ہیں۔ بقیہ مسجدیں شہید کر دی گئی ہیں۔ مسلمانوں کے لیڈر رس لاؤس کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

وہاں مسلمانوں کی کل تعداد کتنی رہ گئی ہے اس کے متعلق کوئی تخمینہ پیش کرنا سخت مشکل ہے البتہ وہاں سے بھاگ کر آنے والے پناہ گزینوں کا کہنا ہے کہ کمپوچیائی معاشرے میں مسلم اقلیت کی تعداد بڑی تیزی سے گھٹ رہی ہے۔ اور اگر یہی رفتار برقرار رہی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ایک عظیم مسلم قوم جس کا ویت نامیوں کے حملے سے پہلے کمپوچیا کی تعمیر میں بڑا ہاتھ تھا اب عنقریب فنا ہو جائے گی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ کمپوچیا میں مسلمانوں کی تعداد ڈھائی لاکھ سے گھٹ کر دو لاکھ ہو چکی تھی۔ اور شمالی بنام پنہہ جہاں مسلمانوں کی بڑی تعداد تھی وہ ۱۹۷۵ء کے اواخر تک کمپوچیا کا بڑا خوبصورت مقام تھا۔ یہاں اسلامی تعلیمات کے مدارس کے علاوہ تین بڑی بڑی مسجدیں تھیں۔ لیکن آج مسلمانوں کے مکانات ملبے کا ڈھیر ہیں اور خود مسجدیں اور بہت سے مدارس پول پوتھ کی کدال کا شکار ہو چکے ہیں۔

•••

گلبانگِ رحیل

(مسلمانوں سے خطاب)

سردار شفیق

مسلمِ خوابیدہ سن کیا ہے صدائے صبح و شام
تو کہ تھا اک دور میں اقوامِ عالم کا امام

محرمِ اسرارِ فطرت تھا ترا روشن ضمیر
علم و حکمت تیرے طبعِ لطف کے منت پذیر

تو دلِ گیتی کی دھڑکن، دیدۂ ہستی کا نور
تو مکمل ایک جذبہ تو مجسم اک شعور

تیرے دم سے فلسفہ کی گرم بازاری رہی
ورنہ دنیا مدتوں اس علم سے عاری رہی

تیرے حسنِ فکر سے نکھرا تھا عنوانِ حیات
تھی تجلی سے تری معمور بزمِ کائنات

تیری خاموشی میں پنہاں زندگی کی داستاں
تیرے نقشِ پا سے ابھرے کتنی منزل کے نشاں

تیرے پاکیزہ نفس کے تذکرے تھے چار سو
تیرے پیراہن کو چھوتے تھے فرشتے با وضو

تیری صلحِ کل طبیعت تھی پیامِ آشتی
تیرے مشرب میں کسی سے دشمنی جائز نہ تھی

چھو گئی جس کو تری چشمِ بصیرت آشنا
اس کے دل سے ہو گئی کافور ظلمت کی گھٹا

تجھ میں اب باقی نہیں پہلا سا وہ سوزِ دروں
تو سرتاپا ہے افسردہ نگاہی کا فسوں !!!

دفن ہیں کب سے ترے سورج سوادِ خاک میں
تیر اب شاید نہیں کوئی ترے فتراک میں

تیرا حسنِ آگہی تیرے جنوں کا بانکپن — ہے کسی دوشیزۂ باطل کی یادوں میں مگن،

کیا ترے ہاتھوں نہ ہوگی اب کبھی تیشہ گری — تیرا شیوہ تو بتِ آزر کی ہے سوداگری،

تجھ میں اب باقی نہیں ہے امتیازِ شر و خیر — نامکمل بزمِ رقص و رنگ ہے تیرے بغیر

امتِ مرحوم کا بکھرا ہوا شیرازہ ہے — قوتِ تعمیر تیری اب زوال آمادہ ہے

ہوگیا بدنام تیرا خسروانہ بانکپن — اب کہاں تجھ میں محمودؒ کی علای کا چلن

تیری آنکھوں میں نہیں کوئی ملوکیت کا خواب — ڈھل گیا ہے تیری شانِ خسروی کا آفتاب

لے کے اپنے ساتھ تاروں سے بھی روشن تر دیے — تو ترستا ہے ذرا سی روشنی کے واسطے

کھول آنکھیں دیر سے ہے منتظر بزمِ وجود — تو بھلا کب تک رہے گا مستِ صہبائے جمود

زندگی کے قصر کو تعمیر کرنے کے لیے — سچ تو یہ ہے تجھ سا کوئی ماہرِ فن چاہیے،

نور آنکھوں کو دلوں کو جذبۂ اسلام دے — پھر جہانِ رنگ و بو کو امن کا پیغام دے

عقل والوں کو ذرا دے پھر وہی درسِ جنوں — علم پر حاوی نہ ہو جائے جہالت کا فسوں،

ہر مسلماں خود کو وقفِ ملتِ بیضا کرے — چاہیے دل میں اطاعت کی لگن پیدا کرے

راستی کا درس دے دنیا کے فتنہ ساز کو — ہر کوئی سن لے ترے ایمان کی آواز کو

تجھ پہ خلاقِ دو عالم مہرباں ہو جائے گا
اس طرح تو زندگی کا رازداں ہو جائے گا،

جماعت وجامعہ

جامعہ کا سال نو

حسب دستور ۱۰ر شوال ۱۴۰۲ھ م یکم اگست ۱۹۸۲ء کو جامعہ سلفیہ کھل گیا اور جدید و قدیم طلبہ کی آمد شروع ہوگئی ۔ ۱۳ر شوال کو جدید طلبہ کے داخلے کا امتحان لیا گیا پھر نتیجہ مرتب کرکے اس پر غور وخوض کے بعد ۱۵ر شوال کو داخلے کے فیصلے کا اعلان کیا گیا ۔ اس کے بعد جدید طلبہ کی جماعت بندی ، رہائشی کمروں کی تقسیم ، طلبہ کے درمیان کتابوں کی تقسیم ، پھر نظام الاوقات کی تیاری وغیرہ میں مزید کئی دن صرف ہوگئے ۔

۱۹ر شوال یوم پنجشنبہ کو جامعہ کی مسجد میں طلبہ اور اساتذہ کا ایک اجتماع ہوا ۔ جسے حضرت مولانا شمس الحق صاحب حفظہ اللہ نے مخاطب فرمایا ۔ آپ نے طلبہ کو شریعت کی پابندی کی تاکید کرتے اور اہمیت سمجھاتے ہوئے زندگی کے مختلف آداب بھی بتلائے اور طلبہ کی زندگی کے مقاصد کی وضاحت کی ۔ ۲۳ر شوال سے باقاعدہ تعلیم شروع ہوگئی ۔

ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ بنارس کا انتخاب جدید

(از قلم ناظم ندوۃ الطلبہ)

سالہائے گزشتہ کی طرح امسال بھی مورخہ ۱۹ر اگست ۱۹۸۲ء کو مربی انجمن جناب مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی مدظلہ العالی و دیگر اساتذہ کرام کی زیر نگرانی ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ بنارس کا انتخاب جدید عمل میں آیا ۔ باتفاق رائے ہر جماعت سے منتخب نمائندوں کے درمیان ان کی استعداد و صلاحیت کے مطابق عہدے تقسیم کیے گئے جس کی تفصیل یہ ہے

صدر :- عطاء اللہ باری   نائب صدر :- محمد مرتضیٰ گونڈوی

ناظم :- عبدالرشید بلرامپوری   نائب ناظم :- زبیر احمد بستوی

خازن :- محمد شریف بستوی   محاسب :- محمد عباس گونڈوی

معتمد صحافت :- محمد رفیق گونڈوی   نائب معتمد صحافت :- محمد یوسف بہاری

معتمد خطابت (عربی) (الف) :- عبداللہ اعظمی   نائب معتمد خطابت عربی (الف) :- محمد ارشد بہاری

" " " (ب) :- ابوالمکرم بستوی   " " " (ب) :- اکرام الدین گونڈوی

" " " (ج) :- محمد مصطفی البستوی   " " " (ج) :- عبدالرحیم نیپالی

معتمد خطابت اردو (الف) :- محمد انور کرناٹک		نائب معتمد خطابت اردو (الف) :- حیدر علی بہاری
" " " (ب) :- رحمت اللہ بستوی		" " " " " (ب) :- عبد العلیم گونڈوی
" " " (ج) :- منظر علی اعظمی		" " " " " (ج) :- قطب الرحمٰن بہاری
معتمد دار الکتب :- عبد المعبود بستوی		نائب معتمد دار الکتب :- محمد جعفر نیپالی
معاون معتمد دار الکتب :- حمید اللہ گونڈوی		معاون نائب معتمد دار الکتب :- محمد فاروق گونڈوی
" " " :- منصور احمد بستوی		" " " " :- زید احمد گونڈوی
" " " :- قرۃ العین گونڈوی		" " " " :- محمد اسلم بستوی
معتمد دار الاخبار :- اشتیاق احمد بستوی		نائب معتمد دار الاخبار :- حبیب احمد بستوی
معاون " " :- عبد الآخر		معاون " " :- محمد حسین بستوی۔

پھر ۲۲ اگست ۱۹۸۲ء کو ندوۃ الطلبہ کے نئے ناظم (عبد الرشید بلرامپوری) نے طلبہ سے چند منٹ خطاب کرنے کے بعد ندوۃ الطلبہ کا آئین سنایا۔ اس کے بعد مورخہ ۲۶ اگست ۸۲ء بروز پنجشنبہ جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث مولانا شمس الحق صاحب سلفی کے زیر صدارت افتتاحی انجمن ہوئی جس میں جامعہ سلفیہ و جامعہ رحمانیہ کے اساتذہ و طلبہ نے شرکت کی۔ انجمن کا آغاز حافظ جلال الدین جونپوری نے قرآن کریم کی تلاوت سے کیا۔ اس کے بعد زبیر احمد بستوی نائب ناظم نے ندوۃ الطلبہ کا مختصر تعارف پیش کیا۔ بعد ازاں اردو اور عربی زبان میں چند طلبہ کی تقریریں ہوئیں۔ پھر سال گزشتہ کے اردو و عربی کے تقریری مقابلہ میں حصہ لینے والے طلبہ کو صدر محترم کے دست مبارک سے انعامات دیے گئے۔ آخر میں ناظم ندوۃ الطلبہ نے باجازت صدر محترم تمام لوگوں کے شکریہ کے ساتھ جلسے کے اختتام کا اعلان کیا۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

عبد الرشید بن محمد اسمٰعیل بلرامپوری۔ ناظم ندوۃ الطلبہ۔
جامعہ سلفیہ۔ بنارس

جوار رحمت میں

مولانا محمد ابو القاسم فیضی رحمہ اللہ

حدیث مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ علم اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اسے لوگوں کے سینے سے کھینچ لے، بلکہ علماء کو قبض کرلے گا

راس طرح علم اٹھ جائے گا۔ پچھلے چند مہینوں سے تقریباً یہی سماں برپا ہے، اور محدث کے صفحات میں اس کی اطلاع
ہ جاتی رہی ہے۔ اب پھلواری (بہار) سے اطلاع ملی ہے کہ مولانا محمد ابوالقاسم صاحب فیضی رحمہ اللہ ۲۵ رشوال ۱۶ را کو
رحلت فرما گئے۔ انا للہ۔ مولانا موصوف ہمارے بزرگ اساتذہ میں سے تھے، اور علمی گہرائی و گیرائی کے علاوہ تقویٰ
دگی اور شرافت نفس کا نمونہ تھے۔ کوئی پچیس سال سے مدرسہ اسلامیہ پھلواری میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث
عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے۔ مگر علمی اور اسلامی خدمات کا جذبہ اس قدر بے لوث اور مخلصانہ تھا کہ علوم و فنون میں
الی رکھنے کے باوجود پوری زندگی قناعت، سادگی اور گمنامی کے ساتھ بسر کردی۔ علمی طور پر مولانا موصوف
رسہ اسلامیہ پھلواری کے روح رواں تھے۔ اور انکی وفات حسرت آیات سے ملی خلا کے ساتھ ساتھ مدرسہ مذکورہ یتیم
ہ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تلافی کی کوئی صورت پیدا فرمائے۔ اور مولانا مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں لے کر کروٹ کروٹ
نت نصیب کرے۔ اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ (اہل پھلواری سے توقع ہے کہ مولانا مرحوم کا سوانحی
اکہ تحریر فرمائیں گے۔)

حکیم عبدالغفار صاحب نخلجی

مالیر کوٹلہ سے مدینہ یونیورسٹی کے نوجوان طالب علم مولوی عبدالوہاب نخلجی نے اطلاع دی ہے کہ ۲۳ راگست ۸۳ء کو ان کے دادا مولانا حکیم عبدالغفار
صاحب نخلجی پچانوے برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ موصوف اصلاً لدھیانہ کے باشندہ اور سرگرم مجوش اہلحدیث تھے
یرانہ سالی کے باوجود گرد و پیش کے دیہاتوں میں تبلیغی مشن پر جایا کرتے تھے۔ پنجابی زبان میں ترغیب الصلاۃ
فی صراط النجاۃ، اردو میں قدامت اہلحدیث اور احکام و مسائل رمضان وغیرہ آپ کی تالیفات ہیں۔ مالیر کوٹلہ
مسجد اہلحدیث پر جماعت اسلامی نے قبضے کی جو کوشش کی تھی اور مولانا آزاد کے تاریخی فیصلہ پر جو طوفان
پا کیا تھا۔ موصوف نے اس سلسلے میں بھی ایک طویل اور مدلل مضمون سپرد قلم کیا تھا۔ طویل عمر کے باوجود آخر تک
حرکت و عمل جاری رکھا اور تھوڑی دیر کے لیے درد سینہ سے دوچار ہو کر ہمیشہ کے لیے اس دنیا کو الوداع کہہ دیا۔
للہ رحمت و مغفرت کا معاملہ کرے۔

ادارۂ محدث ناظرین سے مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کرنے کی درخواست کرتا ہے۔

مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ

وفات کی ایک اور رنجیدہ اطلاع مولانا محمد اقبال رحمانی گونڈوی رحمہ اللہ کے بارے میں آئی ہے۔ تفصیل مولانا عبدالسلام

صاحب استاذ جامعہ سلفیہ بنارس کے قلم سے

آہ!۔ بڑے مولانا صاحب " نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

مرحوم کا اسم گرامی: محمد اقبال بن عبدالستار رحمانی ہے۔ آپ نے ۱۹۱۹ء میں جس وقت اپنی بستی موضع بونڈھیار ضلع گونڈہ میں آنکھیں کھولیں تو یہ وہ زمانہ تھا کہ آپ کی بستی شرک و بدعات سے تائب ہو کر ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۰ء تک محدث کبیر علامہ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ اور ان کے بعد ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۵ء تک مولانا شاہ محمد صاحب مبارکپوری رحمہ اللہ اور پھر ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۶ء تک حضرت مولانا سلیمان صاحب مئوی رحمہ اللہ کے فیوض و برکات سے پوری طرح مستفیض ہو چکی تھی اور علامہ مولانا عبدالسلام صاحب مبارکپوری نور اللہ مرقدہ والد بزرگوار حضرت شیخ الحدیث۔ صاحب مدظلہ العالی کا وہاں ۱۹۱۷ء ہی سے وجود باسعود چلا آرہا تھا جو ۱۹۲۳ء تک قائم و دائم رہا۔

(دیکھیے کتابچہ "معہد سراج العلوم بونڈھیار")

ذہانت:۔ مرحوم بلا کے ذہین و فطین تھے، آغاز تعلیم ہی میں عربی کا قاعدہ پڑھنے کے بعد صرف ۲۹ دن میں قرآن مجید ناظرہ پڑھ کر ختم کر لیا، اور ۱۲، ۱۳ سال کی عمر ہی میں پرائمری درجات سے لے کر فارسی کا دو سالہ کورس اور عربی کی جماعت اولیٰ تک کی تعلیم اپنی بستی کے اس مدرسہ سراج العلوم میں مکمل کر لی جسے محدث کبیر علامہ عبدالرحمن صاحب مبارکپوری رحمہ اللہ نے ۱۹۰۷ء میں اپنے مبارک ہاتھوں سے قائم فرمایا تھا۔

مرحوم کا یہ تعلیمی دور تقریباً پورا جناب مولانا سلیمان صاحب مئوی رحمہ اللہ کے زیر سایہ گزرا جبکہ مولانا مئوی مرحوم بونڈھیار میں دوبارہ ۱۹۲۳ء سے لیکر ۱۹۳۰ء تک تشریف فرما تھے۔ اور کچھ حصہ آپ کے ماموں و مربی جناب مولانا حکیم محمد یسین صاحب رحمہ اللہ کے زیر اہتمام و نظامت گزرا جو ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۹ء تک مدرسہ سراج العلوم کے منصب تعلیم و نظامت کو سنبھالے ہوئے تھے۔

علمی سفر:۔ مدرسہ سراج العلوم سے ۱۹۳۲ء میں دار الحدیث رحمانیہ دہلی تشریف لے گئے اور جماعت ثانیہ میں داخل ہو کر ستمبر ۱۹۳۹ء میں وہاں سے سند فراغت حاصل کی۔

استاذی الجلیل مولانا مرحوم بیان فرماتے تھے کہ میں پڑھنے میں زیادہ محنت تو نہیں کر پاتا تھا۔ مگر اللہ رب العزت کا مجھ پر خاص فضل و کرم تھا کہ علمی مباحث مجھے جلد سمجھ میں آجاتے اور حافظہ میں تا دیر محفوظ رہتے۔ دہلی کے مشاعروں میں ہم لوگ سامع کی حیثیت سے شریک ہوتے تو مجھے اکثر شعراء کے کلام یاد ہو جاتے۔

اللہ پاک نے آپ کو ذہانت وفطانت کے ساتھ ہی ساتھ صلاح وتقویٰ کا وافر حصہ بھی عطا فرمایا تھا۔ اسی وجہ سے اساتذہ کرام اور مہتمم مدرسہ کی نگاہ میں معزز رہے، امتحانات وغیرہ میں نمایاں کامیابی پانے کی وجہ سے ہمیشہ انعامات سے نوازے جاتے رہے۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء

وطن واپسی اور نظامت :۔ جب فراغت کے بعد مولانا مرحوم وطن مالوف تشریف لائے۔ تو چونکہ جناب مولانا حکیم محمد یٰسین صاحب مرحوم، اور مدرسہ سراج العلوم بونڈھیار کے دوسرے تمام ذمہ داروں نے مولانا کی علمی اور انتظامی صلاحیتوں کو طالب علمی ہی کے دور میں بھانپ لیا تھا۔ اس لیے عنفوان شباب ہی میں ایسے مدرسہ کی پوری ذمہ داریاں آپ کے سپرد کردیں جو عرصہ دراز سے آسمان علم وفضل کے نیر تاباں کی ضوافشانیوں سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔

بزرگوں کے اندازے صحیح ثابت ہوئے اور مولانا مرحوم نے ۱۹۴۲ء سے لیکر تا دم واپسیں پورے ۴۳ سال تک مدرسہ کی عظیم خدمت ہی نہیں کی بلکہ صرف اسی کے ہوکر اپنی پوری زندگی صرف کردی اور مدرسہ کو ہر اعتبار سے بام عروج تک پہونچا کر اس دار المحن سے تشریف لے گئے۔ تقبل اللّٰہ مساعیہ الجبارۃ

مادر علمی سے لگاؤ :۔ دار الحدیث رحمانیہ دہلی مرحوم سے آپ کو والہانہ محبت تھی۔ آج بھی اس کی عمارت جس ناگفتہ بہ حالت میں قائم ہے اسے دیکھ کر آنے والوں سے اس کی ایک ایک چیز کے بارے میں دریافت کرتے اور پھر خود ہی تفصیل سے ذکر فرماتے کہ فلاں، فلاں کمرہ کس کس کام کے لیے تھا، شیخ الحدیث صاحب مدظلہ العالی کس کمرے میں قیام پذیر رہتے اور درس دیتے، علامہ مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی رحمہ اللہ کی اقامت اور درس کے لیے کون سا کمرہ مختص تھا، مہتمم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی چارپائی کہاں پڑی رہتی تھی وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ سب باتیں ذکر کرتے ہوئے بسا اوقات آپ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور رو پڑتے۔

ایسے ہی آپ کا جمعیۃ اہلحدیث اور اس کی ہر شاخ نیز اس کے عظیم ادارہ مرکزی دار العلوم بنارس سے بڑا گہرا تعلق تھا اور دونوں کے آپ رکن رکین بھی تھے۔

اساتذہ کرام سے محبت : آپ علماء کرام کے انتہائی قدرداں اور مداح تھے، اپنے اسلاف اور اساتذہ کرام کا ذکر خیر خوب کرتے، ان کے نام بڑی عزت واحترام سے لیتے۔

ایک مرتبہ میں نے دیکھا آپ کے استاذ محترم جناب مولانا حکیم محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ بونڈھیار سے مدرسہ کا رخ کرکے

نکلے، دھوپ تیز تھی، مولانا مرحوم مدرسہ سے دیکھتے ہی چھتری لے کر بڑھے اور تیزی سے جالئے پھر چھتری کے سایہ میں استاذ محترم کو لے کر مدرسہ پر تشریف لائے۔ آپ کے اساتذہ کرام میں ایک معتنم ہستی آج بھی بحمداللہ باحیات ہے جسے دنیا شیخ الحدیث علامہ مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی متعنا اللہ بدوام صحتہ۔ شارح مشکاۃ، کے نام سے جانتی ہے۔ آپ سے روابط قائم ہونے کے بعد سے آخری سانس تک اس میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا رہا، کسی استاذ کا ایسا وفی و اطاعت کیش شاگرد ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

تربیت طلبہ کے نرالے انداز

مولانا مرحوم کے زیر سایہ رہتے ہوئے میں نے دیکھا ایک مرتبہ ایک طالب علم کی ٹوپی میلی تھی۔ مولانا مرحوم مسجد سے نکلتے ہوئے کچھ کہے بغیر اس کے سر سے ٹوپی اتار لی۔ دیکھنے والے طلبہ متحیر ہوگئے۔ مولانا مرحوم نے خود اس ٹوپی کو دھلا، خشک ہونے کے بعد اسے ٹھیک کیا پھر اس طالب علم کو بلا کر ٹوپی اس کے حوالہ کر دی اور ایک حرف نہیں بولے۔

کبھی مسجد کو صاف نہیں پایا، خود ہی جھاڑو اٹھا کر صفائی شروع کر دی۔ بس طلبہ دوڑ پڑتے اور پھر ہمیشہ صفائی ستھرائی کا خیال رکھتے۔

فجر کی نماز کے بعد مسجد ہی میں لالٹین لے کر تلاوت کلام پاک کے لیے بیٹھ جاتے، طلبہ یہ دیکھ کر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے، بسا اوقات طلبہ سے سورہ سجدہ، سورہ دہر اور پارہ ۲۹، ۳۰ کی سورتیں زبانی سنتے۔ وغیرہ وغیرہ

عام طور پر طلبہ کو اشاروں سے بلاتے، کبھی کبھی طالب علم کو متوجہ کر کے دوری سے اسے اپنی بات اشاروں میں سمجھا دیتے۔ مثلاً پانی منگانا ہوتا تو اپنی داہنی ہتھیلی اپنے ہونٹوں سے لگا دیتے، اذان دلوانی ہوتی تو اپنی انگلیاں کان میں ڈال دیتے اور طالب علم بات سمجھ جاتا۔

اخلاق حسنہ:۔ اللہ پاک نے آپ کو قوت بازو سے بھی خوب نوازا تھا، اور ساتھ ہی ساتھ شجاعت و بسالت کا جوہر بھی ودیعت فرمایا تھا۔ ایک موقع پر ایک ظالم و سرکش کے پنجۂ ظلم و استبداد سے مخلوق خدا کو آرام دینے کے لیے تن تنہا، رات کی تاریکی میں بڑھتے ہوئے دریائے راپتی کے تیز دھاروں میں کود پڑے اور تیر کر پار ہوئے۔

مرحوم نور اللہ مرقدہ سنت کے شیدائی، نماز با جماعت کا اہتمام کرنے والے، شب بیدار، انتہائی ملنسار، ہنس مکھ قوم و ملت کا بے پایاں درد رکھنے والے، غرباء و مساکین و طلبہ کا خیال رکھنے والے، انتہائی متواضع، سادگی پسند خوددار، اعلیٰ سمجھ بوجھ کے مالک، کامیاب، مصلح و مدبر، خداترس، امانت دار، قرآن مجید سے شغف رکھنے والے

عالم باعمل، حرص وطمع سے پاک اور جملہ صفات حمیدہ و اخلاق حسنہ سے متصف تھے، اسی وجہ سے چھوٹے بڑے مرد وزن مسلم اور غیر مسلم اپنے اور پرائے، علماء اور عوام، ہر ایک کی نگاہ میں بڑے محترم و معزز تھے، سب لوگ آپ سے انتہائی عقیدت و محبت سے ملتے۔ قرب وجوار میں "بڑے مولانا صاحب" کے نام سے یاد کیے جاتے۔

زبان و قلم :- مرحوم کو اللہ پاک نے زبان و قلم کی بڑی صلاحیتیں دی تھیں۔ اہم مشغولیات کی وجہ سے جوہر قلم سے بہت کم کام لے سکے۔ طالب علمی کے دور میں آپ کے چند علمی و اصلاحی مضامین "محدث" دہلی مرحوم میں شائع ہوئے تھے، البتہ وعظ وارشاد کی محفلیں تندرستی کے زمانہ میں خوب سجاتے جس سے اطراف و اکناف کے باشندوں کو خوب فائدہ پہونچتا اور اس کا بہت اچھا اثر ہوتا تھا۔

آپ کی زبان بڑی شگفتہ تھی، مرکزی دارالعلوم بنارس کی ایک اہم میٹنگ میں شرکت فرما کر حضرۃ الشیخ مبارک پوری مدظلہ کے ہمراہ واپس ہوئے اور مدرسہ سراج العلوم بونڈھیار پہونچ کر مجھے، رمحرم ۱۴۰۰ھ کو ایک گرامی نامہ سے یاد فرمایا اس کی چند سطریں ملاحظہ کیجیے۔

"آپ حضرات سے رخصت ہوکر ہم لوگ اعظم گڑھ پہونچے، میرا خیال ہوا کہ اعظم گڑھ سے مئو کی بس لے لیں مگر حضرۃ الشیخ متعنا اللہ بطول حیاتہم الطیبۃ المبارکۃ المیمونۃ کے حکم پر مبارک پور تک جانا پڑا پر تکلف کھانا کھا کر بعد ظہر محمد آباد کی بس مل گئی۔ استاذ محترم خود بھی ہمارا کچھ سامان لے کر بس اڈا تک تشریف لائے، ہم لوگ (مولانا مرحوم اور رفیق سفر) شرم وندامت و خجالت سے پانی پانی ہو رہے تھے، مگر مجبور تھے۔ ہم کو بس پر سوار کر کے آپ دعائیں دیتے ہوئے واپس ہوئے۔ یہ شفقت یہ محبت اور یہ ذرہ نوازی

ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں ⁏ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

محمد آباد سے مئو کے لیے ٹیکسی پر سوار ہوئے مگر ؎

قسمت تو دیکھیے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند ⁏ دوچار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

مئو سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ٹیکسی کا پٹرول ختم ہوگیا، نیچے اوپر لگا ہوئے مسافر ہلکے پھلکے تھے، اتر کر روانہ ہوگئے، ہم دونوں بوجھل تھے مگر قہر درویش بجان درویش۔ بکس، بستر، جھولے کتابیں، سروں اور کندھوں پر لاد کر سوئے مئو روانہ ہوئے۔ بارے اللہ پاک نے رحم فرمایا اور ایک خالی رکشہ بھیج دیا روح خوش ہوگئی۔"

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں ۔

وفات :- بیماری کی حالت میں رمضان المبارک کا روزہ پورا کیا ۔ ۷ راگست ۱۹۸۲ء کو اہلیہ محترمہ کے ساتھ حج کے ارادہ سے وطن عزیز سے روانہ ہوئے ۱۴ راگست ۱۹۸۲ء کو ہوائی جہاز سے سعودی عرب تشریف لے گئے ۔ مکہ مکرمہ پہونچ کر عمرہ ادا فرمایا ۔ جلد ہی مدینہ منورہ تشریف لے جانے والے تھے کہ بیماری بڑھی ۔ وہیں ہسپتال میں بھرتی ہوئے اور ۱۳ رذی قعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۳۱ راگست ۱۹۸۲ء بروز منگل بعد العصر ۶۳ سال کی عمر عزیز پاکر جان جان آفریں کے سوا کر دی اور مکہ مکرمہ کے قبرستان جنت المعلی کو اپنے لیے آخری آرام گاہ کے طور پر پسند فرمایا ۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ الخ

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را ۔

مرحوم نور اللہ مرقدہ نے اپنے پیچھے والد بزرگوار، ایک بیوہ اور ایک برادر خرد کو چھوڑا ہے ۔ البتہ شاگردوں کا ایک جم غفیر اس دنیا میں چھوڑ کر تشریف لے گئے ہیں ۔ جو ان شاء اللہ العزیز آپ کے لیے صدقہ جاریہ ثابت ہوں گے ۔ اور اسی طرح تقسیم ہند کے بعد جبکہ مرعاۃ شرح مشکاۃ کی پہلی جلد منصہ شہود پر آچکی اور اس عظیم شرح کا کام بند ہوتا نظر آرہا تھا تو پوری ملت و جماعت میں سب سے پہلے مولانا مرحوم نے اسے محسوس کیا اور اس سلسلہ میں سعی جمیل فرمائی اور مرعاۃ ج ۲ و ج ۳ کی طباعت وغیرہ میں انتھک جدوجہد کی جو انمٹ نقوش ثابت ہوں گے ۔ باذن اللہ و فضلہ اللہ پاک مولانا مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب فرما ۔ انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے ، ان کے حسنات کو شرف قبولیت سے نواز ، بشری تقاضے سے اگر کچھ سیئات ہوں تو ان پر عفو و درگزر کا قلم پھیر ۔ جملہ پسماندگان اور عزیزوں کو صبر جمیل کی توفیق دے کر اس کے اجر و ثواب کا مستحق بنا ۔ مدرسہ سراج العلوم، قرب و جوار اور پوری جماعت و ملت کو ان کا نعم البدل عنایت فرما ۔ آمین اللھم آمین یا رب العالمین ۔

غمزدہ :- عبد السلام مدنی ۔

ملا عبد الکریم صاحب شولاپوری

یہ پرچہ مرتب ہو چکا تھا کہ اطلاع ملی ملا عبد الکریم صاحب باغبان شولاپوری ۶ رستمبر ۱۹۸۲ء کو رحلت فرما گئے ۔ انا للہ ۔ موصوف ۱۹۰۶ء میں ایک بدعتی خانوادے میں پیدا ہوئے لیکن حق کی طلب میں ۱۹۳۲ء میں مسلک اہلحدیث قبول کر لیا اور ہر طرح کی ایذا رسانی کے باوجود اس پر قائم رہے ۔ ذوق مطالعہ نے اس مقام تک پہونچایا کہ اچھے اچھے ذی علم مخالفین سے مناظرہ کر کے انھیں زیر کیا ۔ اللہ تعالی کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ۔

یہ منی آرڈر کس کا ہے؟ باڑی (دھولپور) سے کسی صاحب نے محدث کے اجراء کے لیے روپیہ بھیجا ہے۔ کوپن پر نام درج نہیں ہے۔ براہ مہربانی نام سے مطلع کریں۔ (مینجر)

مجلة الجامعـــة السلفيـــة

کا

مؤتمر الدعوة والتعلیم نمبر

(اردو میں)

- فروری ۱۹۸۰ء میں جامعہ سلفیہ میں مؤتمر الدعوة والتعلیم کے نام سے جو عظیم الشان بین الاقوامی کانفرنس ہوئی تھی ، اسکی مکمل سرگذشت .
- عرب شیوخ کے ارشادات اور هندوستانی علماء کی تقریریں ، جامعہ کی مسجد میں امام حرم کا خطبۂ جمعہ اور مختلف اجتماعات میں آپ کے فرمودات .
- کانفرنس میں دکھائی گئی علمی نمائش جو جماعت اہلحدیث کی دینی وعلمی خـــدمات کی بولتی ہوئی تصویر اور نہایت اهم تاریخی دستاویز هے اسکی مکمل نقل .
- پاس شدہ تجاویز اور قراردادیں اور اس کانفرنس کے متعلق عـرب و هند کے موقر جرائد کی رائے اور تبصرے .

(قیمت ۱۶ روپئـــے)

مکتبہ سلفیہ ، مرکزی دار العلوم ، ریوڑی تالاب ، بنارس

OCTO. **MOHADDIS** 1982
THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE
AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

Published from Markazi Darul-Uloom
Printed by Abdul Waheed
At Salafiah Press, Reori Talab, Varanasi.

مرکزی دار العلوم بنارس کا دینی علمی اور ادبی ماہنامہ

★

ادارۃ البحوث الاسلامیۃ والدعوۃ والافتاء بالجامعۃ السلفیہ

بنارس ۔ الہند

★

برگ وبار

جامعہ سلفیہ کا علمی ادبی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ محدث بنارس

جلد ۱ — محرم الحرام ۱۴۰۳ھ • نومبر ۱۹۸۲ء — شمارہ ۱۰

مدیر

صفی الرحمن مبارکپوری

•

پتہ

خط و کتابت کے لیے :- ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب وارانسی

بدل اشتراک کے لیے :- مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب وارانسی

MAKTABA SALAFIA REORI TALAB VARANASI, 221010

ٹیلی گرام :- دار العلوم، وارانسی • ٹیلی فون :- ۶۳۵۷۷

بدل اشتراک • سالانہ ۲۵ روپے • ششماہی ۱۳ روپے

• فی پرچہ ۲/۵۰ روپے • بیرون ملک سے ۱۵ ڈالر

ناشر :- جامعہ سلفیہ بنارس	طابع :- عبد الوحید	مطبع :- سلفیہ پریس وارانسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش راہ

بیروت کا المیہ

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی حفظہ اللہ

بیروت کے خونچکاں المیہ پر حضرت مولانا ابو الحسن علی میاں صاحب ندوی حفظہ اللہ کا ایک ایمان افروز بیان محدث میں اشاعت کیلئے موصول ہوا ہے۔ ہم مولانا کے شکریہ کے ساتھ اسے ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔ ادارہ

بیروت میں اسرائیل کی وحشیانہ اور سفاکانہ کاروائیوں، فلسطینی پناہ گزینوں اور مجاہدین آزادی کے جبریہ انخلا اور آخر میں لبنان کے مارونی عیسائیوں اور فلانجسٹ کے ہاتھوں باقی ماندہ فلسطینیوں کا بے رحمانہ قتل عام ایسا واقعہ ہے جو موجودہ دور اور متمدن دنیا میں عرصہ سے پیش نہیں آیا اور جس کی نظیر دور دور نہیں ملتی۔

اس سے ایک طرف روز روشن کی طرح یہ حقیقت ثابت ہوگئی کہ موجودہ انسانی نسل میں اور اچھے متمدن تعلیم یافتہ اور تہذیب کے مدعی انسانوں میں بھی، اب بھی وہ خون آشامی بلکہ خونخواری پائی جاتی ہے جو ہزاروں برس پہلے کے دور جہالت کی خصوصیت اور بعض آدم خور قوموں اور قبائل کی روایت سمجھی جاتی تھی اور اس کے متعلق باور کر لیا گیا تھا کہ علم و تہذیب باہمی تعارف در اتحاد کی ضرورتوں نے اس کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا ہے اسی کے ساتھ بیروت کے مارونی عیسائیوں کی تنظیم حزب الکتائب یا فلانجسٹ (جس کے لیڈر مقتول بشیر الجمیل تھے) کے ہاتھوں فلسطینیوں کے وحشیانہ قتل عام نے یہ ثابت کر دیا کہ مذہبی منافرت اور تعصب بھی خاص طور پر عیسائی دنیا یا کم سے کم اس منطقہ میں اسی طرح زندہ ہے جس طرح چھٹی صدی ہجری (بارہویں صدی عیسوی) میں یورپ کے صلیبی حملہ آوروں کے سینے میں موجزن تھا جنہوں نے شاہ رچرڈ وغیرہ کی قیادت میں فلسطین پر حملہ کیا تھا اور شہر قدس (یروشلم) میں مسلمانوں کا اتنا خون بہایا تھا کہ حملہ آوروں کے گھوڑے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے عیسائی مقالہ نگار کے بیان کے مطابق ـــــ گھٹنوں گھٹنوں خون کے چشمہ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی آفتاب نصف النہار کی طرح روشن وعیاں ہوگئی کہ کسی طاقت وعزم کے سامنے جو اپنے ناپاک مقاصد کو پورا کرنے پر تلی ہوئی ہو اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی مسلح ومنظم اور صاحب

م طاقت نہ ہو محض انسانی ضمیر، اخلاقی حس۔ انصاف و معقولیت پسند جماعتوں بلکہ حکومتوں کی ملامت
ذمت اقوام متحدہ جیسے عالمگیر ادارہ کا احتجاج اور اس کی تجاویز پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتیں
ا بھی تک اس متمدن دنیا میں جنگل کا قانون اور MIGHT IS RIGHT کا اصول چل رہا ہے۔ آئندہ
ا عالمی ضمیر WORLD CONSCIENCE یا اقوام متحدہ UNITED NATIONS یا اپنے ہمدردوں
قولیت پسند انسانوں کی مذمت و ملامت اور مظاہروں سے امید رکھنا طفل تسلی، فریب نفس، بلکہ خودکشی
کم درجہ کی چیز نہیں اس کی بے اثری اور بے وزنی جیسی اس المیہ کے موقع پر ظاہر ہو کر رہی ویسی عرصہ
اسی طرح یہ بات بھی ایک بدیہی حقیقت بن کر سامنے آگئی کہ دنیا کی دو بڑی طاقتوں (امریکہ و روس) پر
روسہ کرکے کوئی اقدام کرنا یا ان سے کوئی امید رکھنا دنیا کی سب سے بڑی حماقت اور بدنصیبی ہے جس کا اب
طعاً کوئی جواز نہیں رہا۔ نہ روس نے ان ملکوں کا ساتھ دیا (جیسے شام) جو اس کے کیمپ میں تھے نہ امریکا نے
ن ملکوں کا ساتھ دیا جو اس کی حفاظتی چھتری کے نیچے تھے اور انہوں نے اس کو اپنے مفادات کا محافظ اور
نے وجود و بقا کا ضامن سمجھا تھا بلکہ جہاں تک امریکا کا تعلق ہے اسرائیل اس کا وہ سدھایا ہوا کتا (کلب معلّم)
ہے جو اپنے مالک کے اشارے و اجازت بلکہ حکم سے شکار پر دوڑتا ہے اور اس کو مار کر اس کے قدموں پر ڈال
یتا ہے۔ جدید معلومات و بیانات نے ثابت کر دیا کہ جو کچھ ہوا وہ پہلے سے امریکا کے علم میں تھا۔ یہ بھی ثابت
ہو گیا کہ اس سب سے بڑے متمدن و ترقی یافتہ ملک کے ضمیر میں جو جانوروں اور پرندوں کی تکلیف بھی
نہیں دیکھ سکتا مسلمانوں اور عربوں کے ساتھ اسرائیل اور مارونیوں کی اس بربریت نے کوئی حرکت
ر اثر پیدا نہیں کیا۔ اور وہاں اس کے خلاف اتنے بھی مظاہرے نہیں ہوئے جتنے خود اسرائیل میں ہوئے
ھی ثابت ہو گیا کہ امریکہ لبنان کو مشرق وسطیٰ اور عربی دنیا میں اسی طرح اپنی چوکی اور ایک ایسی علیحدہ غیر مسلم (عیسائی) ریاست
نانا چاہتا ہے جو اس کے مفادات کی محافظ اور اس کی ایجنٹ ہو۔ ٹھیک جن مقاصد کے تحت برطانیہ نے عالم عربی کے
لب میں اسرائیل کو قائم کیا اور وہ اس وقت کے عرب حکمرانوں کی ضمیر فروشی، بے حمیتی اور کوتاہ نظری کی وجہ سے
امیاب ہو گیا جنہوں نے اس کے منشاء کی تکمیل میں اپنے حقیر و محدود مقاصد کی خاطر کوئی سنجیدہ اور باعزم مزاحمت
نہیں کی۔ بلکہ اپنی پبلک کو دھوکا دینے کیلئے جنگ کا ایک ڈرامہ کھیلا جس میں ان کو صرف اتنا ہی کردار ادا کرنا تھا جس
ل ان کے اولیائے نعمت کی طرف سے اجازت یا مقصد براری کیلئے ضرورت تھی۔ راقم الحروف کو اپنے ١٩٥١ء کے

سفر بیت المقدس میں معتبر راویوں اور چشم دید گواہوں کے ذریعہ (جنہوں نے تنہائیوں میں رو رو کر یہ داستان غم سنائی تھی) ان حقائق کا یقینی علم ہے اور وہ اپنے سفرنامے و روزنامچے (مشرق وسطی کی ڈائری) میں ان حقائق کا اظہار کر چکا ہے۔

ان حقائق کے ساتھ جن کا تعلق بیرونی طاقتوں حملہ آور تنظیموں اور ان کا ساتھ دینے والوں سے ہے اس حقیقت کا بھی علم وانکشاف اور اس کا تسلیم کرنا ضروری ہے کہ اس المیہ اور قیامت خیز واقعہ کے موقع پر جس کے سامنے تمام مسلمانوں کی گردنیں جھک گئیں اور ان کو دنیا کے ہر حصہ میں اپنی ذلت وہزیمت کا احساس ہوا۔ عالم اسلام کی جس بے بسی اور عالم عربی کی جس بے حمیتی و بے حسی کا اظہار ہوا جس سے ان دونوں کو کلیتہً بری نہیں قرار دیا جا سکتا اس کی اصل ذمہ داری مشرق وسطی کی عرب حکومتوں پر ہے مسلم وعرب عوام (جیسا کہ مجھے خاص ذرائع سے معلوم ہے اس وقت سخت روحانی کرب اور قلبی اذیت میں مبتلا ہیں لیکن پچھلے واقعات کے نتیجہ میں اور بڑی طاقتوں کے اشارے ومشورے پر ان کو بالکل بے بس بنا دیا گیا ہے اس وقت بھی مشرق وسطی میں ایسے بڑے طاقتور اور مسلم عرب ملک ہیں جو تنہا اسرائیل کا مقابلہ کر سکتے ہیں لیکن ان کی ساری طاقت، صلاحیت وذہانت اپنے ہی قوموں اور باشندگان ملک کے دینی جذبات۔ اسلامی حمیت اور اظہار خیال کی آزادی اور ایک بہتر اسلامی معاشرہ اور اسلامی زندگی کی خواہش ومطالبہ کو کچلنے اور ہمیشہ کیلئے ان سے خلاصی حاصل کر لینے میں صرف ہو رہی ہے اور اصل میدان جنگ اور معرکہ ان حکومتوں اور قوموں کے درمیان ہے جو ایک طرف اس کی فرصت نہیں دیتا کہ مشترک خطرے کی طرف توجہ کر سکیں۔ دوسرے انہوں نے اس طاقت ہی کو کمزور ومجبور کر دیا جو حق و باطل اور انصاف وظلم کی اس جنگ میں ان کے کام آتی اور اپنے جذبۂ ایمانی اور سرفروشی وجاں سپاری کے وہ نمونے پیش کرتی جو قرون اولی کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے ہیں اور جس کا تھوڑا سا نمونہ ۴۷ سے ۴۸ء میں انہوں نے عرب و اسرائیل کی جنگ میں فلسطین کے میدان میں دیکھا تھا۔ پھر ان حکومتوں کے ساتھ مختلف درآمد کئے ہوئے فلسفوں اور ذاتی اغراض کی بنا پر اختلاف وانتشار کی وہ علت لگی ہوئی ہے جس کو صرف وحدت اسلامی۔ جذبۂ ایمانی یا مشترک دشمن کے خطرے کا شدید احساس ہی دور کر سکتا ہے۔ اور افسوس ہے کہ ان عرب حکومتوں میں اور ان ملکوں میں جنہوں نے قومیت اشتراکیت اور البعث العربی کے علیحدہ علیحدہ جھنڈے بلند کر رکھے ہیں متحد کرنے والی ان طاقتوں کا یکسر فقدان ہے۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی ایک المناک حقیقت ہے کہ جو ممالک نسبتہً ان درآمدہ فلسفوں سے بچے ہوئے ہیں ان کو دولت کی بہتات اور عیش وتنعم گھن کی طرح کھا چکا ہے اور اس نے ان کو کسی مہم جوئی۔ جفاکشی اور سرفروشی کے قابل نہیں رکھا۔ ان کو تو اتنی بھی توفیق نہیں ہوئی کہ وہ امریکی کمپنیوں اور مال کا مقاطعہ کر کے امریکہ کے طرز عمل سے اپنی بیزاری یا ناپسندیدگی کا اظہار کریں۔

اس کے ساتھ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ پورے عالم اسلام میں اس طاقت میں تشویشناک حد تک انحطاط و زوال پیدا ہو چکا ہے جس کو قرآن مجید کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ. (النسآء - ۱۰۴) اور دشمنوں کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا۔ اگر تم بے آرام ہوئے ہو تو جس طرح تم بے آرام ہوئے ہو اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوئے ہیں اور تم خدا سے ایسی ایسی امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھ سکتے۔

جس طاقت اور جذبۂ ایمانی کے مظاہر قرون اولیٰ کے مسلمانوں۔ دریائی دفتوں کے جانبازوں اور تیرھویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) کے وسط میں حضرت سید احمد شہید مولانا اسماعیل شہید کے ترتیب کئے ہوئے ساتھیوں میں نظر آتے۔ افسوس ہے کہ سید صاحب کی تحریک کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو برس سے اس جذبۂ ایمانی اور جذبۂ قربانی کو زندہ کرنے کی کوئی مؤثر اور منظم دعوت (کسی قدر مصر کے اخوان کو مستثنیٰ کر کے) سامنے نہیں آئی اور اس کا نتیجہ مسلمانوں کی اس بے بسی اور بے کسی۔ بے حمیتی۔ بے حسی اور اسرائیل اور مارونی فرقے کی بے باکی اور بے پرواہی کی شکل میں نظر آ رہا ہے —— آج سے ۹-۱۰ سال پہلے ۱۹۷۳ء میں راقم سطور نے بیروت کے چند روزہ قیام کے بعد اپنے سفرنامہ (دریائے کابل سے دریائے یرموک تک) میں ان احساسات اور خطرات کا اظہار کیا تھا جو آج قوت بکر سامنے آ گئے۔ مصنف کو اسی وقت اندازہ ہو گیا تھا کہ فلسطینی مجاہدین اور پناہ گزین بیروت میں ناخواندہ مہمان کی طرح مقیم ہیں اور وہاں کی عیسائی آبادی اور حکومت نے ان کو دل سے قبول نہیں کیا ہے اور کئی بار فلسطینیوں اور لبنانی فوج میں جھڑپیں ہوئیں۔ یہاں پر اس اقتباس کا نقل کر دینا بے محل نہ ہوگا —— (۳۰ جولائی ۱۹۷۳ء کو) ہم فدائین کے مرکز سے گذرے جہاں لبنانی فوج اور فدائین کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہوا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ متقابل مذہبی جذبات اور متصادم سیاسی اغراض نے اس معرکہ میں کیا کردار ادا کیا ملک کی زندگی اور آبادی کے مختلف عناصر کے باہمی تعلقات پر اس جنگ کا کتنا گہرا اثر ہے عمارتوں کی دیواروں میں گولیوں اور بموں کے نشان اور لوگوں کے دلوں میں انکے ناسور دیکھے پناہ گزینوں اور فلسطینیوں کا مسئلہ ہمیشہ ابہام اور تضاد کا شکار رہے جس کی نظیر موجودہ دنیا کے دوسرے مسائل میں ملنا مشکل ہے۔ اس کے سمجھنے میں مدد ملی۔ اس علاقہ سے بھی ہمارا گذر ہوا جہاں فلسطینی پناہ گزین رہتے ہیں۔ اس علاقہ میں افلاس پسماندگی۔ گندگی اپنے مستقبل کی طرف سے مایوسی بے اعتمادی اور موجودہ حالات سے بیزاری عام ہے۔ یہ تمام چیزیں اسی ملک کیلئے نہیں پوری عرب دنیا کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں یہ صورتحال ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتی خواہ اس کے دور کرنے میں کتنا ہی وقت لگے اور اس پر پردہ ڈالنے کی کیسی ہی کوشش کی جائے۔ دوسری طرف پورا ملک زندگی کی نعمتوں اور آسائشوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے اور ہر جگہ دولت کی ریل پیل ہے" (ص ۱۳۲) خدا کرے یہ واقعہ جس نے سارے عالم اسلام کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے عالم اسلام بالخصوص عالم عربی کی قیادتوں کے اتحاد اخلاص وعزم اور مسلمانوں میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور نئی بیداری اور تیاری کا سبب بن جائے کہ اس سے کم درجہ کی چیز سے اس کی تلافی نہیں ہو سکتی کہ ——

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد —

(ابوالحسن علی ندوی)

حادثۂ کربلا کا حقیقی پس منظر

بشیر الرحمٰن صدیقی

(۱)

تاریخ قبل از اسلام

گذشتہ قوموں یا افراد کے وہ حالات، واقعات، عادات یا ان سے متعلق حادثات جو کسی نہ کسی اعتبار سے نمایاں اور ممتاز حیثیت اختیار کر چکے ہوں تاریخ کہلاتے ہیں۔ ایسے واقعات ہر دور میں رونما ہوتے رہے ہیں جنہیں تاریخی سرمایہ ہونے کی وجہ سے مدتوں محفوظ رکھا گیا۔ اسلام سے قبل بھی اگرچہ اقوام و افرادِ ماضیہ کے واقعات، جنگ و جدل کی داستانیں اور جود و سخا کے مباہات گرمیٔ محفل کا موجب تھے ـــ مگر ان کی حیثیت افسانہ گوئی اور داستان سرائی سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ زیبِ داستان کے لئے ہر رطب و یابس۔ رنگ آمیزی۔ مبالغہ آرائی اور حسنِ تکلم کو نہ صرف جائز رکھا جاتا بلکہ حق و باطل کی آمیزش میں جس شخص کو مہارت تامہ حاصل ہوتی اسے کامیاب اور قابلِ رشک تصور کیا جاتا۔ چینی و ہندی دیومالائی اور مہابھارت کے افسانے، گل بکاؤلی، الف لیلہ اور داستانِ امیر حمزہ، یونان۔ روما اور ہنومان جی کی روایات اور تاریخی واقعات میں فرق و امتیاز از حد مشکل تھا۔

اسلامی تاریخ کے امتیازات

اس کے برخلاف مسلمانوں نے تاریخ کو بحیثیت فن زندۂ جاوید اور قابلِ اعتماد بنا دیا۔ سلسلہ سند کا اہتمام کیا۔ راویوں میں سچے اور جھوٹے کا امتیاز قائم کیا۔ کسی واقعہ کی واقعیت کے لئے خارجی دلائل کو پیشِ نگاہ رکھا۔ اس طرح تاریخ کو ثقاہت کے زیور سے آراستہ فرمایا اور ہر واقعہ کے ردّ و قبول کے لئے اگرچہ نقد و تبصرہ اور تحقیق و تنقید کے معیاری اصول

مقرر کئے۔ درایت و روایت کی سان پر چڑھانے کے بعد زبان قلم پر لانے کا اہتمام کیا ــــ تاہم یہ اعلیٰ ترین معیار صرف ارشادات مصطفیٰؐ کے لئے مختص رہا۔ حدیث نبوی کی تحقیق کے لئے چونکہ مرکزی کردار کے طور پر راویان حدیث ہی سامنے آتے ہیں لہٰذا ان کے مناقب و مثالب کے لئے تنقید کے سخت سے سخت اصول مقرر کئے گئے۔ لیکن عام اخبار اور تاریخی کتابوں میں سند کا وہ معیار قائم نہ رکھا گیا۔

اکثر مورّخین اس تساہل کے غالباً اس لئے شکار ہو گئے کہ عام واقعات کو بیان کرنے میں وہ احتیاط ضروری نہیں سمجھی گئی جو حدیث نبوی کے سلسلہ میں شرعی طور پر انتہائی ضروری ہے ــــ اسی نسبت سے اصول درایت بھی دونوں جگہ مختلف نوعیت کے حامل رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے کتب حدیث میں صحت کا جو التزام کیا ہے ارباب تفاسیر نے بھی ایسا اہتمام نہیں کیا ہے۔ اصحابِ تاریخ نے اپنی تصنیفات میں صحت روایت کا اس سے بھی کم خیال رکھا ہے تاہم تاریخ کی بڑی بڑی کتابوں میں سند کی صحت اور اس کی واقعیت باعتبار عقل کافی حد تک لحاظ موجود ہے۔

مسلمان مورخین نے عام طور پر اپنی تصنیفات میں اسلوبِ نگارش کے دو طریق اپنائے ہیں (۱) واقعہ کو فقط واقعہ کی حیثیت سے علل و اسباب وجود کے بغیر بیان کر دینا۔ (ب) واقعہ کو اس کے فلسفہ، لمیات اور وجوہ ظہور سمیت تحریر کرنا۔ اس بنا پر انہیں دو طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ فقط واقعہ نگار ۔ ۲۔ فلسفی مورخین ۔

پہلے طبقہ میں ابن جریر طبری ابن اثیر وغیرہ جبکہ دوسرے طبقہ میں ابن خلکان۔ ابن خلدون اور ابو الفداء ابن کثیر و دیگر مورخین کا نام لیا جا سکتا ہے ان تمام کتابوں میں کم و بیش نقد و تبصرہ کے اصولوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے تاہم ان کتابوں میں بھی وہ واقعات ناقدانہ اصولوں پر پیش کئے بغیر ہی نقل کر دیئے ہیں جن میں جذباتیت عقیدت اور محبت یا بغض و نفرت اور دشمنی کے وفور و انتہار اور شہرت کی وجہ سے کوئی سا معیار نقد قائم ہی نہ کیا جا سکتا ہو کیونکہ واقعات ان وجوہ کی بنا پر باہم اس قدر مختلط ہو جاتے ہیں کہ واقعیت مشتبہ ہو جاتی ہے۔

تاریخ میں خیانت

غالباً یہی وجہ ہے کہ بنو امیہ کے عظیم الشان ترقی آفریں عہد کے بعد بنو عباس کا آغاز ہی جب بغض و عناد قبائلی منافرت اور شدید انتقامی جذبات کا آئینہ دار تھا اس کے

پیش نظر یہ امر قطعاً خلاف نہیں کہ بنو عباس نے نہ صرف بنی امیہ کے افراد ہی کا قتل عام کیا بلکہ ان کی شاندار تا
اعلیٰ ترین روایات کو بھی مسخ کر ڈالا ہوگا چونکہ بنو عباس کا دور علمی ترقی کے لئے مشہور ہے لہٰذا تاریخ کی تدوی
کا بھی یہی زمانہ ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مجوس و یہود کا ایک گروہ محبان اہل بیت کے منافقانہ ادعا کی
علاوہ بنو عباس کے ہر شعبۂ عمل میں موجود تھا اور قومی کردار و تشخص میں تاریخ کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے
نے نہ صرف بنو امیہ کی تاریخ ۔ امیر معاویہؓ کا کردار ۔ مغیرہ بن شعبہؓ کی زندگی ۔ عمروؓ بن عاص کی سیرت ۔ یزید بن ا
کی حیات اور مابعد حکمرانوں سے بالخصوص عبد الملک اور اس کے گورنر حجاج بن یوسف کی اعلیٰ ترین انتظ
لیاقتوں اور یہود و مجوس کی چیرہ دستیوں ۔ کوتاہ اندیشیوں اور خلاف اسلام کارروائیوں کو نیست و نابو
کی بہترین صلاحیتوں کو مسخ کر کے بصورت ظلم پیش کیا بلکہ تاریخ اسلام کو مجموعی اعتبار سے ناقابل تلافی نقصا
یہی وجہ ہے کہ ہمیں اپنی تاریخ میں عیب ہی عیب نظر آتے ہیں ۔ جو حقیقت کے بالکل خلاف ہے کہ اتنے ع
اور خوبیوں سے تہی دامن قومیں صفحۂ ہستی پر اتنی دیر موجود نہیں رہا کرتیں اور نہ گرنے کے بعد ان میں پھر سے
کے عزم انگڑائی لیتے ہیں ـــــ غرض ہماری ارفع ترین تاریخی روایات کو اس گروہ نے زبردست نقصان پہ
ہے ۔ واقعات کو اس قدر غلط انداز ۔ مبالغہ آرائی اور قبیح صورت میں پیش کیا کہ بعد کے بہترین مورخین بھی ان
روایات میں اختلاط و تخلیط کو تمیز نہیں کر سکے ۔ چنانچہ ابو الفدا ، ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اس بات کا اعترا
کیا ہے ۔

اسلامی تاریخ کے اہم ماخذ

تاہم مقام شکر ہے کہ جس اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو بہترین
کا حامل بنایا تھا ۔ اسی ذات برحق نے ہمارے تہذیبی ورثہ ۔ ا
اور سرمایہ کو محفوظ بھی فرمایا ـــــ اور اس خدمت کے لئے ایک فرشتہ سیرت و باکردار انسانوں کا گروہ
کردیا جنہیں ہم محدثین کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ اگرچہ ان کا براہ راست تو موضوع حدیث نبوی ؐ ہے مگر اس
میں راویان حدیث جو تعداد میں لاکھوں سے بھی متجاوز ہیں ـــ کے واقعات ، حالات زندگی ، ان کی بہ
کردار کے اعلیٰ نمونے نیز اپنے اپنے ادوار میں لاکھوں دوسرے لوگوں سے ان کے تعلقات کے سلسلہ میں عہد کی
تاریخ پر ایک جامع تبصرہ ہے جو محدثین نے اپنی تاریخوں میں نقد و تحقیق کے لئے پوری تفصیل سے بیا
فرما دیا ہے ہمیں اپنی تہذیبی روایات کے لئے تاریخ محدثین یا کتب تفاسیر میں . . .

بہترین امثال و عبر اور نصیحت آمیز واقعات اور تاریخی حقائق پر اعتماد کرنا ہوگا۔

بلاشبہ یہ درست ہے کہ قوموں میں اچھے اور بُرے ہر قسم کے افراد پائے جاتے ہیں جو ہمارے یہاں بھی موجود تھے۔ رہے اور رہیں گے۔ مگر ہمیں اپنی قوم کی تصویر بناتے یاد کھاتے وقت اس حقیقت کو کبھی بھولنا نہیں چاہیئے کہ اہل اسلام کو اللہ تعالیٰ نے دوسری قوموں کے لئے ایک نمونۂ حیات کے طور پر برپا کیا ہے۔ ارشاد ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

اس آیت میں ایک ازلی اور ابدی حقیقت اور غیر مبدل واقعیت بیان کی جارہی ہے کہ مسلمانوں کا وجود جہاں بھی پایا جائے گا لوگوں کے لئے فلاح و بہبود اور تعمیر و ترقی کا ضامن ہوگا۔ اس کے موجود ہونے سے آبادی کا تصور ابھرے گا اور اس کے عدم سے بربادی وہلاکت!۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا۔

لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ کہ مسلمانوں کو ہر دور میں ارتقائے تہذیب انسانی کے لئے رہنما بنایا گیا ہے۔

ان آیتوں میں طبعی، فطری اور جبلی طور پر مسلمان کے اس ارفع مقام کی طرف اشارہ کیا گیا جو اس مادی دنیا میں اسے حاصل رہے گا یہ اس منصب رہبری و امامت سے کبھی الگ نہ ہوگا اور نہ یہ مقام اس سے چھینا جائے گا۔ یہ یاد رہے کہ ان آیتوں میں مادی ترقی سے زیادہ تہذیبی و اخلاقی ارتقاء کی طرف اشارہ ہے چنانچہ یورپ آج اپنی مادی ترقی کے باوجود اخلاقی اور روحانی اقدار کے افلاس کا شکار ہے اور امن و آشتی اور تعمیر انسانیت کے لئے فقط اسلام کی طرف نظریں لگائے ہوئے ہے۔

الغرض مجموعی طور پر ہماری تاریخ اتنی تہی دست اور کوتاہ دامن نہیں ہے جس قدر غیر ثقہ اور کذاب ارباب تاریخ نے ہمیں باور کرانے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ تاریخ کی وہ کتابیں جو مفسرین کے قلم سے معرض وجود میں آئیں یا ثقہ اہل سنت کا اثر خامہ ہیں بجز مناقشات و مشاجرات صحابہ ہماری تہذیبی اقدار کی امین ہیں۔ مگر وہ تاریخی کتابیں جو شیعہ اہل قلم سے وجود میں آئیں اہل علم کی نظر میں بالکل قابل اعتماد نہیں ہیں اس لئے کہ شیعہ حضرات کے مذہبی اصولوں میں "تقیہ" یعنی مفید مطلب جھوٹ نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن اور بسا اوقات ضروری ہے۔ اس کے برخلاف خوارج انتہائی غلط ہونے کے باوجود بہت ہی قابل اعتماد ہیں کیونکہ وہ جھوٹ کو کفر سے تعبیر کرتے ہیں۔ حاصل یہ کہ جس گروہ کے

نزدیک جھوٹ مذہبی طور پر باعثِ ثواب ہو اس کی تحریر کردہ کتاب کا کیا اعتبار! چنانچہ ابومخنف اور واقدی جو قتلِ حسینؓ کے مرکزی راوی ہیں نہایت ناقابلِ اعتبار ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تاریخ کی عام کتابیں جو عہد بنو عباس کے ابتداء میں مرتب ہوئیں صرف بنو امیہ کی مخالفت اور بغض و عناد پر مشتمل ہیں۔ حالانکہ خلفائے بنی امیہ میں بارہ خلیفوں بشمول خلفاء اربعہ کے متعلق فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ وہ ہادئ اسلام، انصاف کے لئے ایک معیاری نمونہ اور بہترین راہنما ہوں گے۔ کسی عالمگیر تحریک کے لئے فی الواقع ایسے حالات پیدا ہونے ضروری بھی ہیں کہ دیر تک بہترین انسانوں۔ اعلیٰ اخلاقی و انتظامی صلاحیتوں کے مالک رہنماؤں کے زیر اثر قوم تعمیر و ترقی کی منزلیں طے کر کے بامِ عروج تک رسائی حاصل کرے۔ مگر افسوس کہ گروہی اختلاف نے ہماری بہترین تاریخ کی کردار کشی کی ہے۔ اب ہمارے پاس تاریخی اعتبار سے صرف وہ سرمایہ باقی رہ جاتا ہے جو اہل حدیث حضرات نے راویانِ حدیث کے ضمن میں ہمیں بہم پہنچایا اور اربابِ ثقات نے کتب تفاسیر میں واقعات درج فرمائے یا پھر وہ تاریخی کتابیں جو اصحاب تفسیر نے رقم فرمائیں۔ اور سب سے آخر میں ثقہ اہلسنت کی تاریخی کتب ہیں جو معتبر اور قابلِ اعتماد ہیں۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ تاہم ان کے بھی وہ قومی تاثرات بالکل ناقابلِ یقین ہونگے جو ہماری اس مجموعی تہذیب سے متصادم ہوں جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں منصۂ شہود اور کارگاہ ہستی میں بھیجا ہے۔

خیر القرون کیلئے تاریخی مواد

ہمیں اپنی قومی تہذیب و اخلاق کے ابتدائی تین ادوار کے لئے کسی بھی مؤرخ تاریخ کے بیان کی قطعاً احتیاج نہیں ہے۔ ہماری ابتدائی تہذیبی سرفرازی اخلاقی برتری۔ انسانی ہمدردی، باہمی اخوت و محبت، عادلانہ مساوات، ایثار و قربانی، صبر و شکیب، للہیت خدارسی، خداترسی، عبادت و ریاضت، اطاعت و انابت، حق کے لئے معرکہ آرائی، بےنفسی و لاغرضی، آخرت طلبی اور دیگر اقوام کے لئے رہنمائی تو قرآن حکیم نے ہی جس احسن پیرایہ میں واضح کی ہے اس سے بڑھ کر اور کون معجز بیان ہوگا مزید برآں وہ لطیف قرآنی اشارے جو عام ذہنی سطح سے بلند تھے۔ حضور ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تفصیل سے بیان فرما دیئے چنانچہ قرآن حکیم صحابہ کی قبل از اسلام حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ان کی معاشرتی زندگی میں سب سے غالب عنصر آپس کی عداوت، دشمنی اور قتل و غارت تھی۔

كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۔

مگر اللہ رب العزت نے اس عالمگیر تحریک کے استحکام کے لئے انہیں بھائی بھائی بنا دیا اور دلوں میں

باہمی مودّت کا ایک سمندر موجزن کردیا۔ حق یہ ہے کہ اس امر کی واقعیت میں کسی شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ مزید ارشاد ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

یعنی اس ذہنی اور قلبی انقلاب کا یہ اثر کہ ان کی نظر میں اب پوری دنیا دو ہی طبقوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے کفر یا اسلام۔ کفر اور اہلِ کفر کے خلاف اعلانِ جنگ اور اہلِ اسلام کے لئے سراپا ہمدردی و ایثار! یاد رہے مسلمان کی تمام تر بغض اور عداوت اہلِ کفر سے فقط اسی وقت تک کے لئے ہیں جب تک وہ کفر کا علمبردار رہے۔ کفر کے احیاء کے لئے اہلِ اسلام سے ٹکراتا ہے۔ ورنہ کافر بحیثیت انسان اپنے تمام کفریہ نظریات و اعمال کے باوجود اسلام کا نشانۂ یورش نہیں ہے اسے اس حیثیت سے ہر عہد میں نہ صرف برداشت کیا جاتا رہا ہے بلکہ اس کے حقوق کی نگہداشت بھی ضروری سمجھی گئی ہے۔

ضروری ہے کہ یہ آپس کے پیار اور باہمی الفت طویل مدت تک اس قوم میں موجود رہیں تاکہ یہ تحریک توحید مضبوط اور تناور وجود اختیار کرے یعنی أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ یہ تمام باہمی شفقت و شیفتگی اس تحریک کے لئے تمہید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قطعی طور پر یہ امر محال ہے کہ تحریک کے استحکام سے پہلے ہی وہ تمہید و بنیاد ٹوٹ جائے جس پر تمام تعمیر کا انحصار ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مثال فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔ (الفتح) بیان ہوئی ہے۔ سلسلۂ کلام میں فرمایا جارہا ہے کہ مسلمانوں کی اللہ تعالیٰ کے لئے باہمی ہمدردیوں سے اٹھنے والی اس تحریک کی مثال اس کھیتی کی طرح ہے جو اُگتی، بلند ہوئی اور پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوجاتی ہے جس کو بونے والا تو دیکھ کر خوش ہوتا ہے جب کہ اسے دیکھ کر دوسروں (کفار) کے سینے پر سانپ لوٹ جاتا ہے ــــــ حاصل کلام یہ ہے کہ اسلام کی اس کاشت کو ایسا تناور درخت بننا ہے جسے دیکھ کر اپنے خوش اور بیگانے غم کے گھونٹ پی لیں۔ لہٰذا اس وقت تک ان کی باہمی ہمدردیاں موجود رہیں گی چنانچہ زمانہ گواہ ہے کہ ہماری یہ تحریک اس مقامِ بلند تک پہنچی جہاں ہمارا کوئی مدِّمقابل نہ تھا اور کفر افسوس سے ہاتھ ملتا رہ گیا ہاں یہ بھی درست ہے کہ کہیں کہیں ہمارا کارواں آہستہ ہوا اور کہیں رک بھی گیا مگر چند ساعت بعد پھر رواں دواں ہوگیا کہ قوموں کی زندگی میں سال منٹوں سے تعبیر ہوتے ہیں ــــــ ارشاداتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ ہوں

خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ

یعنی میرا عہد اور مزید دو زمانے میرے بعد بھی انتہائی بھلائی اور خیر اندیشی کے ہوں گے یعنی دورِ تبع تابعین تک مجموعی طور پر لوگوں میں باہمی الفت ہوگی وہ خدا کے بہترین عبادت گزار نیز روحِ اسلام سے سرشار رہیں گے نیز فرمایا کہ میرے بعد بارہ خلیفے لوگوں کے لئے انتہائی مشفق و رہنما اور اسلام کے حقیقی خیر خواہ ہوں گے۔ یہ وقت بھی تقریباً اسی قدر رہے گا جو قبل ازیں مذکور ہوا ـــــ مزید ارشاد ہوتا ہے کہ میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی تا آنکہ قیامت قائم ہو جائے حق یہ ہے دین اسلام کی بہر نوع خدمت تاریخی ہو یا فقہی ـــ تدوینِ حدیث یا تفسیر کتاب ـــ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی گروہ کو منتخب فرمایا ہے جس کا نام نامی محدثین ہے۔ شکر اللہ مساعیہم اور ان کے بعد وہ لوگ جو ان کی فکر و راہ اور عمل و کردار کو اپنائے ہوئے ہیں نیز جن کی فقہی سوچ بھی ان کے مطابق ہے ـــ الغرض ہمیں صحابہ۔ تابعین اور تبع تابعین کے حالات کو مطالعہ کرتے وقت اس دور کی خصوصیات کو پیش نظر رکھنا ہوگا نیز واقعۂ کربلا بھی ہمیں اسی دور کے آئینہ میں دیکھنا ہے

(۲)

تاریخ عالم میں اگرچہ ایسے بے شمار واقعات ظہور پذیر ہوئے جنہیں نہ صرف ایک مدت تک یاد رکھا گیا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید بن گئے۔ انہی واقعات کی بنیاد پر تحریکیں اٹھیں، پروان چڑھیں اور اپنے منطقی انجام تک پہنچیں۔ ایک مدت تک لوگوں کے لئے مشعلِ راہ بنتی رہیں نیز ہر دور میں انقلاب آفرینی کا سبب بھی بنیں۔ مگر یہ عجیب اتفاق ہے یا جذباتیت کہ ایسے واقعات ایک حقیقت سے زیادہ افسانہ، واقعات سے زیادہ بناوٹ و تصنع اور سچائی و نکھار سے زیادہ جھوٹ اور آمیزش کا مرقع بن جاتے ہیں۔ بڑے باریک بین مفکر اور ماہر تاریخ داں کیلئے بھی وہاں حقیقت کی نقاب کشائی ناممکن ہو جاتی ہے۔ بالخصوص جن تاریخی شخصیات کے ساتھ ارادت، عقیدت، محبت پیار اور خلوص کا جذبہ کارفرما ہو وہاں حقائق کا نکھار از حد مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ جذبات اور قلبی علائق وہاں کسی ایسی تحقیق کی اجازت ہی نہیں دیتے جس کے نتیجہ میں اپنے خیالات و تصورات کو جو مدت سے ایک خاص سانچے میں ڈھل کر پختہ ہو چکے ہوں کوئی گزند پہنچے یا انہیں بدلنے کی ضرورت کا تقاضا کرے۔

صاحب کربلا کی شخصیت

تاریخ انسانیت میں یہ غم انگیز اور عبرت خیز واقعہ اپنی نوعیت کا قریب قریب منفرد واقعہ ہے جسے داستانِ کربلا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

دراصل اس واقعہ کی مرکزی شخصیت اتنی بلند و بالا اور درانہ قد واقع ہوئی ہے کہ اس کو سمجھنے میں اکثر ان کی اپنی عالی مرتبتی و نازک مقامی، خاندانی وجاہت اور نسبی شرافت ہی آڑے آتی رہی ہے کہ عقل و فکر اور شعور و آگہی نے جب کبھی نظریں اٹھا کر انہیں دیکھنا چاہا فوراً ایک عظمت و رفعت کا پہاڑ اور اپنی ارادت و عقیدت کا حجاب طبیعت پر چھا گیا جس سے واقعات کی حقیقت اور افسانوی حیثیت وہیں کی وہیں رہی، ایک انچ بھی نہ سرک سکی اس واقعۂ فاجعہ اور شہادتِ ہائلہ پر لوگوں کی عقیدت و محبت نیز ان واقعات میں افسانوی رنگ کا تذکرہ امام الہند ابوالکلام آزاد نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے۔

حقیقت و افسانہ

"تاریخ اسلام میں حضرت امام حسین (علیہ علی آبائہ واجدادہ الصلوٰۃ والسلام) کی شخصیت جو اہمیت رکھتی ہے محتاج بیان نہیں۔ خلفائے راشدین کے عہد کے بعد جس واقعہ نے اسلام کی دینی سیاسی اور اجتماعی تاریخ پر سب سے زیادہ اثر ڈالا ہے وہ ان کی شہادت کا عظیم واقعہ ہے۔ بغیر کسی مبالغہ کے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے کسی المناک حادثہ پر نسل انسانی کے اس قدر آنسو نہ بہے ہوں گے جس قدر اس حادثہ پر بہے ہیں۔ تیرہ سو سال کے اندر تیرہ سو محرّم گزر چکے اور ہر محرم اس حادثہ کی یاد تازہ کرتا رہا۔ امام حسینؓ کے جسم خونچکاں سے دشت کربلا میں جس قدر خون بہا تھا اس کے ایک ایک قطرہ کے بدلے دنیا اشک ہائے ماتم و الم کا ایک ایک سیلاب بہا چکی ہے۔"

بایں ہمہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تاریخ کا اتنا مشہور اور عظیم تاثیر رکھنے والا واقعہ بھی تاریخ سے کہیں زیادہ افسانہ کی صورت اختیار کر چکا ہے اگر آج ایک جویائے حقیقت چاہے کہ صرف تاریخ اور تاریخ کی محتاط شہادتوں کے اندر اس حادثہ کا مطالعہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں اسے مایوسی سے دوچار ہونا پڑے گا اس وقت جس قدر بھی مقبول اور متداول ذخیرہ اس موضوع پر موجود ہے وہ زیادہ تر روضہ خوانی سے تعلق رکھتا ہے جس کا مقصد زیادہ سے زیادہ گریۂ و بکا کی حالت پیدا کر دیتی ہے حتیٰ کہ تاریخی حیثیت سے بیان کردہ بعض چیزیں جو تاریخ کی شکل میں مرتب ہوئی ہیں وہ بھی دراصل تاریخ نہیں ___ روضہ خوانی اور مجلس طرازی کے مواد ہی نے ایک دوسری صورت اختیار کر لی ہے۔"

امام الہندؒ کی مندرجہ بالا عبارت جہاں اس حادثہ کی تاریخی حیثیت کی نقاب کشائی کرتی ہے وہاں

اس واقعہ کے متعلق مرثیہ تاریخی کتب کی حقیقت بھی عیاں کرتی ہے کہ ان کی داخلی شہادت قطعاً ناقابل اعتبار ہے ان کتابوں کی عبارات تغیرّ و تبدّل کی بدترین مثال ہے۔ فی الواقع ان کتب میں اس قدر تناقض اور تضاد موجود ہے کہ قاری جگہ جگہ حیرت سے انگشت بدنداں ہو جاتا ہے اور اس کے منہ سے بے ساختہ یا للعجب نکل جاتا ہے۔ واقعات بے ربط۔ غیر منطقی نتائج۔ بے سروپا حکایات ان کا طرۂ امتیاز ہے اس لئے تلاشِ حقیقت کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ان کتب مرثیہ و روضہ خوانی کے ساتھ ساتھ عہد اسلامی کے ابتدائی دور کی خصوصیات اور اس تبدیلی و انقلاب کو پیش نظر رکھیں جسے ابھی ابھی برپا فرما کر ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم واصل بحق ہوئے ہیں نیز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سنہری دور جس کی ضیا پاشیاں آٹھ صدی تک پوری دنیا کو منوّر کرتی رہی ہیں اور منجملہ ابھی تک ان کی مساعی وجد و جہد کا عملاً دخل معلوم ہوتا ہے۔

شہادت امامؓ اور قاتل

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حادثۂ شہادت ارضِ عراق یعنی کربلا میں ضرور پیش آیا۔ بلاشبہ یہ شہادت ظلم کی ایک سنگین واردات کے نتیجے کے طور پر ظہور میں آئی۔ اس ظلم کی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے۔ لاریب یہ حادثۂ جانکاہ جو کربلا میں پیش آیا ظلم و عصیان اور زیادتی میں منفرد حیثیت رکھتا ہے اور ظالم کو جس قدر مستوجب سزا قرار دیا جائے لعنتی اور جہنمی قرار دیا جائے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مجرم قرار دیا جائے بجا ہے۔

مگر سب سے پہلے یہ تو معلوم ہو کہ اس واردات کا ارتکاب کن لوگوں نے کیا ہے۔ مجرم کون لوگ ہیں۔ یہ حادثہ کن لوگوں کے ہاتھوں کا برپا کردہ ہے کہیں ایسا تو نہیں جسے جرم میں گرفتار کیا گیا ہے وہ مجرم ہی نہ ہو اسے محض مجرموں کی چالاکی فریب کاری اور تصنّع سے موردِ الزام ٹھہرایا جا رہا ہو۔ بے گناہ کے سر قتل ڈالا جا رہا ہو۔ اکثر ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ لوگ جرمِ بےگناہی میں بھی گرفتارِ بلا ہوئے اور مجرموں کو چھوڑ مقتول کے اپنے قریبیوں۔ عزیزوں۔ جیّوں دوستوں اور جانثاروں کو تختۂ دار پر کھینچ دیا گیا اور ایسے میں ایک ظلم مزید کئی ظلموں کا سبب بن گیا۔

مقام افسوس!

یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ اس واقعۂ فاجعہ میں جو کردار ظلم میں سب سے نمایاں اور پیش پیش نظر آتا ہے وہ رشتہ میں امام علیہ السلام سے بہت ہی قریب بھی ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو کیا وجہ ہے اِن قرابت داروں نے اپنے سر اپنے ہی تیروں پر کیوں اچھالے۔ اپنی گردنیں اپنی ہی تلوار

سے کیوں کاٹیں؟ کیا عقل باور کرتی ہے یا شعور و آگہی اس بات کے قائل ہو سکتے ہیں کہ یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا۔ آیئے وہ نقشہ ملاحظہ فرمائیے جو قرابت و مصاہرت کے سلسلے میں کتب انساب میں مندرج ہے۔

قرابت داری

(۱) حضرت عمرو بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

ان کے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو فاتح ایران کے طور پر مشہور ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں محاذِ ایران پر سپہ سالارِ افواجِ اسلامی تھے اور یہ رشتہ میں رسالت مآب، ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ اور ان کا بیٹا حضرت عمرو بن سعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں زاد ٹھہرے اور ادھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اس طرح حضرت امام رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کے بھی نواسے ٹھہرے کہ بھائی کا نواسہ خود اپنا نواسہ ہوتا ہے گویا حضرت عمرو بن سعد رضی اللہ عنہ کا رشتہ امام حسین رضی اللہ عنہ سے براہ راست یہ ہوا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن سعد رضی اللہ عنہ کی پھوپھی کی پوتی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے فرزندِ ارجمند ہیں اور اس طرح حضرت فاطمۃ الزہراء حضرت عمرو بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بھتیجی بھی ہوئیں (جمہرۃ الانساب ابن حزم) مزید برآں یہی بزرگ جنہیں امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل کی حیثیت دی گئی ہے کبار تابعین سے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں رقم طراز ہیں کہ عمرو بن سعد اپنے باپ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت حدیث فرمایا کرتے تھے " وھو تابعی ثقۃ " اور وہ بہت ہی با اعتماد تابعی تھے مزید برآں "الجزیرہ" پر حملہ کرنے والی فوج کی کمان حضرت عمرو بن سعد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ وانہ ولد فی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی عمرو بن سعد رضی اللہ عنہ حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے تبھی تو انہیں اس جنگ میں بھیجا گیا جو سنہ ۱۹ھ ہجری میں لڑی گئی۔ (ابن عساکر۔ الاصابہ)

(۲) شمر بن ذی الجوشن

حضرت علی کرم اللہ وجہہ شمر بن ذی الجوشن کے پھوپھا ہیں کیونکہ اس کی پھوپھی ام البنین بنت حرام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں اور ان کے بطن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چار صاحبزادے تھے۔ حضرت عباس علمدار۔ عبداللہ۔ جعفر اور عثمان۔ اس طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، شمر بن ذی الجوشن کے پھپھیرے بھائی ٹھہرے۔ اس مقام پر وضاحت طلب یہ امر ہے کہ ابومخنف وغیرہ رافضی راویوں کے مطابق شمر نے ابن زیاد سے اپنے پھوپھی زادوں کے لئے امان طلبی کی درخواست

کی۔ تو وہ اگرچہ منظور ہوگئی مگر صاحبزادوں نے انکار کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خود تصنیف کردہ موضوع حکایات دجل سے بڑھ کر کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتیں حضرت امام علیہ السلام کے ساتھ بھی اتنے قریبی تعلقات ہوتے ہوئے آخر کیا وجہ ہے حضرت امام کے لئے ایک بھی کلمہ خیر ان کی زبان سے نہیں نکلا جبکہ مخاصمت، عداوت اور دشمنی کی بھی کوئی وجہ تاریخی کتب و دفاتر میں موجود نہیں ملتی۔ وہ کون سی مجبوری تھی جس نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف اسے سراپا۔ آتش مجسمۂ بغض و عناد اور اوّل و آخر دشمن بنا کر رکھ دیا تھا کہ اصلاح احوال کی جتنی بھی کوششیں وجود میں آتیں ان کے خلاف تمام حرب و ضرب سے لیس میدان میں کود کر انہیں خراب کر دیتا تھا۔ آخر کسی جاگیر کا جھگڑا تھا یا کوئی اور رباط۔ اس کے پھوپھی زادوں کو تو قطعًا امامؓ سے شکایت نہ تھی۔ ان کی امامؓ سے محبت و خلوص ہی اسے دامن گیر ہوتی۔ عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے۔ شعور و آگہی کا نتیجہ بھی اس سے مختلف نہیں نکلتا۔ کہیں شمر بن ذی الجوشن پر امام رضی اللہ عنہ اور آپ کے اہل بیت کی مخالفت اور نتیجۃً شہادت محض ہوشیار قاتلوں اور فتنہ گردوں ہی کا کمال نہ ہو محض افتراء اور بہتان نہ ہو کہیں اس کے پیچھے چھپے ہوئے محشر خیز فتنے نہ ہوں اور یہودیوں۔ رافضیوں کا خفیہ ہاتھ کارفرما نہ ہو۔

۳ - یزید بن امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ورحمہ۔

یزید بن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے اس قدر رشتہ و قرابت اور خاندانی روابط موجود ہیں کہ تفصیل محض تحصیلِ حاصل معلوم ہوتی ہے اگر یوں کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ دو خاندان نہیں۔ کثرت تعلقات اور باہمی مناکحت کی وجہ سے گویا ایک ہی خاندان ہے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ا - سب سے پہلا تعلق جو حضور اکرم فداہ ابی و امی کا اس خاندان سے پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ حضرت ام المومنین ام حبیبہ بنت ابو سفیان آپؐ کے نکاح میں آتی ہیں اس صورت میں حضرت ابو سفیانؓ آپؐ کے سسر اور امیر معاویہؓ آپؐ کے برادر نسبتی قرار پاتے ہیں اور یزید کے رشتہ میں آنحضرتؐ پھوپھا ہوئے اور امام حسینؓ یزید کے بھانجے اور یزید ان کا ماموں قرار پاتا ہے۔

(ب) حضرت علیؓ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کا حضرت امیر معاویہ کے حقیقی چچا حارث بن حرب بن امیہ سے نکاح ہوا تھا اور دوسری پھوپھی بیضا، ام حکیم بنت عبد المطلب کا نکاح کریز بن ربیعہ اموی سے ہوا تھا

نوٹ ۔ عبید اللہ بن زیاد بن ابو سفیان ! یزید کا چچیرا بھائی تھا اس لئے کہ امیر معاویہ

ان قرابت داریوں سے ان کے خاندانی روابط معلوم کئے جاسکتے ہیں۔

ج ۔ ادھر حضرت امیر معاویہ کی پھوپھی "اُم جمیل" جسے قرآن نے حمالۃ الحطب سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت علیؓ کے چچا ابولہب کے نکاح میں تھی اس رشتہ کی رو سے وہ حضرت علی کی چچی ہوتی ہے پھر امیر معاویہؓ اور حضرت علی آپس میں بھائی اور یزید اور امام حسینؓ چچا تایا کی اولاد ہونے کی وجہ سے بھائی بھائی، گویا کسی رشتہ کی بنا پر دونوں حضرات آپس میں ماموں بھانجا اور کسی رشتہ کی بنا پر بھائی بھائی قرار پاتے ہیں۔ اتنے خاندانی تعلقات کے باوجود کیا اس بات کا اذعان اور یقین کیا جاسکتا ہے کہ واقعی یہ حادثہ ایسے ہی پیش آیا ہوگا؟ جیساکہ باور کرایا جاتا ہے۔ کیا واقعات کا تسلسل کچھ یوں ہی ہوگا جیسے بیان کیا جاتا ہے وہ رشتہ داریاں کیا ہوئی؟ وہ قرابت کیوں خاک میں گئی وہ صلہ رحمی کے چراغ جو اب بھی دھیمے روشن ہیں مدت مدید تک کیسے جلتے رہے؟ جن کا تیل آغاز ہی میں ختم ہوگیا تھا؟ وفاداریوں اور رشتۂ قرابت کی لحاظ داریوں کا چمن اگر اسی وقت سے خزاں رسیدہ ہوکر جل کر راکھ ہوکر پیوند خاک ہوگیا تھا تو اب بھی یہ کھلتی پھلتی خوشبو سوئے مدینہ وحجاز سے کیوں آرہی ہے۔

یہ حقیقت ناقابل تردید معلوم ہوتی ہے کہ وہ واقعات کچھ اور ہی ہوں گے جو کربلا میں پیش آئے۔ جو خاندان نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی شہادت پر منتج ہوئے جو چمن اہل بیت پر باد خزاں بن کے چلے لیکن بعد میں آنے والوں نے انہیں اپنے مفاد کے سانچہ میں فٹ کرنے کے لئے کچھ کا کچھ بنا ڈالا۔ تبدیل کردیا جنہیں بنوامیہ کے عروج سے قتل اور گھروں کے برباد کرنے میں ہی اپنی عافیت نظر آئی ہو اور ان کی تخریب ہی حق کی تعمیر کی مرہون سمجھی گئی ہو بھلا ان کے نشان مٹانے انہیں بے نشان کرنے کے لئے کون سا الزام، افترا اور بہتان ہے جو ان کے سر نہ تھوپا جائے گا۔

کربلا کے بعد کی رشتہ داریاں

ہاں یہ الزام ہے فقط الزام جس کی کوئی حقیقت نہیں یہ بہتان ہے سراسر بہتان جس میں کوئی صداقت نہیں ـــــ ورنہ واقعات کربلا کے بعد دونوں خاندانوں میں اسی انداز سے رشتہ ہائے مناکحت کیوں وقوع پذیر ہوتے رہے جیسے اس شہادت سے پہلے موجود تھے بلکہ بعد میں ان کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوگیا تھا۔ مثلاً

ا ۔ حضرت علیؓ کی تین صاحبزادیاں بنوامیہ میں بیاہی گئیں :- (۱) رملہ بنت حضرت علیؓ مروانؓ کے فرزند معاویہ سے جو عبدالملک کے حقیقی بھائی تھے۔ نکاح ہوا تھا۔ (جمہرۃ الانساب ص۔۔) (۲) حضرت علیؓ

رضی اللہ عنہ کی دوسری صاحبزادی خود عبدالملک بن مروان کے نکاح میں تھیں (البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۶۹)
(۴) خدیجہ بنت علیؓ کا عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عامر بن کریز اموی سے نکاح ہوا تھا (جمہرۃ الانساب)

(ب) حضرت حسنؓ کی چھ پوتیاں خاندان بنی امیہ میں شادی شدہ تھیں۔ (۱) سیدہ نفیسہ بنت زید بن حسن بن علی کا نکاح ولید سے ہوا جو عبدالملک بن مروان کا بیٹا تھا۔ (۲) سیدہ زینب جو حسن مثنیٰ کی لڑکی تھیں کا نکاح بھی ولید بن عبدالملک سے ہوا۔ (جمہرۃ الانساب) (۳) حضرت حسن کی تیسری پوتی ام قاسم کا نکاح مروان بن ابان بن عثمان سے ہوا۔ (۴) ابن حزم کے بیان کے مطابق ایک پوتی کا نکاح معاویہ بن مروان بن الحکم سے بھی ہوا تھا۔ (۵) حمادہ بنت حسن مثنیٰ کا نکاح اسماعیل بن عبدالملک بن حارث سے ہوا تھا (۶) خدیجہ بنت حسین بن حسن کا نکاح بھی اسماعیل بن عبدالملک سے حمادہ سے پہلے ہوا تھا۔ (جمہرۃ الانساب)

(ج) (۱) حضرت امام حسین کی اپنی صاحبزادی حضرت سکینہ کا نکاح مروان کے پوتے اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان سے ہوا (کتاب المعارف ابن قتیبہ ص ۹۴ و نسب قریش ص ۵۹) (۲) اسی حضرت سکینہ کا ایک نکاح حضرت عثمانؓ کے پوتے حضرت زید سے ہوا۔ (۳) حضرت امامؓ کی نواسی، حضرت سکینہ کی بیٹی ربیعہ کا نکاح ولید بن عبدالملک کے بیٹے عباس سے ہوا۔ (۴) حضرت امام حسینؓ کے ایک پڑوتے حسن بن حسین بن علی بن حسینؓ کی شادی خلیدہ بنت مروان بن عنبسہ سے ہوئی۔ (۵) حضرت امامؓ کے ایک اور پڑپوتے اسحٰق بن عبداللہ کی شادی حضرت عثمانؓ کی پڑوتی عائشہ سے ہوئی۔

یہ مذکورہ بالا علائق اور دیگر سینکڑوں رشتہ داریاں اس بات کا بیّن ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ ان دونوں میں اس طرح کی قطعاً کوئی رنجیدگی کی بات کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ ان کی ایجاد کا سہرا بنو عباس اور روافض کے سر ہے۔ ورنہ شہادت کے بعد قرابت داریوں میں کمی کی بجائے یہ اضافہ چہ معنی دارد؟

ایک اور شہادت

حافظ ابن کثیرؒ البدایہ والنہایہ، ج ۸ ص ۲۱۵ پر رقمطراز ہیں ـــــ کہ شہادت امام حسینؓ کے بعد یزید کی حکومت میں "واقعۂ حرہ" دوسرا بڑا حادثہ ہے جس میں اہل مدینہ نے یزید کے خلاف بغاوت کی تھی نیز مہاجرین و انصار نے اپنے اپنے الگ الگ حکمران مقرر کر لئے تھے۔ بنی امیہ کو مدینہ سے نکال باہر کرنے کا فیصلہ ہو چکا تھا وہاں کے گورنر عثمان بن محمد اور کچھ بنی امیہ کے لوگ مروان بن

حکم کے گھر خوف زدہ ہو کر جمع تھے تو عام لوگوں نے ان کا گھیراؤ کر لیا تھا اس صورت میں بنی امیہ کے بچ نکلنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہ گئی تھی ــــ بایں ہمہ امام زین العابدین اس بغاوت میں قطعاً شریک نہیں ہوئے اور نہ بیعتِ یزید کو توڑا اور نہ مدینہ والوں کی ہنگامہ آرائی میں شریک ہوئے ــــ اسی طرح عبداللہ بن عمر نے بھی نہ صرف یزید کی بیعت کو قائم رکھا بلکہ اپنے گھر والوں کو سختی سے اس کی پابندی کے متعلق فرمایا۔ (پھر فرماتے ہیں)

کذالک لم یخلع یزید احدٌ من بنی عبد المطلب وقد سئل محمد بن الحنفیۃ فی ذلک فامتنع من ذالک اشد الامتناع الخ ــــ ترجمہ :۔ عبدالمطلب کی اولاد میں سے کسی نے بھی " یزید کی بیعت نہیں توڑی جب حضرت علیؓ کے بیٹے محمدؐ بن حنفیہ سے بیعت توڑنے کے لئے کہا گیا تو آپ نے سختی سے انکار کر دیا بلکہ ان سب الزامات کا جواب بھی دیا جو اتہامات یزید پر بایں الفاظ لگائے گئے تھے کہ یزید شرابی ہے اور وہ نمازیں چھوڑ دیتا ہے۔ (یاد رہے کہ بنی عبد المطلب سے حضرت علیؓ، حضرت عقیل، حضرت جعفر اور حضرت عباس کی اولاد مراد ہے) یعنی تمام خاندان بنی ہاشم نے بیعت یزید کی بڑی زبردست پابندی کی جبکہ دوسرے کچھ لوگ بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے۔

ان الزامات وجوابات کی تفصیل بلاذری کی کتاب " انساب الاشراف ج ۴ " میں اس طرح مرقوم ہے کہ جب لوگوں نے یزید پر الزام لگائے تو محمدؐ بن حنفیہ نے فرمایا۔ اللہ سے ڈرو کیا تم میں سے کسی نے یزید کو یہ کام کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ میں خود اس کے ساتھ تم سے زیادہ دیر رہا ہوں میں نے تو اس کو یہ کام (شراب پینا اور نماز چھوڑ دینا) کرتے نہیں دیکھا۔

لوگوں نے جواب دیا، " تو کیا وہ تمہارے سامنے یہ کام کرتا!

محمدؐ بن حنفیہ! تو کیا تمہاری اس سے چار یاری تھی جو تمہیں معلوم ہے جب تو تم بھی اس کے ہم پیالہ وہم نوالہ رہے ہوگے اور اگر ایسا نہیں ہے تو تم محض الزام تراشی کر رہے ہو۔

لوگوں نے کہا۔ اگر ہم آپ کی بیعت کر لیں تو پھر؟ یعنی ابن زبیرؓ کی بجائے آپ کو خلیفہ بنانے کیلئے تیار ہیں۔

محمد بن علی (ابن حنفیہ) لَسْتُ اُقَاتِلُ تَابِعًا وَلَا مَتْبُوعًا یعنی میں نہ تو خود خلیفہ بننا چاہتا ہوں نہ کسی اور کو (بجائے خلیفہ موجود کے) خلافت کا اہل سمجھتا ہوں کہ اس کے ساتھ ہو کر یزید سے لڑائی کروں۔

البدایہ والنہایہ حافظ ابن کثیر ج ۸ ص ۲۳ میں اس سے زیادہ تفصیلی مناظرہ مذکور ہے جس میں یزید کے کچھ مناقب بھی بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں۔ ما رأیت منہ ما تذکرون وقد حضرتہ واقمت عندہ فرأیتہ مواظبا علی الصلوٰۃ متحریا للخیر یسأل عن الفقہ ملازما للسنۃ یعنی جو الزام آپ لوگ یزید پر لگا رہے ہیں میں نے قطعاً ان میں سے کوئی بھی عیب اس میں نہیں دیکھا حالانکہ میں نے اس کے پاس (گیارہ سال) قیام کیا ہے بلکہ اس کے برعکس میں نے تو دیکھا ہے کہ وہ نماز انتہائی پابندی کے ساتھ ادا کرتا ہے، بھلائی اور نیکی کے کام تلاش کر کر کے سرانجام دیتا ہے دینی علوم میں ہر وقت مشغول رہتا ہے اور سنت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کا زبردست پابند ہے۔

ناظرین گرامی قدر۔ مذکورہ بالا حقائق قطعاً کسی تبصرہ کے محتاج نہیں ہیں اور نہ ہی وضاحت طلب بلکہ خود منہ بولتی تصویریں ہیں جو ہر کس و ناکس ملاحظ فرما سکتا ہے فقط نتیجہ کے متعلق کچھ گذارشات کروں گا۔ مندرجہ بالا عبارت میں حضرت علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ یعنی امام زین العابدین، امام محمد بن حنفیہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرات بنو عبدالمطلب یعنی اہل بیت نبوت علی صاحبہا التحیۃ والثناء کے کردار خلوص ومحبت، وفا و ایثار اور جذبۂ اطاعت شعاری کی زبردست عکاسی ہوتی ہے۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ یزید کے خلاف ایک تلاطم خیز ہیجان موجود ہے مخالفت کی آگ ہے جو ہر چہار طرف ارض حجاز میں پھیل چکی ہے یزید کی بیعت توڑ کر نئے خلفاء مقرر اور ان سے ناطے قائم کئے جارہے ہیں اور بغاوت کے شعلے ہیں کہ ہر طرف بھڑک رہے ہیں۔ اندریں حالات غور طلب بات یہ ہے کہ شہادت کربلا کے فوراً بعد جبکہ میدان کربلا سے چیخوں اور سسکیوں کی ابھی بھی آوازیں آرہی ہوں نیزوں اور تلواروں کی جھنکار صاف سنائی دے رہی ہو بقول شخصے معصوموں کے خشک گلے کو ان کے ہی خون سے تر کرنے کا منظر ابھی بھولا نہ ہو، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے جسد اطہر کو گھوڑوں کی سموں سے روندڈالا جانے والا واقعہ ابھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہوا ہو، پردہ نشین، باشرم وحیار خاتونوں کو ننگے سر نوحہ کناں کوفہ اور دمشق کی گلیوں اور بازاروں میں پھرانے کے دل دوز حادثے پر صدیاں نہ گذر گئی ہوں ـــــ حضرت زین العابدین شاہد کربلا و بیمار کربلا کو کیا سوجھی آل مطلب کو کیا سوجھی؟ اہل بیت نبوّت کی جماعتوں کو کیا ہوا۔ محمد بن حنفیہ آل علی رضی اللہ عنہ، آل جعفر رضی اللہ عنہ، آل عقیل، اور آل عباس نے کیا ٹھانی کہ اور سب لوگ بولتے ہیں۔ بغاوت میں ایک سے ایک آگے ہے مگر یہ حضرات خاموش ہیں لوگ بیعت

توڑتے ہیں مگر یہ حضرات یزید کی بیعت پر قائم ہیں۔ لوگ لڑنے کو نکلتے ہیں مگر یہ حضرات (خدا ان پر رحمت کرے) کنارہ کش رہتے ہیں لوگ بنوامیہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں مگر حضرت زین العابدین پناہ دیتے ہیں ۔۔۔۔ سوچو ۔۔۔ پھر سوچو ۔۔۔ غور کرو ۔۔۔ دوبارہ غور کرو کہ کیا امام زین العابدین نے واقعۂ کربلا کی ذمہ داری یزید کے کندھوں پر ڈالتے ہوئے یہ کچھ کیا۔ کیا واقعی آل علیؓ۔ آل عباس ۔ آل جعفر اور آل عقیل یزید کو ہی شہید کربلا کا مجرم سمجھتے تھے اگر ایسا تھا تو ان حضرات کو بغاوت میں سب سے آگے بڑھ کر علم بردار بننا چاہئے تھا۔ فطرت اس بات کا تقاضا کرتی ہے عقل و شعور کی یہی آواز اور تقاضائے وقت کی یہی پکار تھی کہ آل علیؓ اولاد حضرت امام حسینؓ ان میں پیش پیش ہوتے، یزید کی مخالفت کے شعلوں کو ہوا دیتے تاآنکہ خرمن یزید جل جاتا ۔ اس کے خرمن پر برق بن کر گرتے ۔۔۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ تاریخ ہاں معتبر تاریخ ہمیں بتاتی ہے ، واقعات جن کا انکار ممکن نہیں بولتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین نے امام محمد بن حنفیہ نے ، تمام آل مطلب نے مخالفت کی بجائے موافقت کو ترجیح دی۔ کیا یہ لوگ خوف زدہ تھے ؟ یا ان پر کوئی پہرہ بٹھا دیا گیا تھا ۔۔۔ کیا آل مطلب اور بنی ہاشم کے وہی بہتر افراد دنیا میں موجود تھے جو کربلا کے میدان میں شہید ہو گئے ۔۔۔ نہیں ۔۔۔ ہرگز نہیں ۔۔۔ بنی ہاشم پورے حجاز بلکہ قلمرو اسلامی میں پھیلے ہوئے تھے ۔۔۔ پھر خاموشی اطاعت شعاری اور وفائے عہد کیا اس بات کے غماز نہیں ہیں کہ یہ حضرات واقعات کربلا کی ذمہ داری یزید کی بجائے کسی اور کے سر ڈالتے تھے ۔ ہاں یقیناً یہ صحیح ہے کہ شہید کربلا کے مجرم کوئی اور لوگ ہیں یہیں کہیں کمین گاہوں میں چھپے ہوئے ہم انشاء اللہ کوشش کریں گے کہ ان کو وہاں سے نکال کر مجرموں کے کٹہرے میں عوامی عدالت کے سامنے پیش کریں ۔

شہادت دوراں

حادثۂ کربلا کے وقت اگرچہ نئی نئی فتوحات کے نتیجہ میں مملکت اسلامیہ کی حدود میں نومسلموں کی تعداد خاصی بڑھ گئی تھی مگر ابھی تک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تربیت یافتگان مکتب رسالتؐ۔ راسخین فی العلم والعمل ، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے نوید یافتہ (خدا ان پر اور یہ خدا پر راضی ہو گئے) ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے ۔۔۔ اتمام الوفا فی سیرۃ الخلفاء کے مؤلف رقمطراز ہیں کہ ۔۔۔ وقد کان فی ذالک العصر کثیر من الصحابۃ بالحجاز والشام والبصرۃ و الکوفۃ ومصر یعنی حادثۂ کربلا کے وقت حجاز ، شام ، بصرہ ، کوفہ اور مصر میں صحابہ کی ایک بڑی تعداد

موجود تھی ؎ گویا یہ وہ زمانہ تھا جس کے متعلق، امام الثقلین، جدالحسن والحسین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (الحدیث) یعنی میرا دور (زمانہ) بہترین دور ہے۔ پھر اس کے بعد کا دور اور مزید اس کے بعد کا دور بہترین زمانے ہیں۔ اس حدیث پاک کی رُو سے دورِ رسالت مآبؐ مع زمانہ صحابہؓ اور دورِ تابعین اور پھر تبع تابعین کے یہ ادوار اپنی حسن وخوبی۔ امن وآشتی، رواداری، حسن سلوک، سچائی، دینِ حق کے لئے جرأت و بسالت حق پر قائم اور اس پر کٹ مرنے کے جذبے، ایثار، قربانی اور صراطِ مستقیم دینِ متین پر مکمل عمل و تسلیم میں تخلیقِ آدمؑ سے تخریب کائنات تک اپنی مثال خود آپ ہیں۔

ان تین عہدوں کی خوبی، امتیاز اور فضیلت اسی بات پر منحصر ہے کہ ان زمانوں کے مسلمان خوبی وفضیلت کے اعتبار سے بلند مرتبہ پر فائز ہوں گے ورنہ شب و روز، لیل و نہار اور ماہ و سال کس دور میں نہیں ہوئے۔ حوائج فطریہ کہاں نہیں ہیں۔ کھانا، پینا، جینا اور مرجانا کس دور میں نہیں رہا — ہاں اگر انسانیت کے کمال نے ہی اس دور کو ممتاز کر دیا تھا تو کیا وجہ ہے اتنے بڑے مجرم کو (اگر وہ واقعی مجرم تھا) لوگوں نے خلافت سے معزول نہ کر دیا۔ اپنے حسن سلوک کے لئے پوری دنیا میں مشہور ومعروف لوگ اپنے ہی محسن ہادی برحق صلے اللہ علیہ وسلم کے نواسےؓ کے لئے اظہار ہمدردی کے طور پر ایسا نہ کر سکے۔ یہ تو کہا ہی نہیں جاسکتا کہ ان میں حمیّت دینی نہ رہی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کو بھول گئے تھے یا بہادری اور جرأت کو ان سے کسی نے چھین لیا تھا — وہ ابھی تک اپنی مردانگی، غیرت اسلامی اور اخلاق کریمانہ کے نقوش ثبت کرتے ہوئے زمین کی پیٹھ پر دوڑتے جارہے تھے — قسطنطنیہ کی فتح کے لئے تگ و تاز ہو رہی ہے۔ رومیوں سے باغانہ۔ شہر ابہ اور شہر طنجہ عقبہ بن نافع قبضہ میں لے چکے ہیں۔ مراقش کو فتح کر کے بحرِ ظلمات کے ساحل تک رسائی حاصل ہو چکی ہے حضرت عقبہ بن نافع نے ہی اس سمندر میں اپنا گھوڑا ڈالا تھا۔ اقبال مرحوم نے اسی کے متعلق کہا ہے ؎ بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

ہم اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ زمانۂ خیر القرون جس کی شہادت خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے صادر ہو چکی ہو اس میں ان بہترین لوگوں، افضل واکمل انسانوں سے جن کی بدولت یہ زمانہ، زمانۂ خیر کہلایا یہ واقعات سرزد ہوئے ہوں گے مسلمانوں کے خون میں محبت و یگانگت کی سرخی کسی نہ کسی مقدار میں اب تک موجود ہے مانا کہ

؎۔ جلیل القدر صحابہ میں سے یک صد ستر حضرات کے تو تاریخوں میں اسماء گرامی اور تذکرے بھی موجود ہیں۔

یزید کے خون سے شاید مٹ چکی ہو مگر تمام صحابہؓ کے خون بھی سفید ہو چکے تھے ؟ کوئی بھی اہل دل اس بزم سے نہ اٹھا جو حق کی آواز بلند کرتا مظلومانِ کربلا کے خون کا مطالبہ یزید سے کرتا حضرت عمرؓ کا لمبا کرتا جن کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے وہ لوٹ دیتے ہیں اور اطمینان چاہتے ہیں کہاں گئے ؟ یزید حضرت عمر فاروقؓ سے بھی زیادہ سخت گیر تھا ۔ شاید حرہ کے واقعات کو اس کا نتیجہ سمجھا جائے ایسا نہیں ہے واقعۂ حرہ حادثۂ کربلا کے تین سال بعد پیش آیا اور اس کے اسباب بالکل مختلف تھے۔ جو تحقیق چاہتا ہو وہ " انساب الاشراف بلاذری ج ۲ ص ۲۲ ملاحظہ کرے۔

حقیقت واقعی

ہمیں اس بیان سے یزید اور اس کے ساتھیوں کی برأت مقصود نہیں۔ حاشا وکلا ہم نے یزید کی حمایت میں اپنا زورِ بیان صرف نہیں کیا اور نہ ہماری یہ کوشش ہے کہ مجرم کو بری کر دکھائیں۔ ہم حقائق کو بیان کر رہے ہیں یہ سچائی اور مبنی بر حقائق واقعات صرف اس لئے ضابطۂ تحریر میں لائے جا رہے ہیں کہ ہماری ابتدائی تاریخ اور سنہری دور کو مسخ کرنے والے نامسعود افسانوں۔ قصوں اور بے سروپا داستانوں کی حقیقت کو منظر عام پر لایا جائے ۔ عقل و شعور کو آواز دی جائے کہ آیا ایسے قریبی تعلقات اور رشتۂ خون کی موجودگی اور پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بہترین دور میں ایسے واقعات ظہور پذیر ہو سکتے ہیں کیا یہ اینٹ اسی سانچے کی ہے ۔ اس میں فٹ ہو سکتی ہے یا نہیں اس سانچے کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ مشکل نہیں کہ کربلا کا حادثہ اس مسلم سانچے میں فٹ ہی نہیں بیٹھ سکتا ۔ اس واقعہ کا سب سے بڑا المناک پہلو یہ ہے کہ اس تصویر میں ہمارے ہی امام۔ پیشوا مسلمانوں کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ اور قابل صد احترام شخصیت کو مسلمانوں کے ہی ہاتھوں شہید کرایا جاتا ہے اور پھر ڈھنڈورا پیٹ دیا جاتا ہے کہ دیکھو مسلمانوں کی تاریخ ۔ ایسے میں ہمارے لئے فرض ہو جاتا ہے کہ ہم جھوٹ کے پردے چاک کر دیں۔ ان واقعات کو افسانہ کہنے سے میرا قطعاً یہ مقصود نہیں کہ آپ کی شہادت واقعی نہیں ہے یا آپ مظلوم نہ تھے اور آپ کے قاتل ظالم اور مجرم نہیں ہیں۔ حاشا وکلا ہرگز نہیں ۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ یقیناً مظلوم اور شہید ہیں آپ کے قاتل یقیناً جہنمی اور ملعون ہیں مگر خدارا سوچئے جس طریقہ سے اس واقعہ کو بیان کیا جاتا ہے اس سے ہم خود ہی مجرم نہیں ٹھہرتے ۔ ہماری ہی تاریخ ہمیں غیر مسلموں کے سامنے کس حیثیت سے پیش کرتی ہے کیا وہ خطبہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی زبان صداقت بیان سے ہی نکلا ہو گا ؟ کیا خیر القرون کی یہ واقعی تصویر ہے جو امام عالی مقام کی زبان سے کہلوائی گئی مقام بیعت

پر مندرجہ ذیل باتیں آپ نے فرمائی ہوں گی ہرگز نہیں ۔ مگر سنئے ، کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ باتیں کہی گئیں ۔

اے لوگو! رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے ۔ خدا کی قائم کی ہوئی حدیں توڑتا ہے ۔ عہد الٰہی شکست کرتا ہے ۔ سنت نبوی کی مخالفت کرتا ہے ۔ خدا کے بندوں پر گناہ اور سرکشی سے حکومت کرتا ہے ۔ اور یہ دیکھنے پر بھی نہ تو اپنے فعل سے اس کی مخالفت کرے نہ اپنے خون سے سو خدا ایسے آدمی کو اچھا ٹھکانا نہیں دے گا ۔ دیکھو یہ لوگ شیطان کے پیرو بن گئے ہیں اور رحمٰن سے سرکش ہو گئے فساد ظاہر ہے حدود الٰہی معطل ہیں مال غنیمت اپنا جائز قبضہ ہے ۔ خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرایا جا رہا ہے میں ان کی سرکشی کو حق و عدل سے بدل دینے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں ۔ (شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ از ابو الکلام آزاد)

ناظرین کرامی قدر ۔ سرتاج الانبیا رصلی اللہ علیہ وسلم جسے خیر القرون فرما رہے ہیں ۔ کیا واقعی حضرت امام کی نظروں میں وہ زمانہ ایسا ہی تھا ہزارہا صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں حلت و حرمت کے مسائل میں دخل اندازی کی گئی تھی ؟ تو ان صحابہ کے متعلق آپ حضرات کیا خیال فرمائیں گے کیا واقعی سب صحابہ بجز حضرت امام حسینؓ شیطان کے پیرو ہو گئے اور رحمٰن سے سرکش ہو گئے تھے کیا یہ جملے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہیں یا کسی شاطر، چالاک اور بدباطن کی صحابہ کرام کو بدنام کرنے کی کوشش ہے ۔ جسے امام عالی مقام کے منہ سے نکلوا رہا ہے ۔ یاد رہے کہ کسی مسلمان کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ایسے الفاظ نہیں ہو سکتے ۔ یہ خطبہ اور ایسے تمام خطبے کسی منافق اور اسلام دشمن شخص کے خبث باطن کا نتیجہ ہیں جو امامؓ کی طرف منسوب کرکے دل کی بھڑاس نکال رہا ہے اور افسوس کہ ہمارے مصنف انہیں اپنی کتابوں میں بغیر تحقیق کے درج فرما گئے ۔

تضاد بیانی یہی وجہ ہے کہ ان خطبوں میں ہر جگہ تضاد ہے ۔ خود اپنی تکذیب کے مناظر ہیں ۔ مثلاً ۔ امام الہند ابو الکلام آزاد " ابن جریر اور کامل وغیرہ سے ان خطبوں کو بدیں الفاظ نقل کرتے ہیں ۔ "

آپؓ نے فرمایا " افسوس دیکھتے نہیں کہ حق کو پس پشت ڈال دیا گیا ۔ باطل پر علانیہ عمل کیا جا رہا ہے کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑے ۔ وقت آ گیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں رضائے الٰہی کی خواہش کرے " میں شہادت کی موت چاہتا ہوں ۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود ظلم ہے "

اس تقریر میں امام عالی مقامؓ سے شہادت کی تمنا کروائی جارہی ہے اور ظالموں کے ساتھ رہنا بجائے خود ظلم بتایا جارہا ہے کہ حضرت امام گویا ان ظالموں سے ہر قیمت پہ ٹکرانا چاہتے ہیں حق و عدل کی طرف واپس لانا چاہتے ہیں یا پھر شہید ہو کر سرخرو ہوجانا چاہتے ہیں

نگر" راہ میں ایک اور خطبہ " کے عنوان سے لائقؒ ابوالکلامؒ بحوالہ مذکور لکھتے ہیں "کہ آپؓ نے فرمایا اگر مجھ سے عہد و پیمان کرنے آئے ہو جن پر میں مطمئن ہوجاؤں تو میں تمہارے شہر چلنے کو تیار ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہے بلکہ میری آمد سے تم ناخوش ہو تو، میں وہیں واپس چلا جاؤں گا جہاں سے آیا ہوں"

" دوسرا خطبہ " کے عنوان سے لکھتے ہیں " امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا " لیکن اگر تم ہمیں ناپسند کرو ہمارا فرض نہ پہچانو اور تمہاری رائے اب اس کے خلاف ہوگئی ہو جو تم نے مجھے اپنے خطوں میں لکھی اور قاصدوں کی زبانی پہنچائی تھی تو، میں واپس چلے جانے کے لئے بخوشی تیار ہوں "

ان خطبوں میں حضرت امام واپس جانے کی اجازت مانگ رہے ہیں، وہ ہیں کہ دیتے نہیں۔ اس خطبہ میں ظالموں سے ٹکرانے کا عقیدہ ختم ہوچکا ہے صرف ان سے گلوخلاصی کی آرزو ہے اور زندہ بچ جانے کی تمنا، ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود ظلم ہے " اسے بھی ملاحظہ کرو اور پھر اس حالت کو؟ —— دیانت سے سوچو کہ یہ اس حضرت امام حسینؓ کے الفاظ ہیں جو حضرت علی حیدر کرار کی اولاد ہیں یا کسی بڑھ مارنے والے اور پھر میدان سے بھاگ جانے والے بزدل کے الفاظ ہیں اور کم ہمت کے بول!

بہر حال یہ الفاظ حضرت امام حسین بن حیدر کرار رضی اللہ عنہما کے نہیں ہوسکتے ان الفاظ اور خطبوں کو تصنیف کرنے والا خود امام کے لئے بھی مخلص نہیں ہے بلکہ دشمن اہل بیت اور دشمن اسلام معلوم ہوتا ہے جس سے حضرت امامؓ کی عزت بھی داغدار ہورہی ہے اور تمام واقعہ جیسے کہ ہم بتائیں گے اسی تضاد بیانی کا شاہکار معلوم ہوتا ہے۔

اب ہم واقعۂ کربلا کی مختصراً تفصیل بیان کریں گے اور ضروری وضاحت بھی! تاکہ ہمارے ناظرین اس حادثۂ عظیم کی واقعی تصویر ملاحظہ فرما سکیں۔

واقعۂ کربلا کا پس منظر

عظمت اسلام اور اس کی ترقی نے جہاں قلیل عرصہ میں غیر مسلموں کی آنکھیں چندھیا دیں اور وہ ان کے لئے خیرہ کن ثابت ہوئی وہاں اسلام کے لئے غیر مسلموں میں جذبۂ حسد و رقابت بھی پیدا ہوا اور انہوں نے اپنی سوچ و بچار کے دھارے میدان جنگ سے جہاں ان کی کامیابی ناممکن تھی ۔ بدل کر داخلی انتشار کی طرف موڑ دیئے اور ان کا پہلا وار حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا اگرچہ منظر پر صرف فیروز ابولؤلؤ ہی آیا مگر یہ حادثہ ہرمزان فیروز اور مدینہ منورہ میں مقیم ان غلاموں کی سازش کا نتیجہ تھا جو عراق اور ایران سے مفتوح ہو کر مسلمانوں میں تقسیم ہوئے تھے اور یہی وہ دروازہ تھا جو فتنوں کے سامنے سد سکندری کی حیثیت رکھتا تھا ۔ افسوس اسے توڑ دیا گیا جس کی خبر پہلے سے دی جا چکی تھی ۔ پھر دوسرا وار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش جو آپ کی شہادت پر منتج ہوئی بس اس کے ساتھ ہی فتنوں کا ایک سیلاب تھا جس نے خلافت اسلامیہ کو ہر چہار طرف سے گھیر لیا ۔ حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی ۔ جو اگرچہ مناسب تھی مگر خلافت مدینہ منورہ سے منتقل کر کے کوفے جانے کا حادثہ ان دو حادثوں سے ہزار ہا گنا بڑا حادثہ تھا اور اتنا بڑا زخم کہ آج تک مندمل نہ ہو سکا یہ منافقین کی تیسری کامیابی تھی کہ خلافتِ اسلام کو مرکزِ اسلام سے نکال کر فتنوں کی سرزمین عراق کی طرف دھکیل لائے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل ازیں فتنوں کا منبع قرار دیا تھا ۔ اور اس سے پہلے منافقین کی وہ جماعتیں جو کوفہ ۔ بصرہ اور دیگر مقامات پر انڈر گراؤنڈ کام کر رہی تھیں اور عبد اللہ بن سبا اور اشتر نخعی کی حکمت عملی نے جنہیں ریشہ دوانیوں نے مصروف کر رکھا تھا سب منظر عام پر آ گئے ان کی تخریبی پالیسی کے تین ستون تھے ۔ اوّل قریش اور غیر قریش میں اختلاف ۔ دوم بنی امیہ اور بنی ہاشم میں منافرت ۔ سوم عرب اور غیر عرب میں نفاق ان تین محاذوں پر وہ متواتر حملہ کرتے رہے تا آنکہ مسلمانوں سے کچھ مخلص اور سادہ لوگ بھی ان کے لئے مصروف عمل ہو گئے جن میں محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے اب ان کے لئے کھل کر کام کرنے کا موقعہ پیدا ہو گیا تھا کہ ایک خلیفہ کی پناہ میں تھے اور خلیفہ ان کی حمایت کے لئے مجبور تھے اور اسی غرض سے مدینہ سے دار الحکومت کوفہ تبدیل ہوا تھا اور یہی حمایت کی مجبوری تھی کہ خلافت مستحکم اور متمکن ہونے سے قبل ہی خلیفہ سے امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کے متعلق معزولی کے احکام جاری کروا لئے تمام عالم اسلام کے لئے یہ خبریں مسلسل باعث اضطراب تھیں ۔ خلیفہ شہید کر دیئے گئے پھر

اصحاب مشورت کے بغیر مشورہ ہی کلاہ خلافت ایک سر مبارک پر رکھی جاتی ہے پھر مقابہ یہ خبر پھیل جاتی ہے کہ قاتلوں کے اشاروں سے دار الحکومت تبدیل ہو گیا ہے۔ اور مزید برآں ہر صوبہ میں بیعت خلافت مستحکم ہوئے بغیر ہی گورنر تبدیل کر دیئے جاتے ہیں پھر جمل و صفین اور امت میں خانہ جنگی اور بالآخر حضرت علیؓ بھی ان کی تیغ ستم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ تمام کارروائی غیر مسلموں کی رہین منت ہے جو بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھے مملکت اسلامیہ کے اہم شہروں میں رہائش پذیر تھے یا چند ایک سادہ دل مسلمان سے جس کا عام مسلمان کی اخلاقی حالت پر قطعاً کوئی اثر نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ جمل و صفین کے بعد پھر بھی ایک خلیفہ (امیر معاویہ) پر اجتماع ہو جاتا ہے۔ عداوت ذہنوں تک سے خارج ہو جاتی ہے پھر دونوں گروہ آپس میں بھائی بھائی بن جاتے ہیں اور بالآخر افواج اسلام کچھ دیر آپس میں الجھنے کے بعد دنیائے کفر و نفاق کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے حالانکہ فتنہ گروں کا ان کے خیال میں فتنہ ایسا تھا کہ خرمن سلام تباہ ہو کر خاکستر ہو جاتا۔

زیر زمین عمل نفاق

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد جب خلافت امیر معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہما پر مستحکم ہو گئی تو آپؓ نے قاتلان حضرت عثمانؓ اور باغیان خلافت کو چن چن کر قتل کیا حتیٰ کہ محمد بن ابی بکرؓ جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک پر ہاتھ ڈالا تھا کو بھی قتل کر دیا اور تمام صوبوں سے فتنہ گروں۔ شر پسندوں۔ شورہ پشتوں اور کوتاہ اندیشوں کا ایسا استقبال فرمایا کہ اگر کہیں کوئی باقی وہ بھی گیا تو زندگی بھر زاویہ خمول میں مدفون ہو گیا گویا سطح زمین فتنہ سامانیوں سے قطعاً پاک ہو گئی مگر ان کے باقی ماندہ خاندانوں میں کفر و نفاق اور انتقام کی ابھی بھی چنگاریاں باقی تھیں جو امیر معاویہؓ کی زندگی میں سلگ نہیں سکتی تھیں لہذا انہوں نے چمن اسلام کو جلانے کے لئے کہ وہ اسی منصوبے کے تحت اسلام میں آئے تھے ان چنگاریوں کو کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھا۔ یہی نہیں کہ فقط منافقین کا گروہ ہی اسلام کے خلاف مصروف عمل تھا بلکہ ہزارہا کی تعداد میں غلام اور لونڈیاں جنہیں بقوت شمشیر میدان کارزار سے گرفتار کیا گیا تھا ورنہ وہ ابھی تک بحالت کفر موجود تھے۔ اگرچہ وہ اسلام کی سیاسی قوت کے ہاتھوں پا بجولاں تھے مگر وقت مل جانے پر اسلام کی مخالفت میں ایک دقیقہ بھی فروگذاشت نہیں کرتے تھے چنانچہ ان لوگوں کی فتنہ سامانیوں سے تاریخ بھری پڑی ہے خاص کر کوفہ، عراق کی زمین تو کبھی بھی فتنوں سے خالی نہیں ہوئی کبھی علی الاعلان اور کبھی زیر زمین۔ صرف حجاج بن یوسف ہی وہ گورنر

تھے جنھوں نے اپنے دورِ عمل میں ان شرپسندوں کا ناطقہ بند کیا اور زہریلے سانپوں کو اپنی ایڑی سے مسل کر ان کی شورہ پشتی کا جنازہ نکال دیا۔

فتنہ کا ظہور

حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کی فراست، دانش مندی اور حزم و احتیاط نے ان فتنوں اور فتنہ گروں کو خوب دبائے رکھا۔ وہ آپؓ کی زندگی میں نمودار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ ہوئے لطف یہ کہ آپ نے اپنی حیات مستعار کے بعد پیدا ہونے والے متوقع فتنوں کے سدِّباب کے لئے ہی اپنے بعد کے خلیفہ کا انتخاب بھی فرما دیا تھا۔ حاشا وکلا حضرت امیر المومنین امیر معاویہؓ کا اپنے بیٹے یزید کا انتخاب کسی بدنیتی، بددیانتی یا مصالح امت کی خلاف ورزی پر مبنی نہ تھا بلکہ تمام صحابۂ کرام بجز معدودے چند کی رضامندی سے ہی وقوع پذیر ہوا تھا اور تمام ملت اسلامیہ نے مصلحتِ ملیہ کے ہی پیش نظر اسے برضا و رغبت قبول کیا اور آخر دم تک اس کے وفادار رہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ابتداءً پس و پیش کیا مگر بعد میں وہ بھی بیعت یزید کے زبردست حامی بن گئے تھے (البدایہ والنہایہ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عنایت فرمائے کہ تصفیۂ خلافت کا اپنی زندگی میں ہی فیصلہ فرما دیا ورنہ انتخاب امیر امت مسلمہ کے لئے نہ جانے کون کون مصائب اور مشکلات کا باعث بنتا۔ جبکہ امیر کی موجودگی میں بھی فتنہ گروں نے اس قدر فتنے اٹھا دیئے۔

امام حسین اور خواہش اقتدار

بہرحال آپؓ کی زندگی میں کوئی فتنہ سر اٹھا نہ سکا مگر آپؓ کے آنکھیں بند کرتے ہی بر خود غلط اور مقصد پرداروں نے یزید کو کمزور سمجھتے ہوئے بال و پر کھولنے شروع کر دیئے اور صرف امت مسلمہ کے انتشار و اشتتات کی غرض سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھنے شروع کئے اس لئے کہ وہ حضرت امام کے دل میں خلافت کی تمنا اور اس کے حصول کی آرزو سے آگاہ تھے حضرت امام حسنؓ کے صلح کے وقت اس بات کا عملاً مظاہرہ ہو چکا تھا۔ یہ خواہش ناجائز نہیں تھی بلکہ طبعی اور فطری تھی اور ہر اس آدمی کے دل میں سما سکتی ہے جسے امام حسینؓ جیسے خاندانی وجاہت و نجابت اور نسلی شرافت کے امتیازات میسر ہوں —— مگر بایں ہمہ آپؓ کو خاندان نبوت کے فرد اور چشمۂ رشد و ہدایت سے مستفید ہونے کی بنا پر ہی یہ توفیق بھی عطا ہوئی کہ آپ نے بے موقع کبھی اس خواہش کا اظہار نہیں فرمایا اور کبھی اظہار ہوا بھی تو اس پر اصرار نہیں کیا۔ حضرت امام حسینؓ نے حضرت حسنؓ کی امیر معاویہؓ سے صلح میں رکاوٹ ڈالنی چاہی مگر بھائی کے عزم کو دیکھ کر اصرار نہیں فرمایا بلکہ صلح کی کارروائی میں

شریک ہوئے بالکل اسی طرح کوفیوں کے کہنے سننے اور اصرار کو دیکھ کر مزید برآں یہ خیال فرما کر کہ خلافت ابھی یزید پر جم نہیں پائی اور مختلف لوگ اس کے دعوے دار ہیں آپ نے بھی ارادہ فرمالیا۔ مگر جیسے ہی یزید کی بیعت کا استحکام معلوم ہوا نیز یہ کہ کوفہ بھی بظاہر وفادار خلافت ہوگیا ہے آپ برضا و رغبت اس سے دست کش ہوگئے جیسا کہ آئندہ اوراق میں بیان ہوگا یہ امام عالی مقام کی خالص للہیت اور بے نفسی کی زبردست دلیل ہے اور خیر القرون میں ہونے کی وجہ سے ہی ایسا مصلحانہ فیصلہ فرمایا۔ بہرحال کوفیوں نے آپؓ کے دل میں اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے نرم گوشہ سمجھتے ہوئے یہیں وباؤ ڈال دیا نیز اپنے اس پرانے تجربہ کو پھر سے آزمانے کا فیصلہ کیا جس سے وہ قبل ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بظاہر حمایت و مدد کرنے کی آڑ میں امت مسلمہ کو جمل وصفین کی ہولناک خانہ جنگی کی آگ میں جھونک چکے تھے ان کے خیال میں شوکت اسلام کو توڑنے کے لئے اس سے بڑا اور کوئی حربہ نہ تھا جس سے ان کے عزائم کی تکمیل ہوسکتی ہے کہ کسی گرانقدر اور بلند و بالا شخصیت کی حمایت میں امت مسلمہ میں اختلاف و انتشار پیدا کردیا جائے۔ اس بات میں قطعاً شبہ کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ مکہ مکرمہ کی تمام بڑی بڑی شخصیتوں نے کوفی خطوں اور قاصدوں کو اسی نظر سے دیکھا اور حضرت امام حسینؓ سے کوفہ نہ جانے کی استدعا اسی بنا پر کی جیسا کہ بیان ہوگا۔

حضرت امام حسینؓ مکہ میں

حضرت امیر معاویہؓ کی وفات حسرت آیات کے وقت حضرت امام حسینؓ مدینہ منورہ میں موجود تھے جب یہ خبر حاکم مدینہ طیبہ ولید بن عتبہ کے پاس پہنچی تو آپ نے اکابر مدینہ منورہ کو بلا کر یہ المناک خبر سنائی اور پھر بیعت یزید کی تجدید کی درخواست کی مگر ایک خاص وجہ سے بیعت کا مسئلہ دوسرے دن کے لئے اٹھا رکھا گیا۔ اس اثناء میں امام حسینؓ نے مکہ معظمہ کا سفر اختیار فرمایا جبکہ عبد اللہ بن زبیرؓ آپ سے پہلے مکہ معظمہ میں پہنچ کر وہاں کی حکومت اپنے قبضہ میں لے چکے تھے اور حارث بن محمد کو گرفتار کرلیا تھا اگرچہ مکہ مکرمہ میں امام حسین سے بیعت کا مطالبہ کرنے والا تو موجود نہ تھا اور نہ کوئی وجۂ اضطراب۔ مگر کوفہ والوں کے پے بہ پے اصرار، خطوں کی بھرمار اور قاصدوں کی یلغار سے آپؓ کے دل میں عبد اللہ بن زبیر کی طرز کی حکومت کا خیال جاگزیں ہوا اور اس خیال کو مزید تقویت اس طرح ہوئی کہ کوفہ والوں نے بتکرار لکھا تھا کہ ہم نے کوفہ کے گورنر کو نکال باہر کیا ہے اب ہم آپ کے لئے سراپا منتظر ہیں آپؓ بلاخوف جلد تشریف لائیں بجز آپ کے ہم کسی کو امیر نہیں بنائیں گے۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ خواہشِ اقتدار کوئی ناجائز یا خلاف تقویٰ خواہش نہیں ہے اور اس کے حصول کے لئے

عملی اقدام بھی بری بات نہیں جبکہ پہلے سے کسی خلیفہ کی خلافت ثابت نہ ہو چکی ہو۔ مسند امارت خالی پڑی ہو۔ ہاں اگر واقعۂ کوفہ اخلائے بیعت کا مرتکب ہو چکا ہوتا اور حضرت امام کی بیعت ہو جاتی تو اگرچہ اس کی ایک مثال پہلے سے موجود تھی کہ کچھ علاقہ امیر معاویہؓ اور کچھ حضرت علیؓ کے زیر انتداب تھا۔ تاہم یہ قابل رشک نہ ہوتا جبکہ حالات بھی بالکل برعکس تھے لیکن حضرت امام حسینؓ کو تو اس بات کا حتمی یقین تھا کہ اہالیان کوفہ میرے لئے سراپا منتظر ہیں اسی لئے ہی آپ نے قصد سفر فرمایا تاریخی وقائع اس بات پر شاہد ہیں کہ معاملہ کی وضاحت اور اہل کوفہ کی حقیقت کھل جانے کے بعد آپؓ نے بارہا اپنے اس سفر پر افسوس کا اظہار فرمایا اور واپس چلے آنے یا یزید کے پاس جانے کی تمنا اور آرزو کی۔ جس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ امام حسینؓ اگر کوفہ گئے ہیں تو یزید کی مخالفت یا اس کے کسی فعل پر منافرت کو کوئی دخل نہیں تھا۔ بلکہ صرف اس لئے گئے کہ اہل کوفہ کسی بھی خلیفہ کے زیر انتداب نہیں ہیں اور کوفہ بس خالی پڑا ہے۔ خدانخواستہ کہیں کوئی حرام حلال اور کوئی حلال حرام نہیں ہو گیا تھا۔ نہ ہی قرآن و حدیث پر سے عمل اٹھا اور نہ ہی حدود الٰہی معطل، اور نہ لوگ رحمٰن سے سرکش ہی ہوئے تھے۔

دوستوں کا مشورہ

حضرت امام حسینؓ نے کوفہ کے حالات سے مطمئن ہو کر مسلم بن عقیل کو پیش بینی کے طور پر پہلے روانہ فرمایا اور خود سفر کی تیاری میں مصروف ہو گئے آپ کے عزیزوں اور دوستوں کو معلوم ہوا تو سخت مضطرب ہوئے وہ چونکہ اہل کوفہ کی بے وفائی اور منافقت سے بے خبر نہ تھے اس لئے اس سفر کی مخالفت کرنے والوں میں عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباسؓ۔ ابوسعید خدریؓ۔ ابو واقد لیثی اور حضرت جابر بن عبداللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پیش پیش تھے (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۶۳) اس کے علاوہ رشتہ داروں اور صاحب قرابت لوگوں نے بھی ہر طرح سمجھانے اور نصیحت کرنے کی کوشش کی۔ جن میں محمد بن علی ابن حنفیہ اور عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کے الفاظ خیر خواہی بھی کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔ حضرات ناصحین صحابہ کرام نے عموماً نصیحت میں دو پہلو پیش نظر رکھے۔

اوّل یہ کہ پورے عالم اسلام میں یزید بن معاویہؓ کی خلافت تسلیم کر لی گئی ہے بجز چند آدمیوں کے کسی قابل ذکر شخص نے بیعت خلافت سے پہلو تہی نہیں کی۔ اس طرح کے اقدام سے ملت اسلامیہ میں نفاق و انتشار پیدا ہو جائے گا جبکہ اختلاف کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پھر سے اکٹھا کر دیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ کے الفاظ ذرا ترش تھے فرمایا اتق اللہ فلا تضرب الناس بعضهم ببعض۔ یعنی اللہ سے ڈرو مسلمانوں میں خانہ جنگی کی صورت پیدا نہ کرو۔ حضرت

عبداللہ بن عمرؓ نے تو عبداللہ بن زبیرؓ اور امام حسینؓ دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اِتَّقِیَا اللّٰہ ولا تُفَرِّقَا جماعۃ المسلمین یعنی اللہ سے خوف کھاؤ ملتِ اسلامیہ میں پھوٹ مت ڈالو۔

دوسرا پہلو اہل کوفہ کی دھوکہ بازی۔ فریب دہی۔ منافقت اور تخریب ملت کے لئے ان کے کردار سے متعلق تھا حضرت ابن عباسؓ کے الفاظ بقول اکبرشاہ خاں نجیب آبادی مؤرخ تاریخ اسلام یہ تھے ۔۔۔۔ کہ مکہ مکرمہ کو نہ چھوڑو خانۂ خدا سے دوری اختیار نہ کرو۔ تمہارے والد محترم نے مکہ اور مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو ترجیح دی مگر تم نے دیکھا کہ ان کے ساتھ کوفہ والوں نے کس قسم کا سلوک کیا۔ یہاں تک کہ ان کو شہید ہی کرکے چھوڑا۔ تمہارے بھائی حضرت حسنؓ کو بھی کوفیوں نے لوٹا قتل کرنا چاہا آخر زہر دے کر مار ہی ڈالا اب تم کو ان پر ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہئے نہ ان کی بیعت اور قسم کا کوئی بھروسہ ہے نہ ان کے خطوط اور پیغامات قابل اعتماد ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ باتیں سن کر حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں سب درست ہے۔ (بلفظہٖ تاریخ اسلام ج۲ ص۶۹)

ان نصیحت آمیز مشوروں میں دونوں مضمون اور ان کے فکر انگیز پہلو یقیناً مبنی برحقیقت تھے۔ واقعی سب صحابہ تابعین اور ملت مسلمہ کے بہی خواہ حضرات بجز چند حضرات یزید کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے جس میں نہ تو جبر تھا نہ مجبوری نیز خلافت یزید اس وقت ملت مسلمہ کی بہترین اور ضروری مصلحتوں کی تکمیل کے پیش نظر ہی انعقاد پذیر ہوئی تھی یہی وجہ ہے جہاں دیدہ تجربہ کار۔ صائب الرائے اور صاحب بصیرت بزرگوں کی نظر میں خلافتِ یزید کو نقصان پہنچانا پوری ملت مسلمہ کی تباہی، بربادی اور سارا ملت اسلامیہ کو نقصان پہنچانا تھا اور دوسرا مضمون واقعات نے خود ثابت کردیا کہ واقعۃً اہل کوفہ ناقابل اعتماد ہیں۔

حضرت امام حسینؓ نے دوستوں۔ عزیزوں اور بزرگوں کے تمام خدشات کو درست تسلیم کرتے ہوئے بھی سفر کا ارادہ ترک نہ کیا غالباً آپؓ کے خیال میں کوفہ اب وہ پرانا کوفہ نہ تھا جس کی روداد ستم لوگ کہہ رہے تھے بلکہ انقلابات دوراں نے کوفہ کو بھی یکسر بدل دیا تھا۔ اب اس کی بے وفائیوں کی جگہ وفاداریوں نے لے لی تھی۔ ان کی شرپسندی کی جگہ اصلاح جوئی آموجود ہوئی تھی اور ان کے دلوں میں ملت اسلامیہ کے بغض و عناد کی جگہ دین کے لئے محبت و اخلاص بھر گیا تھا۔۔۔ مزید برآں یہ بھی خیال تھا کہ اہل کوفہ کے بدلے ہوئے حالات کی جو خبریں مجھے دن بدن مل رہی ہیں یہ حضرات ناصحین ان سے بے خبر محض ہیں۔۔۔ اس لئے آپ نے ان کی نصیحت پر عمل کرنا چنداں ضروری نہ سمجھا اور

بہت بڑے اصرار و تکرار کے باوجود کہ لوگ آپ کے گھوڑے کے آگے لیٹنے کو بھی تیار تھے۔ پھر بھی آپؓ نے اپنے عزم کو ترک نہ کیا۔ مؤلف تاریخ اسلام بحوالہ مذکور لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کی باتوں کی تصدیق کرنے کے بعد فرمایا۔

لیکن مسلم بن عقیل کا خط آگیا ہے۔ بارہ ہزار آدمی اس کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں اب کوئی خطرہ کی بات نہیں!

یقیناً ایسے موقع پر فطرۃً اور طبعاً انسان دوسروں کی معلومات پر عمل پیرا ہونے کی بجائے اپنے علم کے نقائصوں کی تکمیل ضروری سمجھتا ہے اور یہی کچھ حضرتِ امام نے کیا جو اگرچہ بعد میں فقط ایک سراب اور فریب سمع و نظر ثابت ہوا۔

(۴)

روداد سفر

حضرت امام حسینؓ مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ چونکہ خفیہ طور پر آئے تھے لہٰذا اہل و عیال کو ساتھ نہیں لا سکے تھے اب جبکہ کوفہ کی طرف سفر کا حتمی فیصلہ فرما لیا تو آدمی بھیج کر ان کو منگوا لیا مدینہ طیبہ سے بنی عبدالمطلب کے تمام افراد جو آئے ان کا قافلہ انیس (19) نفوس پر مشتمل تھا جن میں مرد۔ عورتیں اور بچے شامل تھے لیکن محمد بن حنفیہ نے اپنے بچوں کو نہ صرف روک لیا بلکہ مکہ معظمہ تک کا سفر اختیار فرما کر امام حسینؓ کو کوفہ نہ جانے کی نصیحت بھی فرمائی جس پر حضرت امامؓ ان سے ناراض ہو گئے۔ محمد بن حنفیہ کے علاوہ امام عالی مقام کے اور بھی بھائیوں میں سے جن کی مجموعی تعداد سترہ تھی۔ اکثر آپ کے شریک سفر نہ ہوئے کہ وہ بیعت یزید پر مضبوطی سے قائم تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص۱۶۵)

آپ کے اس سفر پر تقریباً سبھی اہل مکہ و مدینہ پریشان اور مضطرب تھے اسی سلسلہ میں مروان بن حکم نے اپنے مشہور زمانہ خط میں عبیداللہ بن زیاد کو لکھا تھا کہ اما بعد فان الحسین بن علی قد توجه الیك وهو حسین بن فاطمة وفاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم (الی آخرہ) یعنی حسین بن علی آپ کے پاس کوفہ آ رہے ہیں۔ یاد رہے کہ حسینؓ فاطمہؓ کے بیٹے ہیں اور فاطمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر ہیں۔ خدا کی قسم اس وقت موجود لوگوں میں ہمیں حضرت حسین بن علیؓ سب سے زیادہ محبوب اور پیارے ہیں۔ دیکھنا ان کے بارے میں کوئی غلطی نہ کر بیٹھنا۔ مبادا تجھے ساری زندگی پچھتانا پڑے (البدایہ والنہایہ بحوالہ مذکور) آخر میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت امام حسینؓ سے مکہ معظمہ کی خلافت کی پیشکش بھی فرمائی

مگر آپؓ نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ ان ابی حدثنی ان لہا کبشاً مستحل حرمتہا یقتل فما احب ان اکون انا ذلک الکبش یعنی مجھے قبول کرنے میں اس لئے تامل ہے کہ میرے باپ نے فرمایا تھا۔ مکہ میں ایک مینڈھا (بطور تشبیہ) اس کی حرمت سے کھیلے گا۔ پھر قتل کر دیا جائے گا میں نہیں چاہتا کہ وہ مقتول میں بنوں ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۶۶)

یہ اس وقت کی گفتگو ہے جب آپؓ پابہ رکاب تھے غالباً آخری دیدار کے لئے بیت اللہ میں تشریف لائے اور عمرہ کیا تھا۔ آپؓ تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ عمرو بن سعید بن عاص نے اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کو ایک خط دیکر بھیجا جس میں حکومت کی طرف سے ہر طرح کے امن و امان اور سلامتی کی ضمانت تھی ۔ مگر حضرت بوجہ مذکور آگے کی طرف روانہ ہو گئے ۔ اس کے بعد منزلوں پہ منزلیں آتی اور گذرتی گئیں اور قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں رہا۔ اگرچہ ہمیں شہادت ہائلہ کے پس منظر کو تلاش کرنے کے لئے جلد از جلد میدانِ کربلا میں اس راکھ کے ڈھیر کو بنظر غائر دیکھنا ہے جو مدتوں سے بظاہر اڑ کر ختم ہو چکی ہے مگر اب بھی احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے اسے چھاننا نہایت ضروری ہے۔ تاہم راستے کے اہم ترین واقعات سے اغماض نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ بمقام صفاح آپؓ کو شاعر سبائی فرزدق ملا۔ اس نے آپؓ کو کوفہ کے اصلی حالات سے آگاہ کر دیا۔ مستقبل کے متعلق امید و بیم کی کشاکش میں ابھی آپ مقام زرود تک ہی پہنچے تھے کہ اطلاع مل گئی کہ کوفہ میں مسلم بن عقیل علانیہ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ اور بیعت کرنے والوں کے کان پہ جوں تک بھی نہیں رینگی تو اس موقع پہ حضرت امام نے نہایت افسوس سے فرمایا تھا کہ۔

خذلتنا شیعتنا فمن احب منکم الانصراف فلینصرف یعنی ہمارے حامیوں نے ہی ہمیں برباد کیا ہے جو آدمی ہمارے ساتھ مزید سفر جاری نہ رکھنا چاہتا ہو واپس چلا جائے ہمیں افسوس نہ ہوگا ۔"

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۶۷، طبری، ج ۶ ص ۲۲۶)

یاد رہے کہ مقام زرود جسے الخزیمیہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے اس متعارف راستہ کی اٹھارویں منزل تھی جو مکہ معظمہ سے کوفہ تک جاتا ہے اور کربلا تک کل اکتیس ۳۱ منزلیں ہوتی ہیں جو عربی میلوں کے اعتبار سے آٹھ صد میل اور انگریزی میلوں کے حساب سے نوصد پچاس ۹۵۰ میل کی مسافت ہے ۔ ابن جریر طبری نے اس مقام پر وضاحت

کی ہے کہ آپ کے ساتھیوں نے آپؓ کو مشورہ دیا تھا کہ ہم واپس چلے جائیں کیونکہ ہمارا کوفہ میں کوئی شیعہ اور ناصر نہیں رہا اور آپؓ اس موضوع پر سوچ و بچار بھی فرمانے لگے تھے کہ مسلم بن عقیل کے بھائیوں کو ان بدنہاد سبائی کوفیوں نے بھڑکا دیا جو ساٹھ آدمی مکہ سے حضرت امامؓ کو لینے گئے تھے اور ہر وقت امامؓ کو گھیرا ڈالے رہتے تھے غالباً حضرت امام حسینؓ کا خاندان جو فقط بیس (۲۰) افراد مرد و زن و بچہ پر مشتمل تھا۔ اگر واپس آنا بھی چاہتا تو یہ دشمن اسلام ساٹھ آدمی انہیں واپس نہ آنے دیتے کیونکہ حضرت امامؓ کو میدان مقابلہ میں کھڑا کر دینے میں ہی ان کے عزائم کی تکمیل پوشیدہ تھی۔ اس کے بعد آپؓ کامیابی سے زندہ رہیں یا ناکامی کا منہ دیکھ کر شہید ہو جائیں۔ یہ ہر دو پہلو امت مسلمہ میں افتراق۔ انتشار۔ انشقاق نفاق اور فساد کی زبردست بنیاد بن سکتے تھے بلکہ حضرت امام حسین اور آپ کے خاندان کی بربادی ان کے عزائم کے لئے زیادہ مفید اور سودمند تھی کہ اس طرح وہ مظلوم و شہید خاندان نبوت کی مرثیہ گوئی کا بازار گرم کر کے مسلمانوں میں تا قیامت حد اختلاف کھینچ سکتے تھے۔ چنانچہ ایک سمجھے سوچے منصوبہ کے تحت بالآخر انہوں نے امام کو اپنے عزائم کی بھینٹ چڑھا ہی دیا ـــــ بدیں وجہ ادھر مسلم بن عقیل کے بھائیوں کو بھائی کے انتقام کا نعرہ دیا۔ حالانکہ ان حالات میں انتقام خون جبکہ بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) حامی بھی محض تماشائی بنے رہے اور مسلم شہید ہو گئے ہوں بالکل ناممکن تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت مسلم بن عقیل کو چھت پر چڑھا کر جو سیڑھی اٹھالی گئی تھی وہ بھی ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا اور دوسری طرف حضرت امام حسین کے سامنے امید کی ایک نئی شمع فروزاں کی۔ "البدایہ والنہایہ" میں موجود ہے انہوں نے کہا تھا کہ مسلم بن عقیل چونکہ کوئی شخصیت نہیں تھے ان کا آپ کے نمائندہ ہونے کے علاوہ تو کوئی مقام نہ تھا۔ لوگ انہیں ذاتی طور پر نہ جانتے تھے اس لئے ان کی صحیح قدر نہ کر سکے مگر جب آپ تشریف لے جائیں گے تو لوگ آپ کی بلند و بالا شخصیت کی وجہ سے آپ کی بیعت کے لئے ٹوٹ پڑیں گے لہٰذا ہمیں دامنِ امید ہاتھ سے چھوڑنا نہیں چاہئے ـــــ اس چال و فریب سے وہ حضرت امام کو رضامند کر کے قتل گاہ کی طرف لے ہی آئے جبکہ حضرتؓ اور آپ کے ساتھی واپس ہو جانے کو تیار تھے۔ اگرچہ حضرت امامؓ واپس نہ جا سکے مگر آپ کا واپسی کے لئے غور و خوض اور تمام راستہ تذبذب و اضطراب اس بات کا مظہر ہے کہ حضرت کسی کفر و الحاد کے خلاف جہاد کرنے نہیں نکلے تھے۔ نہ ہی خلافت پر قابض کوئی کافر و فاسق تھا ورنہ آپؓ کفر کے مقابلہ سے پہلو تہی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ حقیقت صرف اس قدر تھی کہ فتنہ گروں شر پسندوں

اور اسلام دشمن منافقین نے حضرت امامؓ کے سامنے کوفہ کا جو تصوّر پیش کیا تھا وہ آپؓ نے اپنی خلافت کے لئے نہایت موزوں خیال فرمایا اور رخت سفر باندھ لیا مگر جبکہ ابھی نصف راستہ ہی طے کر پائے تھے کہ حقیقت واضح ہوگئی اور تخریب پسندوں کا تار و پود بکھر گیا تو آپ نے واپسی کا ارادہ کر لیا جو آپ کی نیک نیتی کی دلیل ہے مگر منافقین نے اپنی پرفریب چالوں سے آپ کو سرِ مقتل لاکے ہی چھوڑا۔

حر بن یزید کا لشکر

جب آپؓ قادسیہ کے قریب پہنچے جو کہ سفر کی اٹھائیسویں منزل تھی اور کوفہ وہاں سے کوئی زیادہ دور نہ تھا تو حر بن یزید نے ایک ہزار سپاہ کے ساتھ آپ کو گھیر لیا اور کہا کہ میں آپ کو کوفہ میں عبیداللہ بن زیاد تک پہنچانے کا مکلف ہوں چنانچہ میں آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ یاد رہے کہ عبیداللہ بن زیاد حضرت علی کے خادم زیاد کا بیٹا تھا جو کہ آپ کا نہایت با اعتماد اور احسان مند تھا۔ اور یہ عبیداللہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نمک خوار تھا۔ اسی اثنا میں ظہر کا وقت ہوگیا۔ آپؓ نماز کے لئے تشریف لائے تو پوچھا کہ تم لوگ الگ نماز پڑھوگے یا ہمارے ساتھ۔ تو حر بن یزید نے کہا کہ نماز آپ کی امامت میں ادا کریں گے اور پھر واقعی امام عالی مقام کی اقتدا میں تمام لوگوں نے نماز ادا کی کیونکہ کسی کو بھی حضرت امامؓ سے ذاتی دشمنی تو تھی نہیں پھر آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

اے لوگو! خدا کے سامنے اور تمہارے سامنے میرا عذر یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے نہیں آیا ہوں، میرے پاس تمہارے خطوط آئے قاصد پہنچے۔ مجھے بار بار دعوت دی گئی کہ ہمارا کوئی امام نہیں آپ آیئے تاکہ خدا ہمیں آپ کے ہاتھ پر جمع کر دے اگر اب بھی تمہاری یہ حالت ہے تو میں آگیا ہوں۔ اگر مجھ سے عہد و پیمان کرنے آئے ہو جن پر میں مطمئن ہو جاؤں تو میں تمہارے شہر چلنے کو تیار ہوں اگر ایسا نہیں ہے بلکہ تم میری آمد سے ناخوش ہو تو میں وہیں واپس چلا جاؤں گا جہاں سے آیا ہوں۔

اس کے بعد عصر کی نماز بھی آپ کی امامت میں وہیں ادا کی گئی اور بعد میں پھر ارشاد فرمایا۔ اللہ سے ڈرو اور حقدار کا حق پہچانو۔ ہم اہل بیت حکومت کے زیادہ حقدار ہیں لیکن اگر تم ہمیں ناپسند کرو اور ہمارا حق نہ پہچانو تو میں واپس چلے جانے کے لئے بخوشی تیار ہوں مگر تم نے ہی خط لکھ کر ہمیں آنے کو کہا ہے۔ (مولانا ابوالکلام آزاد، ابن جریر مترجمہ ج ۱۱ ص ۲۷۵)

اس کے بعد خط دکھانے کی نوبت بھی آئی حر بن یزید نے اور اس کے فوجیوں نے خطوں کو لکھنے اور بھیجنے سے لاعلمی کا اظہار کیا اور حضرت امامؓ نے مندرجہ بالا مضمون کے کئی خطبے ارشاد فرمائے اور مقام قادسیہ تک جا پہنچے تھے جو کہ

کوفہ سے اور قریب تھا۔ یاد رہے کہ ان خطبوں میں بہت کچھ رد و بدل کر دیا گیا ہے اور ان کی تضاد بیانی اس بات پر شاہد ہے جو میں پہلے بیان کر آیا ہوں ـــــ اب تک حضرت امام نامساعد حالات کے باوجود اس امید پر کوفہ کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے کہ میں دلائل عذر خواہی رکھتا ہوں نیز حالات خوشگوار ہو جائیں گے مگر اس مقام پر آپ سے جا کوفی آ کر ملے اور انہوں نے حالات کو تند و ترش ہی بنا کر پیش نہیں کیا بلکہ کچھ اس طرح کے لیے سر و پا خدشات کا اظہار کیا کہ حضرت امام نے کوفہ جانے ہوئے دفعتہً واپسی کوچ کا حکم دے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کوفی منافق حضرت امام کے ان خطبوں کو اپنے لئے زہر قاتل سمجھتے تھے جو آپؓ نے اپنی آمد کی وضاحت اور واپس چلے جانے کے متعلق ارشاد فرمائے تھے اس طرح ان کو اپنے بنے بنائے کھیل کے بگڑ جانے کا اندیشہ تھا جبکہ ان کے عزائم کی تکمیل کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے کو تھا۔ واقعتہً اگر امام عالی مقام کی یہ باتیں امیر کوفہ عبید اللہ بن زیاد کو معلوم ہو جاتیں تو حضرتؓ سے دیرینہ تعلقات نیز حب اہل بیت اور نمک خواری کی بنا پر وہ آپ کی عزت و تکریم میں ایک دقیقہ بھی فروگزاشت نہ کرتا جیسا کہ بعد میں ہوا ـــــ آپؓ جب مقام قادسیہ سے بائیں جانب قصر بنی مقاتل کی طرف مڑنے لگے تو حر بن یزید کی فوج رستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور کہا کہ آپ کوفہ کے علاوہ اور کہیں نہیں جا سکتے کہ مجھے اسی بات کا حکم ملا ہے۔ ابن جریر

یاد رہے کہ عذیب قصر بنی مقاتل۔ ذو حسم۔ ارض الطف اور قریۂ عقر یہ وہ منازل ہیں جو کوفہ سے دمشق جاتے ہوئے راستہ میں پڑتی ہیں اور کربلا بھی اسی قریۂ عقر کا ملحقہ میدان ہے۔ جہاں لوگ عام طور پر غلہ گاہتے تھے (معجم البلدان ج ۷ ص۲۲۹) عذیب سے میدان کربلا تقریباً ساٹھ میل عربی دور ہے۔

راستہ کی تبدیلی اور روایات

اب حالات گہرے تجزیہ کا تقاضہ کرتے ہیں کہ یہی وہ مقام ہے جہاں ہر فتنہ گر نے اپنی طبع کے گھوڑے آزاد چھوڑ دیئے ہیں اور واقعات میں اس قدر رطب و یابس موجود ہے کہ عقل سلیم اسے باور کرنے کے لئے تیار نہیں ہو پاتی اور لطف یہ ہے کہ اس موڑ پر کھڑے ہو کر ہی اس وادی میں جھانکا جا سکتا ہے جہاں صداقت اور سچائی کے ابھی بھی نشانات موجود مل سکتے ہیں حضرت امام کے اس سفر کے متعلق جو وہ واپسی کے لئے کرتے ہیں اس قدر متضاد روایات موجود ہیں۔ کہیں مقام شراف سے حر بن یزید سے بچنے کے لئے ذو حسم کی طرف رُخ کر لینے کا تذکرہ ہے۔ یہ روایت سخت بے خبری کی علامت ہے کہ شراف آپ کے راستہ کی پچیسویں منزل ہے جبکہ ذو حسم اسی راستہ کی انتیسویں منزل کا نام ہے یہ کیسے ممکن ہے

کہ شراف سے ذوحسم جانے کے لئے اس شاہراہ کے علاوہ کسی اور راستہ کو اختیار کیا جائے جس پر سے حر بن یزید شراف آ رہے تھے۔ لیکن بعض روایات میں شراف سے آپ حر بن یزید کی معیت میں آ رہے تھے۔ مگر جب یہ سنا کہ عمرو بن سعد ایک لشکر جرار لئے قادسیہ میں موجود ہیں تو وہیں سے مقام عذیب کی طرف چلے جاتے ہیں اور کہیں یہ لکھا ہے کہ قادسیہ سے بھی آگے کوفہ کی طرف بڑھنے کے بعد آپ سے حر بن یزید ملا تھا۔

یہ صرف ایک نمونہ ہے ان محالات اور تضادات کا جو مؤرخین کی عدم تحقیق روایات کی وجہ سے ظہور میں آیا حالانکہ واپسی یا راستہ تبدیل کرنا حضرت امام کے لئے ان حالات میں کیسے ممکن تھا جب کہ ایک ہزار مسلح افراد آپ کا راستہ روکے کھڑے ہوں وہ بھی اپنی مرضی سے نہیں بلکہ ایک گورنر کے حکم سے جو اس قافلہ کو بہر قیمت اپنے رو برو پیش کرانا چاہتا ہو۔ یہ واپسی صرف اسی صورت میں ممکن تھی کہ حضرت امام ان سے نبرد آزما ہوں اور انہیں شکست دیتے ہوئے آگے یا ایک طرف نکل جائیں یا پھر تمام فوج گورنر سے بغاوت پر آمادہ ہو اور حضرت امام کے اشاروں پر عمل پیرا ہو جائے مگر ہمارے مورخین کی یہ کمال کرامت ہے اور کرشمہ! کہ ایسے حالات پیدا ہوئے بغیر بھی حضرت امام کو صاف نکال کر کربلا کی طرف لے جاتے ہیں جو کہ قادسیہ سے ساٹھ میل دور جانب دمشق اور شراف سے تقریباً ۱۴۴ ایک صد چوالیس میل دور واقع ہے پھر وہاں عمرو بن سعد کو مع چار ہزار افواج چار یا پانچ منزل کوفہ سے دور کربلا میں بغیر کسی ہوائی جہاز کے ایک دن میں پہنچا کر ساری دنیا کو انگشت بدنداں اور حیرت زدہ کر دیتے ہیں یہ ہیں ہمارے بہترین مؤرخ جن کی بے سر و پا تاریخی روایات اور افسانوں کی بنا پر ان حدیثی اور قرآنی شہادات کو ہم ماننے سے انکار کر دیتے جو ان کے اپنے بہترین تعلقات کی آئینہ دار ہیں۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ اور خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم پر نظر ڈالنے کے لئے ہم تیار نہیں ہیں۔ لایعنی اور من گھڑت باتوں، افسانوں، منافقین اور شر پسندوں کے بیانات کی وجہ سے ہم بہترین مسلمانوں، خدا پرستوں اور فرشتوں سے زیادہ پاکیزہ شخصیتوں پر کفر و الحاد اور زندیقیت کا الزام لگانے اور ان پر لعنت بھیجتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتے۔

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ان پریشان روایات کو جمع و متحد کرنے کی غرض سے قلم اٹھاتے ہیں مگر ان کی پریشاں خیالی قابل ملاحظہ ہے کہ حر بن یزید کی فوج کہیں امام کا راستہ واپسی روکے کھڑی ہے اور حضرت امامؓ پریشان ہو کر بد دعا دیتے اور پوچھتے ہیں تو حُر عبید اللہ کے پاس لے جانے پر اصرار کرتا ہے حضرتؓ انکار کرتے ہیں اور قادسیہ سے

قصر بنی مقاتل کی طرف واپسی کا حکم دے دیتے ہیں تو مولانا محترم بن یزید کی زبان سے کہلواتے ہیں کہ "اچھا میں آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا ـــ چہ خوب۔ حیرت ہے کہ گورنر کی طرف سے قافلہ کو حاضر کرنے کا حکم ہے اور اسی بنا پر وہ راستہ بھی روک لیتا ہے مگر بعد میں کسی مصلحت کی بنا پر حضرت امام کا راستہ واپسی چھوڑتا ہے کہ حضرت امام جدھر چاہیں چلے جائیں اور یہ اپنی فوج لئے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ واپس کیوں نہیں چلا گیا اور کبھی التماس کرتا ہے کہ اگر کوفہ نہیں جانا چاہتے تو نہ جائیں مگر واپس مدینہ طیبہ بھی نہ جائیں کسی اور جگہ چلے جائیں کیا حر کو یہ اختیار حاصل تھا اور حضرت امام واپس ہوتے ہیں اور ایک دوسرے راستہ سے ۶۰ میل تک چلے جاتے ہیں اور حر بن یزید ہے کہ معہ ہزار فوجی نوجوان ہونے کے بھی ان کے پیچھے پیچھے چلنے کی خدمات سرانجام دے رہا ہے تا آنکہ آپؓ کربلا پہنچ جاتے ہیں۔ عبیداللہ بن زیاد کا رعب و داب کہاں ہے کہ امام آگے آنے کی بجائے الٹے پھرے جاتے ہیں اور حر ہے کہ انہیں روکتا ہی نہیں طرفہ یہ ہے کہ حر کے راستہ چھوڑنے کا کہیں ذکر نہیں اور حضرت امام کا قصر بنی مقاتل کی طرف چلے جانے کا تذکرہ موجود ہے۔

ــ مگر سنئے ؟ مزے کی بات ہے کہ ساٹھ میل دمشق کی طرف جاتے ہوئے آپ کو کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا مگر جب کربلا میں پہنچتے ہیں تو یکایک خواب آجاتا ہے کہ موت بالکل قریب ہے آخر کیوں اور پھر امام موصوف کی زبان اطہر سے کربلا کے معنی میں ایک نکتہ بیان کروایا جاتا ہے جسے کوئی جاہل۔ نادان اور بدوی عربی بھی غلط ہی سمجھے گا کہ کربلا یعنی "کرب و بلا" ہے۔ حالانکہ لفظ کی حکایت صوتی بھی اس معنی کا ابطال کرتی ہے کہ "کرب" کے بعد صرف "لا" باقی رہ جاتا ہے۔ اس "لا" کو حرف "ب" کے اپنی طرف سے اضافہ کے بغیر "بلا" نہیں بنایا جاسکتا۔ یہ صرف کوئی جاہل یا عجمی ہی خدمت سرانجام دے سکتا ہے۔ مگر نہایت فصیح و بلیغ خاندان کے چشم و چراغ یہ بالکل غلط لفظ کبھی زبان پاک سے ادا نہیں کر سکتے تھے۔ ـــ جبکہ اس کا معنی عربی زبان میں بالکل معروف اور مشہور ہے کہ ـــ وہ میدان جس میں لوگ اپنا گلہ صاف کرتے ہیں اور یقیناً یہ اسی کام میں استعمال ہوتا تھا کہ بالکل اس کے قریب عقر کی بستی آباد تھی جو علاقہ "طف" میں نہایت شاداب اور سرسبز تھی اور اس سرزمین میں بیسیوں چشمے تھے جو زمین کو سیراب کرتے تھے اور اسی زمین میں ایک چشمہ کا نام عین الصید بھی تھا جو مچھلیوں کے شکار کی کثرت کی وجہ سے مشہور تھا۔

(معجم البلدان ۔ یاقوت حموی ، ج ۶ ص۱۵)

غلط اور ناقابل تسلیم باتوں کا تذکرہ چل نکلا ہے تو یہ بھی سنئے ۔ غور طلب ہے کہ حضرت امام حسینؓ کی اس

ایک ہزار فوجی دستہ ہے جو ابھی تک صرف پیچھے چلنے کی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ اگر کہیں لڑائی ہو بھی جاتی ہے تو کیا یہ ہزار آدمی۔ بہتر آدمیوں کو شکست دینے کی طاقت نہیں رکھتے تھے؟ اگر رکھتے تھے تو چار ہزار آدمیوں کا جم غفیر اور بھیجنے کی کون سی ضرورت تھی۔ کیا حر نے کمک طلب کی تھی؟ افسوس یہ بے سروپا کہانیاں، جھوٹے افسانے اور عقل و بصیرت سے دور کا واسطہ نہ رکھنے والے واقعات صرف اس لئے تراشے گئے کہ ان سے ثابت کیا جائے کہ اس وقت کی حکومت میں دین و ایمان، تقویٰ اور اسلام تو بڑی بات ان میں تو انسانیت اور بصیرت بھی نہیں تھی کہ بہتّر آدمیوں کے مقابلے میں پانچ پانچ ہزار کا لشکر ترتیب دے کر سفاکی اور درندگی کا مظاہرہ کرتے تھے ــــ یَا لَلْعَجَبْ وَا اَسَفَا عَلَی الْقَوْم ــ

حقیقت واقعی

روایات کی تہ میں اترنے سے جو حقیقت منکشف ہوتی ہے فقط اسی قدر ہے کہ حضرت امام حسینؓ نے جب اپنے دعوے سے رجوع کا اعلان فرما دیا تو تمام فوجی افراد کو اس بات پر حقیقی مسرت ہوئی کہ حضرت امام اور موجودہ حکومت کے درمیان محاذ آرائی کے خاتمہ کی صورت پیدا ہو گئی ہے اور اس خیال کے پیش نظر ہی امام حسینؓ حر بن یزید کے لشکر کے ساتھ کوفہ کی طرف رواں تھے کہ گورنر کوفہ اب ہمارے خلاف مزید کاروائی نہیں کرے گا مزید برآں وہ آپ کے گھر کا نمک خوار بھی تھا۔ مگر ان چار کوفیوں کی آمد اور حالات کے متعلق ان کے غلط خدشات کے اظہار کی بنا پر حضرت امام نے بجائے کوفہ، یزید کے پاس دمشق جانے کا فیصلہ فرمایا تو حر بن یزید بحکم گورنر راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور اصرار کیا کہ آپ سیدھے امیر کوفہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس چلیں گے اور کوئی صورت قابل قبول نہیں۔ مگر آپؓ نے حالات کی سنگینی کے پیش نظر انکار کر دیا۔ پھر باہمی رد و کد اور گفت و شنید کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ تازہ حالات کے متعلق لکھا جائے اور خط کے آنے تک یہیں قیام رہے نہ آگے نہ پیچھے اور نہ کسی اور طرف چنانچہ آپؓ کی طرف سے وہ مشہور زمانہ تین شرطیں لکھ کر بھیجی گئیں جو تقریباً تمام مورخین نے بیان کی ہیں۔

۱۔ قال ذرونی ارجع الی مأمنی من الارض ای الحجاز

۲۔ اَوْ اَذْهَبُ الی بعض الثغور

۳۔ او تسیّرنی الی یزید فاضع یدای فی یده

ترجمہ۔ شرط اول مجھے چھوڑ دو میں ارض حجاز (مکہ یا مدینہ) چلا جاتا ہوں۔

۲۔ یا سرحدی علاقے میں چلا جاتا ہوں۔

۳۔ یا یزید کے پاس جا کر اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہوں۔ (البدایہ والنہایہ کے علاوہ اس روایت کو ابن جریر نے طبری۔ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ اور امام سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اور ایک شیعہ مورخ نے ناسخ التواریخ ج ۶ ص۲۳۷ میں بھی بیان کیا ہے۔ ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران کے الفاظ ملاحظہ ہوں یعنی آخری شرط او یاتی امیر المؤمنین یزید فیضع یدہ فی یدہ الخ یعنی حضرت امام حسینؓ امیر المومنین یزید کے پاس جا کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیں گے۔ ابن جریر طبری اردو مترجمہ سید حیدر علی طباطائی ج ۴ ص۲۳۵، ۲۵۸ کے الفاظ ملاحظہ ہوں کہ آپؓ نے ان کو خدا و دین خدا کا واسطہ دے کر کہا۔

"مجھے امیر المومنین کے پاس چلا جانے دو۔ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں گا"

ایک روایت میں حضرت امامؓ نے حر بن یزید کی بجائے یہ شرطیں حضرت عمرو بن سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھ دی تھیں ممکن ہے کہ وہ بھی کسی چوکی پر آپ کی آمد کے پیش نظر متعین ہوں مگر جب آپ کی ملاقات حر بن یزید سے ہوگئی تو وہ بھی وہیں قادسیہ آ گئے ہوں اور حضرت امام حسینؓ نے وہ شرطیں لکھ کر دونوں کے سپرد کی ہوں اسی وجہ سے شرطوں کے سلسلے میں آپ کا نام آتا ہے۔ (تاریخ اسلام ج دوم ص۴۱ میں یہ تذکرہ موجود ہے۔)

دمشق جانے کا مقصد

اس خط کے کوفہ پہنچنے اور جواب آنے کی درمیانی مدت میں حضرت امام حسینؓ اور حر بن یزید کا لشکر اپنے اپنے مقام پر پڑے رہتے ہیں اور حاکم اعلیٰ کو لکھنے کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ جواب آنے تک ہر سابقہ حالت کو برقرار رکھا جائے ــــ مگر ہمارے لئے لمحۂ فکریہ اور مقام غور یہ ہے کہ حضرت امام عالی مقامؓ قادسیہ سے براستہ عذیب قصر بنی مقاتل کو کیوں جانا چاہتے تھے جو راستہ دمشق کو جاتا تھا اور مکہ و مدینہ کے راستے کو کیوں اختیار نہ فرمایا جو کہ اس راستہ کے بالکل برعکس ہے اس بات کو سمجھنے کے لئے ہمیں مندرجہ بالا شرطوں کو دوبارہ ملاحظہ کرنا ہوگا۔ آپ کو حضرت امام کے مؤقف میں ایک تبدیلی محسوس ہوگی۔ ایک انقلاب نظر آئے گا کیونکہ اب تک آپ جس بنا پر یزید کی بیعت نہ کرنا چاہتے تھے وہ وجوہ معدوم ہو گئے تھے وہ اسباب جو کوفہ کی طرف سفر کے محرک بنے تھے ناپید ہو گئے اور وہ

خطوط ۔ قاصد ۔ وفود ان کی خبریں اور قسمیں جو کہ مکہ معظمہ میں حضرت امام حسینؓ تک پہنچائی گئیں سب جھوٹ ۔ فریب دھوکہ ۔ طمع اور افسانہ ثابت ہوئیں اور اس اصلاح نما فساد ۔ تعمیر نما تخریب اور بظاہر حمایت اہل بیت بباطن بغض اسلام پر جو پردے اب تک پڑے تھے یکسر دور ہو گئے تو حضرت یکدم پکار اٹھے ۔ کہ دوستو! اب ہمارے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے جس کا انتخاب ہو چکا وہ قصر بنی مقاتل سے ہوتا ہوا سیدھا امیر یزید کے پاس دمشق جاتا ہے ۔۔۔ اب پھر مندرجہ بالا شرطیں پڑھنے کی زحمت فرمائیے ۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جب عازم سفر ہوئے اس وقت بھی یزید کی مخالفت پیش نظر نہ تھی اور نہ ہی کلمہ حق کسی جابر سلطان کے سامنے پیش کرنے کا منصوبہ تھا اور نہ آپ بجائے کوفہ سیدھے دمشق جانے کہ خلیفۂ وقت دمشق میں قیام پذیر تھے اور نہ ہی یزید کے متعلق آپ کا یہ خیال تھا کہ اس نے کوئی حرام حلال کر دیا ہے یا کوئی حلال حرام کر دیا ہے اور نہ یہ کہ یزید تارک نماز اور شرابی کبابی ہے ۔ اس لئے کہ اب جو ہاتھوں میں ہاتھ دینے کی بات فرماتے ہیں تو کیا واقعی اب شرابی ۔ تارک نماز ۔ مرتکب حرام ۔ ظالم اور فاسق و فاجر کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی خواہش فرما رہے ہیں ۔۔۔ ہرگز ہرگز نہیں ۔۔۔ یزید نہ پہلے کبھی غلط تھا اور نہ اب تبدیل ہو گیا تھا قبل ازیں تمام صحابہ اسی یزید کے ہاتھ پر بیعت فرما چکے ہیں ۔ تمام ملت اسلامیہ بجز دو بزرگ یزید کی خلافت پر متفق ہو چکے ہیں ۔ اور اب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی فرما رہے ہیں کہ " اضع یدی فی یدہ " میں بھی اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں گا ۔۔۔ تو معلوم ہوا کہ اب تک بیعت نہ کرنے کے اسباب کچھ اور ہی تھے ہم پہلے بھی ان اسباب کی طرف اشارہ کر آئے ہیں ۔۔۔ اور وہ فقط یہی تھے کہ عبداللہ بن زبیر کی علیحدہ حکومت کے قیام اور ان کے خلاف خلیفہ اسلام کی طرف سے عدم کاروائی نے آپ کے دل میں خیال پیدا کیا کہ ملت اسلامیہ ابھی منتشر اور متفرق ہے کسی خلیفہ کو استحکام نصیب نہیں ہو سکا اور اس کی مزید تصدیق منافقین کوفہ کے خطوط اور قاصدوں سے ہو گئی جنہوں نے آدم و ابلیس کی داستان کی طرح قسمیں کھا کھا کر کہا تھا کہ ہمارا کوئی امام نہیں آپ تشریف لائیں ۔ ہم حاضر ہیں ۔۔۔ تو یہ تھے وہ اسباب محرکات اور عوامل جن کی بنا پر حضرت امام نے کوفہ کا سفر اختیار فرمایا ورنہ امیر یزید سے آپ کی کوئی ذاتی یا دینی رنجش نہیں تھی ۔۔۔ اور اب جو دیکھا کہ واقعی ملت اسلامیہ حتیٰ کہ یہ کوفی بھی اگرچہ جبراً یا ظاہراً ہی سہی یزید پر بحیثیت خلیفہ متفق ہو چکی ہے تو آپؓ نے بھلا ایک منٹ ضائع کئے بغیر یہ

اعلان فرمادیا کہ میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں گا ___ اور یہ ملت اسلامیہ کے بہترین اور موجود لوگوں میں سب سے افضل انسان (خدا اُن پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے) پر سب سے بڑا فرض تھا کہ ___ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا کی عملی تصویر بنتے۔ چنانچہ آپؓ اِس کی عملی تصویر بنے۔ چاہے کچھ تاخیر سے ہی اور یہی اعلان ان کی شہادت کا سبب بنا۔ کیونکہ یہی اعلان اتحاد ملت اسلامیہ کا مظہر تھا جو تخریب کاروں کو پسند نہ آیا۔ اور حادثہ کربلا کی وجہ بن گیا بالکل اسی طرح جیسے حضرت امام حسنؓ ملت اسلامیہ کے اتحاد کی پاداش میں زہرخورانی کا شکار ہو گئے ___ خدائے قدوس ان دونوں پاک نفسوں کو اجر جزیل سے نوازے کہ دونوں بھائی اتحاد ملت ہی کی خاطر جام شہادت نوش فرما گئے اور ملت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر کرنے والے منافقین کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ یعنی حضرت حسنؓ امیر معاویہؓ سے صلح اور حضرت حسینؓ امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کے اعلان کی پاداش میں انہی ہاتھوں سے شہید ہوئے جنہوں نے اس سے قبل حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت عمر فاروقؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو شہید کیا تھا

خط کے اثرات اور جواب

حضرت عمرو بن سعد بن ابی وقاصؓ (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں زاد تھے اور اس طرح حضرت امام حسینؓ حضرت عمرو بن سعد کے بھی نواسے ہوئے) نے ان تین شرطوں کے ساتھ اپنی رائے بھی لکھ بھیجی تھی۔ الفاظ تھے۔ فان الله قد اطفأ النائرة وجمع الكلمة واصلح امر الامة۔ تاریخ طبری مترجم ج ۴ ص۲۵۵ ـ یعنی خدا نے آگ کے شعلہ کو بجھا دیا۔ اختلاف کو دفع کیا۔ قوم کی بہتری چاہی۔ حسین اس بات پر راضی ہیں کہ الخ اسی طبری میں بحوالہ مذکور رقم ہے کہ ابن زیاد نے خط پڑھ کر کہا تھا۔ هذا كتاب رجل ناصح لاميره ومشفق على قومه نعم قد قبلت ـ ترجمہ:۔ ایسے شخص کا یہ خط ہے جو اپنے امیر کا خیرخواہ۔ اپنی قوم کا شفیق ہے اچھا میں نے قبول کیا اور دمشق کی طرف سفر کی اجازت کی بنیاد پر ہی تو اس راستہ پر سفر شروع کیا گیا جو قصر بنی مقاتل سے ہوتا ہوا سیدھا دارالخلافہ دمشق کی طرف جاتا ہے مگر افسوس کہ منزلِ مقصود تک پہنچنے سے قبل ہی سبائی کوششوں سے ختم کرا دیا گیا۔

مگر آگے بڑھنے سے پہلے ایک بہت بڑی غلط فہمی اور شرانگیزی کو صاف کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے جو اصل واقعات سمجھنے کے راستہ میں ایک دیوار بنی کھڑی ہے کہ ___ ابن زیاد تو امام حسینؓ کی شرط تسلیم کر ہی گیا تھا

مگر شمر بن ذی الجوشن نے زبردست مخالفت کرکے ابن زیاد کو امام حسینؓ سے لڑائی پر آمادہ کر لیا تھا ــــ ناظرین! یہ جھوٹ اور محض شر ہے جو اصلی واقعات پر پردہ ڈالنے کے لئے اٹھایا گیا جس میں صداقت نام کو بھی نہیں۔ اس بہتان کو طشت از بام کرنے کے لئے ہم دو پہلوؤں پر غور کریں گے ــــ

۱۔ حضرت امام حسینؓ اور شمر بن ذی الجوشن میں باہمی قرابت اور قریبی عزیزداری تھی کہ شمر کی پھوپھی ام البنین بنت حرام حضرت علیؓ کی زوجہ محترمہ تھیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے چار بیٹوں۔ عباسؓ۔ عبداللہؓ۔ جعفر اور عثمانؓ کی والدہ تھیں۔ ابن جریر طبری ص۵۹ ج۲ مترجمہ سید حیدر علی طباطبائی۔

مقام حیرت ہے کہ اس قرابت کے باوجود شمر سے آپ کی مخالفت کیسے ممکن ہے۔ مزید برآں جبکہ گورنر کوفہ بالخصوص امام حسینؓ سے نرم رویہ کا اظہار کر رہا ہے آپؓ کی شرط کو قبول کر رہا ہے عقل و شعور اور دیانت اگر کوئی چیز ہے تو وہ گواہی دیتی ہے شمر نے ایسے موقع پر اپنے بھائی حضرت امام حسینؓ کی حمایت کی ہوگی کیونکہ اسی اظہار ہمدردی میں ابن زیاد کی خوشنودی بھی ہے اور خدا کی رضا بھی ــــ اگر کسی سر میں عقل ہے اور وہ اس سے کام بھی لینا چاہتا ہے تو پکار اٹھے گا کہ شمر نے مخالفت نہیں حمایت کی ہوگی۔

یقیناً اس نے حمایت ہی کی تھی اور یہی اس کا مقام تھا اپنے پھپھیرے بھائیوں کے لئے امان! یہ اسی عقلی محال کا دراصل جواب تراشا گیا ہے مگر یہ جواب انتہائی نامعقول ہے۔

۲۔ اگر بالفرض شمر بن ذی الجوشن نے زبردست مخالفت ہی کی تھی اور عبیداللہ ابن زیاد نے بلاوجہ و بلا جواز اسے قبول بھی کر لیا تھا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قافلہ جو کہ قادسیہ میں محصور پڑا تھا کربلا تک کیسے پہنچ گیا جو قادسیہ سے تقریباً ساٹھ میل دور بجانب مشرق واقع ہے۔ ــــ اور اگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بزور بازو و شمشیر حصار توڑ لیا تھا تو بجانب مکہ معظمہ روانہ ہوتے نہ کہ بجانب دمشق ــ

نقشہ ملاحظہ فرمائیے

عقلی شعوری اور تاریخی اعتبار سے کسی صورت بھی شمر سے امام عالی مقام کی مخالفت نہیں بلکہ موافقت ہی ثابت ہوتی ہے۔ اصل مجرموں کو چھپانے کے لئے گھر کے آدمی کو مقدمہ میں ملوث کر لیا گیا ہے۔

سفرِ دمشق

تبدیلی موقف کے بعد اتحاد ملت کے لئے حضرت امام حسینؓ کی شرط چونکہ انتہائی معقول اور پرخلوص تھی لہٰذا شکریہ کے ساتھ قبول کی گئی۔ اور فیصلہ ہوا کہ گورنر کا ایک دستہ بھی آپ کی معیت میں عازم دمشق ہوگا جو حضرت امام حسینؓ کو امیر یزید تک پہنچانے کی خدمت سر انجام دے گا۔ یہ فیصلہ بہت ضروری تھا کہ حضرت امام کی کوفہ میں آمد کے اسباب جن شرپسند منافقین کے پیدا کردہ تھے وہ پھر بھی حضرت امام پر اثر انداز ہو سکتے تھے۔ اور یہ ناممکن نہ تھا ـــ نیز حضرت امام کو اس فیصلے سے آگاہ کیا گیا تو آپ نے اعتراض نہیں فرمایا یہی وجہ ہے کہ وہ دستہ آپ کے ساتھ بغیر کسی باہمی تلخی و آویزش اور جھگڑا و فساد کے نہایت حسن سلوک، خوش اخلاقی اور عزت واحترام کا مظاہرہ کرتا کربلا تک پہنچا ـــ مگر کربلا میں پہنچنے پر حالات میں کچھ تبدیلی رونما ہوگئی تھی کہ حضرت امامؓ کے قافلہ میں زیارت کے بہانے کوفیوں کی آمد شروع ہوگئی اور ان کی تعداد میں دم بدم اضافہ ہو رہا تھا چنانچہ اکبر شاہ کی تاریخ اسلام صـ۲۷ میں اسی حقیقت کی طرف بایں الفاظ اشارہ ملتا ہے کہ ـــ بعض روایات کے موافق آپ کے ہمراہ ایک سو سوار تھے ـــ اور بعض کے موافق ۲۴۰ افراد تھے۔ حالانکہ قادسیہ کے مقام پر تو آپ کے ساتھ تقریباً وہی اسّی آدمی تھے جبکہ مکہ معظمہ سے چلے تھے جیسا کہ مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم نے بحوالہ ابن جریر نقل کیا ہے کہ بھیڑ نے سنا تو دائیں بائیں کٹنے لگے تھوڑی دیر بعد آپ کے گرد وہی آدمی رہ گئے جو مکہ سے ساتھ چلے تھے ـــ اس تصریح کے مطابق وہ قافلہ جو حفاظتی دستہ کے ساتھ بجانب دمشق چلا تھا تقریباً ۸۰ ـ افراد پر مشتمل تھا اور یہ ۲۴۰ افراد جو احرام

الحرام یعنی میدان کربلا میں آپ کے ساتھ موجود تھے یقیناً بعد میں آکر شامل ہوئے تھے ــــ اور اسی اضافہ افراد کے پیش نظر وہ حفاظتی اقدامات ضروری تھے جو ایک روایت کے مطابق بعد کے پیش آمدہ حالات کے لئے بنیاد بنے آگے بڑھنے سے پیشتر ہمیں معلوم کرنا ہے کہ یہ کون لوگ تھے اور کس غرض سے آئے تھے

۵

کوفیوں کی ایک نئی سازش

اللہ رب العزت کے فضل واحسان سے ادھر مسلمانوں میں محبت ومودت اور یگانگت کی حسین اور روح پرور فضا پیدا ہوگی تو ادھر بد نہاد منافقین اور دشمنِ اسلام سبائیوں کے سینوں میں آتش بغض بھڑک اٹھی ۔ ان کے لئے دو قسم کے خدشات وخطرات سوہانِ روح بن گئے

ملت اسلامیہ کی تخریب وبربادی کے وہ تمام منصوبے جنہیں طے شدہ پروگرام کے تحت بڑی محنت سے یہاں تک لے آئے تھے سب کے سب خود ہی بربادی سے ہمکنار ہو رہے تھے۔ وہ بھی اس وقت ؎

دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

۲ء ۔ اور دوسرا خدشہ جو ان کے لئے اہم ترین تھا۔ وہ خطوط اور دستخط شدہ محضر نامے جو حضرت امامؓ بوریوں میں بھر بھر کر ساتھ لائے تھے ۔ گویا وہ دستخط شدہ خطوط اور محضر نامے نہیں بلکہ ان کی موت پر خود ان کے دستخط تھے چنانچہ کوفہ میں تشویش کی لہر دوڑ گئی ۔ سربرآوردہ مخالفین اسلام کا اجتماع ہوا اور فیصلہ ہوگیا کہ دونوں قافلوں کو کسی طرح دمشق کے راستہ میں لڑا دیا جائے کہ باہم کشت وخون کے ذریعے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کا وقت ابھی ہاتھ سے نہیں نکلا ہے اور انہیں خفیہ طور پر باہم عزیزوں اور ساتھیوں کو لڑا دینے کا تجربہ تو جنگ جمل میں ہی ہو چکا تھا۔ لہذا اسی منصوبے کے تحت منافقین آہستہ آہستہ حضرت امامؓ کے قافلے میں شریک ہونے لگے ۔ اور کربلا تک پہنچتے پہنچتے یہ مسئلہ سنگین صورت اختیار کر گیا ۔ جہاں تک واقعۂ کربلا کا تعلق ہے اسی تاریخی تسلسل کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے ۔ ورنہ اور تو کوئی صورت عقل وادراک کو اپیل نہیں کرتی اور نہ ہی ۴۰ ۔ ۲۰۰ ــــ افراد کے جمع ہوجانے کی کوئی عقلی توجیہ سمجھ میں آسکتی ہے ۔

واقعۂ شہادت

اس طرح قافلہ میں ان پر اسرار لوگوں کی آمد کے پیش نظر حفاظتی دستے

حکم دے دیا کہ حضرت امام کا تمام قافلہ ہتھیار ہمارے سپرد کر دے تاکہ کہیں کوئی بگاڑ کی صورت پیدا نہ ہو مگر مفسدین نے اسے غلط رنگ دینے کی کوشش کی اور ایک درست بات کو بدنیتی پر محمول قرار دیا۔ اور خدشات کو یوں ہوا دی کہ یہ حفاظتی دستہ ہمیں نہتہ کر کے قتل کرنا چاہتا ہے۔ اور اس گمراہ کن مفروضے کو پروپیگنڈے کے زور سے اتنا اہم بنا ڈالا کہ حضرت امام نے اسلحہ سپرد کرنے سے انکار کر دیا اور اس طرح باہمی آویزش و چپقلش کا دروازہ کھل گیا۔ یہ واقعۂ انکار تقریباً عصر کے بعد پیش آیا اور آپس میں اچھی خاصی ردوکد بھی ہوئی۔ رات اور بڑھتی مگر حضرت امام نے فرمایا کہ یہ فیصلہ کل صبح پر اٹھا رکھو تو سب لوگ اس پر رضامند ہو گئے جیسا کہ ابن جریر طبری کی عبارتوں سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے یہ نو تاریخ محرم الحرام کا واقعہ ہے حضرت امامؓ رات اپنے دوستوں سے صلاح و مشورے کرتے رہے انہیں رات کی تاریکی میں نکل جانے کو بھی فرمایا۔

صبح ۱۰۔ محرم الحرام تھی اور وہ دن جو صدیوں میں بھی نہ بھلایا جا سکا جس کا غم کم ہونے کی بجائے بڑھتا رہا ہے۔ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ وہ نشانات تازہ ہوتے گئے ہیں جو کربلا میں مسلمانوں کے خون سے نقش ہوئے تھے۔ ہاں تو! رات ہی رات اس معمولی چپقلش کو مفسد بھرپور جنگ و جدل سے بدل دینے کے سامان تیار کر چکے تھے اور دشمن اسلام منافقین کی کوشش تھی کہ اس حقیر سے شرارے کو شعلہ جوالا بنا دیں اور وہ اس مقصد کے لئے رات بھر آتش زیر پا رہے تھے۔ کیونکہ انہیں اپنے مقصد میں مایوسیوں کے بعد امید کی ایک کرن نظر آ گئی تھی۔ جس سے وہ بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ چنانچہ بوقت صبح جب حفاظتی دستہ نے اپنا مطالبہ دہرایا ـــ ملت کے بدخواہ کوفیوں نے طے شدہ پروگرام کے تحت پہلے مشتعل ہوئے اور پھر اچانک ان پر حملہ کر دیا ـــ حملہ اس شدت سے کیا گیا تھا کہ حفاظتی دستہ جو اس بدترین منصوبے سے قطعاً بے خبر تھا اور اسلحہ سے بھی خالی۔ اپنی جان بچانا مشکل ہو گئی ـــ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ص۱۱۶۲ میں اس بات کا تذکرہ، ذکر حضرت حسینؓ میں موجود ہے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"گورنر کوفہ عبیداللہ بن زیاد کو یزید نے حکم دیا کہ حسینی قافلہ کے ہتھیار لینے کی تدبیر کرے اور ان کو جھگڑا و فساد پھیلانے سے باز رکھے۔ (مگر) حضرت حسینؓ اور ان کے مٹھی بھر متبعین نے اپنے سے طاقتور فوجی دستہ پر جو ان سے ہتھیار رکھوانے کو بھیجا گیا تھا غیر مال اندیشانہ طور پر حملہ کر دیا۔"

(انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ص۱۱۶۳)

اس عالم اضطراب میں ہتھیار سنبھالتے سنبھالتے بھی فوجی دستہ کا خاصا جانی نقصان ہوچکا تھا جیسا کہ اس کی تصریح ابن جریر، ناسخ التواریخ، البدایہ والنہایہ اور دیگر کتب مقتل میں تفصیل سے موجود ہے کہ فوجی دستہ کے زیادہ آدمی ہلاک ہوئے تھے۔ اور حسینی قافلہ کے نسبتاً کم حالانکہ آپ کے ساتھی جنگ آزمودہ بھی نہ تھے مگر چونکہ فوجی زیادہ تھے اس لئے کوفی شرارت پسندوں کی شرارت کا مکمل خاتمہ ہوگیا اور خاندان نبوت کے چند افراد بھی چونکہ اہل کوفہ میں مجبوراً شریک ہوکر برسرپیکار رہتے تھے لہذا وہ بھی شہید ہوگئے ــــ تاہم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے لئے کوئی بھی تیار نہ تھا۔ چنانچہ ابن جریر طبری ج ۴ صـ۱۹۵ میں مذکور ہے کہ لوگ قتل کرنا چاہتے تو ممکن تھا لیکن ایک کے پیچھے ایک چھپتا تھا۔ یہ چاہتا تھا وہ اس کام کو کرے وہ چاہتا تھا کہ یہ کرے بالکل یہ کیفیت تمام خاندان بنو ہاشم کی ہوتی اگر وہ مفسدوں کے گروہ میں سے پہنچانے جاتے وہ تو فقط اس گروہ میں نہ پہنچانے جانے کی وجہ سے شہید ہوئے اور حضرت امام چونکہ بالکل ممتاز شخصیت و وجود رکھتے تھے لہذا کسی نے جان بوجھ کر عمداً نہ آپ کو کوئی تیر مارا اور نہ کوئی تلوار ــــ مگر واقعۂ شہادتِ امام کے سلسلہ میں جو تفصیلات کتابوں میں ملتی ہیں وہ نہایت من گھڑت افسانے، گریہ آور کہانیاں متضاد اور ناممکن الوقوع واقعات کے علاوہ کچھ بھی نہیں اگر ان کی تضاد بیانیوں کی ہی تفصیل دی جائے تو اس کے لئے ایک دفتر درکار ہے کیسے تعجب کی بات ہے کہ ابو محنف مقتل حسین نامی کتاب میں لکھتے ہیں اور یہی منبع اور چشمہ ہے تمام جھوٹ اور افسانہ گوئی کا کہ اکیلے امام حسینؓ سے لڑنے کے لئے تمام لشکر جو کہ تعداد میں اسی ہزار ــ اور ایک روایت میں ایک لاکھ تیس ہزار تھا کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا کہ ہر طرف سے یک بارگی حملہ کیا جائے اور اس کے علاوہ بھی بے سروپا افسانے تراشے گئے جو عقل و بصیرت کی دنیا میں تو ناممکن الوقوع ہیں ــــ حقیقت صرف اسی قدر ہے جو ابن جریر کے حوالے سے بیان کی جاچکی ہے کہ آپ کو کوئی بھی قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر چونکہ آپ درمیان کشت و خون ابھی لوگوں کو اپنا مقام بتا بتا کر ٹھنڈا کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ اسی ابو محنف نے اپنی کتاب میں بیان کیا کہ میں علی کا بیٹا ہوں جو آل ہاشمی میں پاکباز تھے۔ میری ماں فاطمہ ہیں اور میرے نانا محمد ہیں پھر فرمایا ہماری فریاد (بات) کوئی سنتا ہی نہیں۔ صـ۱۱۹۔ ملخصاً تو ہنگامہ میں آپ کو بھی تیر یا تلوار کا زخم آگیا ہو اور آپ شہید ہوگئے ہوں۔ بہت ممکن ہے انہی کوفیوں نے جو آپ کے ساتھ مکہ معظمہ سے آئے تھے یا جو بعد میں شامل ہوتے گئے تھے آپ کو شہید کردیا

ہو۔ کہ یہی ان کی خواہش تھی ـــــ بہرحال فوجی دستہ میں سے کسی نے بھی حضرتِ امام پہ ہاتھ نہیں اٹھایا تھا اس لئے کہ فوجی دستہ میں سے کسی نے بھی حضرتِ امام پہ ہاتھ نہیں اٹھایا تھا اس لئے کہ فوجی دستہ اور حضرت امام کا مشن واحد اور ارادہ ایک ہی تھا اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ یہ تمام واقعہ آناً فاناً وقوع پذیر ہوا اور تقریباً گھنٹہ بھر میں اختتام تک جا پہنچا چنانچہ پروفیسر علی احمد عباسی نے بحوالہ طبری و دیگر مورخین بیان کیا ہے کہ ـــ یہ حادثہ بس اتنی دیر میں ختم ہوگیا تھا جتنی دیر قیلولہ (دوپہر کا سونا) میں آنکھ جھپک جائے مقالہ منسلک نقش حسین ص۱۳۱ اور طبری میں بایں الفاظ مذکور ہے کہ جتنی دیر میں اونٹ کو صاف کرتے ہیں یا قیلولہ میں جتنی دیر کے لئے آنکھ جھپکی جاتی ہے بس اتنی دیر میں ہی سب سے آخر شخص ان میں سے قتل ہوچکا تھا۔ (طبری ج ۴ ص ۳۰۵)

عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس اچانک لڑائی میں وہ قطعاً قوس وقزح کے رنگ موجود نہیں ہیں جو راویوں کے جھوٹ سے ترتیب پا گئے ہیں جس انداز سے ان لوگوں نے نقشہ جنگ بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ کم ازکم مہینہ بھر تو جاری رہی ہوگی۔ نیز اکیلے امام عالی مقام سے جس قدر آدمی ہلاک کروائے جاتے ہیں۔ اگر فی منٹ ایک آدمی بھی قتل ہوا ہو تو کم ازکم تئیس ۲۳ گھنٹے انہیں جنگ کے لئے درکار ہوں گے۔ فوا للعجب

حادثہ کا اصل وقت

مگر آگے بڑھنے سے پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ قافلۂ امام حسین کے کل بہتر ۷۲ آدمی اس جنگ کا شکار ہوئے تو باقی یک صد اڑسٹھ ۱۶۸ آدمی جو رات تک امامؓ کے قافلہ میں موجود تھے کہاں ہیں؟ کہ یہی تو ہتھیاروں کے مطالبہ کا سبب بنے تھے۔ اگر یہیں ہوتے تو وہ یا تو مقتول ہوتے یا گرفتار کرلئے جاتے مگر وہ لوگ نہ مقتولوں میں ہیں اور نہ کوئی گرفتاری ہوئی تھی ـــ انہیں آسمان اڑا لے گیا یا زمین کھا گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگ جمل کی طرح شرارت کا آغاز کرکے اور وہ خط جلا کر جو ان کے لئے ہلاکت کا سامان تھے چلتے بنے اور یہی ان کا مشن تھا جو پایہ تکمیل تک پہنچ گیا تھا۔

جنگ جمل میں انہی شرپسندوں نے رات کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر سے قریب ہوکر حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے لشکر پر تیر برسائے تھے اور رات کی تاریکی میں گم ہوگئے اور لشکر ام المؤمنین نے سمجھا کہ تیر حضرت علیؓ کے لشکر نے مارنے شروع کردیئے ہیں۔ انہوں نے جواب میں لشکر حضرت علیؓ پر تیر اندازی شروع کردی جو کہ بالکل بے خبر پڑے سوتے تھے کہ سرِشام تک صلح کے کاغذ پر مہریں لگ چکی تھیں تیر لگنے سے ہڑ بڑا

کے بیدار ہوئے تو جواب الجواب شروع ہوگیا ۔ میرے خیال میں واقعات کی کڑیاں یہاں بھی کچھ یوں ہی ملتی نظر آتی ہیں کہ یہ تمام حادثہ رات ہی رات وقوع پذیر ہوا جبکہ حضرت امام حسینؓ (فداہ روحی) سو رہے تھے اور اس منصوبے سے بالکل بے خبر! تیروں کی بارش میں ہی خواب سے بیدار ہوئے پھر آنِ واحد میں حشر بپا ہوگیا۔ کہ خاندانِ حضرت امام حسین اور ان کے ماموں حضرت عمرو بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کچھ بھی نہ کر سکے۔

واقعات کے اس تسلسل و انداز کی ایک بیّن دلیل ہمیں تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہے چنانچہ ابن جریر نے طبری اردو ۔ ج ۲ ص ۲۸۳ میں بیان کیا کہ دونوں لشکر بہت دیر تک جنگ آزما رہے مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا تو شمر نے آپ کے خیمے اکھاڑنے کا حکم دیا جن کی آپ آڑ لئے کھڑے تھے مگر جو جاتا قتل ہو جاتا اور خیمے اکھاڑنے کی تدبیر بیکار ثابت ہوئی تو عمرو بن سعد نے کہا کہ خیموں کو آگ ہی لگا دو (تو طبری کے الفاظ ملاحظہ ہوں) آگ لگا دی گئی خیمے جلنے لگے ۔ مگر یہ نہیں سوچا کہ جو لوگ خیمے اکھاڑ نہیں سکے تھے وہ جلانے کیسے گئے ۔ کیا کوئی نیپام بم تھا جو دور سے پھینک دیا گیا تھا ۔؟ نہیں ! ہرگز نہیں یہ خیمے جو جلے اور یقیناً جلے ــــ فوجی دستہ نے تو جلائے نہیں نہ انہیں جلانے دیا جا سکتا تھا اور کوئی دن کے اجالے میں جلا نہیں سکتے تھے۔ تو پھر کس وقت جلائے گئے ہوں گے ؟ یہ کاروائی فقط رات کی کاروائی معلوم ہوتی ہے کہ پہلے تیر اندازی کی گئی جب لشکر عمرو بن سعد سپاہ پر اس پیدا ہوا پھر جوابا یورش ہوئی تو خیموں کو آگ لگائی گئی ۔ ریکارڈ ضائع کیا اور بھاگ کھڑے ہوئے ورنہ حضرت امام جیسے ذی بصیرت ، صاحب تقوی اور ملت اسلامیہ کے حقیقی خیر خواہ اس معمولی سی بات کو اتنا طویل کبھی نہ ہونے دیتے ان کی بصیرت اور نورِ اسلام نے ہر نازک وقت میں بہترین اور رضا فیصلے صادر فرمائے ۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح ہو یا قادسیہ کے مقام پر امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کا اعلان عقل و شعور کا فیصلہ ہے حضرت امام کو اگر وقت مل جاتا تو اسے قطعاً الجھنے نہ دیتے ــــ یہ سب کوفیوں کی شرارت کا کیا دھرا تھا ۔ اور اس کی مزید تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو مقالہ پروفیسر علی احمد عباسی فرماتے ہیں کہ ۔ ان خبیثوں نے صبح سویرے کے اندھیارے میں کہ سردیوں کے دن تھے ۱۰ محرم ۱۰ اکتوبر کی تاریخ تھی شبخون مار دیا ۔ یہ حملہ اس شدت سے اور ایسے وقت کیا گیا تھا کہ اکثر قافلے والے بے خبر اور غیر مسلح تھے بآسانی زد میں آگئے ۔ امیر عمرو بن سعد ان کا ہنگامہ روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے ص ۲۱ ۔ نیز طبری اردو ج ۲ ص ۳۰۵ سطر ۲۰ میں ہے آفتاب نکلنے تک حملہ ہو چکا تھا اور لڑائی قریب الاختتام تھی یعنی ہر طرف سے گھیر لیا تھا ۔ ملخصاً یہ لمحہ حشر صرف ایک گھنٹہ بھر کا تھا۔

حضرت عمرو بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حالت

کذاب راویوں اور جھوٹ تراشوں نے حضرت عمرو بن سعد کے کردار کو سب سے بھیانک، گھناؤنا اور قابل اعتراض بتایا ہے مگر چونکہ ان کی حضرت امامؓ سے رشتہ داری، محبت اور گہرا تعلق تسلیم شدہ حقیقت ہے اس لئے ایک طرف حضرت امامؓ سے مقابلہ میں ان کی گریز پائی اور کراہت کا اظہار کرا دیا گیا ہے مگر دوسری طرف معمولی صوبہ داری اور حقیر سے منصب کی خاطر ان سے وہ وہ ظلم کرائے جاتے ہیں کہ الامان! والحفیظ! ع

سوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست ۔۔۔ مثلاً ۔۔۔ بحکم عمرو بن سعد آپؓ کی نعش مبارک کو بقاعدہ دس آدمیوں نے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندڈالا۔ پیش ازیں بقول ابومخنف (حضرت) حسینؓ خون میں لتھڑے ہوئے بیٹھ گھنٹے زمین پر پڑے رہے اور اپنے اللہ سے فریاد کرتے رہے۔ اتنے میں چالیس آدمی آپ کی طرف لپکے۔ عمرو بن سعد ان سے کہہ رہا تھا ۔ تم پر خدا کی مار۔ اسے جلدی سے ٹھکانے لگا دو۔ ص۳۶ (اگر کسی کو یہ کتاب مل سکے تو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے تاکہ اس کی ہفوات اور ناممکن الوقوع افسانوں کا علم ہو جائے) مگر چونکہ حقیقت بھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتی لہذا انہی کتابوں میں حضرت عمرو بن سعد کی اصلی حالت کا تذکرہ بھی موجود ہے چنانچہ ابن جریر طبری میں ان کی حالت بایں الفاظ مذکور ہے فکانی انظر دموع عمرو ابن سعد وھی تسیل علی خدیہ ولحیتہ۔ یعنی اس واقعہ جانگسل پر عمرو بن سعد کی ڈاڑھی اور رخسارے آنسوؤں سے تر ہو رہے تھے۔ (طبری عربی جلد ۶ ص۲۵۹)

اسی کتاب میں ابن سعد کی اہل بیت سے خیر خواہی کا ایک واقعہ بھی موجود ہے کہ آخر ابن سعد آیا۔ فوج کو ہدایت کی اس نے کہا دیکھو عورتوں کے خیمہ میں ہرگز کوئی نہ جائے اور اس بیمار لڑکے سے کوئی تعرض نہ کرے اور جس نے ان کا سامان کچھ لوٹا ہو واپس کر دے۔ (طبری۔ اردو۔ ج ۴ ص۲۹۹) اس تعلق قریبی کی بناء پر یہ واقعات بالکل طبعی۔ فطری اور جبلی معلوم ہوتے ہیں جو حضرت عمرو بن سعد کو حضرت امام حسینؓ اور آپ کے خاندان سے تھا نہ کہ وہ واقعات جو ان سے پہلے مذکور ہوئے اور لطف یہ کہ مذکورۃ الصدر دونوں واقعات ایک ہی کتاب میں لکھے ہوئے ہیں جن میں زمین و آسمان کا فرق اور بُعد المشرقین ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جو شخص کسی کی موت پر رو رو کر بے حال اور ہلکان ہو رہا ہو وہ اس کی نعش کو گھوڑوں سے روندوا ڈالے یا ان کے

خیمے جلانے اور پانی بند کرنے کا حکم دے واقعات کا افسانوی انداز فقط زیب داستان کے لئے ہے۔

ع　　قیاس کن زگلستان من بہار مرا

مزے کی بات ہے یہی عمرو بن سعد محدثین کی نظر میں محدث ہے۔ ان کی روایت کردہ حدیثیں کتابوں میں موجود ہیں اور تمام محدثین کرام ان پر اعتماد کرتے ہیں اور تابعی ثقہ کہ یہ ثقہ تابعی تھے۔ کہتے ہیں۔

راس الحسینؓ اور روانگی کوفہ

شرپسندوں کے اچانک حملے سے اگرچہ ان کی خود اپنی بھی موت واقع ہوگئی مگر انہیں اس نقصان سے فائدہ کہیں زیادہ پہنچا کہ اس طرح وہ افتراق امت، انتشار ملت اور نفاق جمعیت اسلامیہ کا مستقل بیج بونے میں کامیاب ہوگئے جو ان کے خیال میں تخریب ملت اسلامیہ کے لئے اکسیر سے کم نہ تھا اور یہ بھی کوئی کم نقصان نہ تھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بمعہ اپنے اہل بیت اس فتنہ کی نذر ہو کر خاک دان ارضی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہوئے اس وجہ سے حضرت عمرو بن سعد رو رو کر بے حال ہوئے جاتے تھے مگر کیا کر سکتے تھے مجبوراً سب شہداء اور ہلاکت زدہ آدمیوں کی نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا۔ مگر یہ روایت قطعاً بے بنیاد ہے کہ مخالفین کے سر قلم کروا کر ساتھ لے گئے اور باقی جسموں کو بے گور و کفن چھوڑ دیا خصوصاً حضرت امام رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو جس طرح نشانۂ ظلم و ستم اور تختۂ مشق بے رحمی و شقاوت قلبی بنایا جاتا ہے محض خلاف عقل و بصیرت داستان سرائی سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا ـــــ حضرت امام رضی اللہ عنہ کے مبارک سر کی تدفین کی روایات کا اس قدر تناقض اور تضاد ہی ان کے سراپا جھوٹ و افترا ہونے کی ایک بیّن دلیل بھی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ: صرف اسی میں تدفین سر کی آٹھ روایات موجود ہیں۔

۱۔ کربلا۔ امام زین العابدین نے دفن کیا۔　۲۔ مدینہ منورہ حضرت فاطمہؓ کے پہلو میں۔

۳۔ دمشق۔ جہاں تین دن تک مصلوب رہ کر باب الفرادیس میں دفن کیا گیا۔

۴۔ عسقلان۔ دمشق کے راستے میں۔　۵۔ نجف۔ ایک غلام نے چرا کر دفن کر دیا۔

۶۔ تینتیسؔ سال یزید کے صندوق میں پھر سلیمان بن عبدالملک نے قبروں میں دفن کرا دیا۔

۷۔ بنو امیہ کے خزانے میں ۷۵ برس رہنے کے بعد عباسیوں نے مقبور کیا۔

۸ ۔ قاہرہ (مصر) جہاں اب مشہد حسینؓ کی عالی شان عمارت موجود ہے۔ (ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۳۵۰ ۔ ۷۷)

لیکن حافظ ابن کثیر نے بدایہ ونہایہ ج ۸ میں رقم کیا ہے کہ سر کو تن سے جدا کرنے کی روایت حد درجہ مختلف فیہ ہے۔ اکثر واقفان حال کہتے ہیں کہ سر کو جسم سے الگ کیا ہی نہیں گیا۔ حقیقت ہے کہ شعور وادراک اور وجدان کی آواز بھی بعینہٖ یہی ہے۔ باہمی رشتہ داریاں۔ علائق قلبی اور عہد خیر القرون بھی اسی کا تقاضا کرتے ہیں کہ عمرو بن سعد امام حسینؓ کے مبارک جسد کو بصد احترام ومحبت سے دفن کر دیں اور ایسے ہی کیا گیا بعد ازیں خواتین اور بچگان کو کو بحفاظت تمام، با پردہ اور مستور۔ اونٹوں کے ہودج میں سوار کرکے کوفہ لائے اور پھر مکمل حفاظت اور احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دمشق پہنچا دیا چنانچہ تاریخ میں ذکر ہے کہ امر عمرو بن سعد بحمل نساء الحسین واخوانه وجواريه وحشمه في المحامل المستورة على الابل. ترجمہ۔ عمرو بن سعدؓ نے حکم دیا کہ حضرت امام حسینؓ کی بیبیوں، بہنوں، کنیزوں اور خاندان کی دیگر خواتین کو پردہ دار محلوں میں اونٹوں پر سوار کرا کے لے جایا جائے۔ (اخبار الطوال ص ۲۶۷ سطر ۱۱)

نیز ان کے زیورات اور مال ومتاع کو بھی بحفاظت ان کے ساتھ کر دیا چنانچہ طبری اردو ج ۴ ص ۳۰۰ میں مذکور ہے کہ جب قافلہ اہل بیت مدینہ منورہ میں داخل ہوا چونکہ راستہ میں حفاظتی دستہ کی خدمات اور حسن سلوک سے بہت متاثر تھا۔ لہذا فاطمہ بنت علی نے اپنی بڑی بہن زینب سے کہا کہ ان کو کچھ انعام دینا چاہئیے تو زینب نے کہا تھا کہ ہمارے پاس جو ہمارے زیور ہیں وہ ان کو دے دیئے جائیں۔ چنانچہ کنگن اور بازو بند دے دیئے مگر انہوں نے نہ لیئے۔

ان افسانوں اور غم انگیز کہانیوں کی قطعاً کوئی اصلیت نہیں جو واعظوں اور قصہ گو قسم کے لوگوں اور افسانہ نویس قسم کے مؤرخوں نے بیان کی ہیں کہ قافلہ والوں کو لوٹنے کے بعد نہایت بے آبرو کیا۔ (نعوذ باللہ)

اہل بیت دمشق میں

سر مبارک چونکہ کاٹا ہی نہیں گیا تھا لہذا یزید کے روبرو پیش کرنے کا واقعہ فقط کذاب اور جھوٹے راویوں کی افترا ہے اور بس۔ البتہ قافلہ اہل بیت جب دمشق میں پہنچا تو وہاں ایک کہرام بپا ہو گیا۔ جسے دیکھو غم سے کلیجے ابلے پڑتے ہیں اور آنسو ہیں کہ تھمتے نہیں۔ فاطمہ بنت علیؓ خود فرماتی ہیں کہ ہمیں دیکھ کر یزید پر رقت طاری ہو گئی اور اس واقعے

پر افسوس کرتا رہا۔ اور اس کے گھر کی حالت تو یہ تھی بقول طبری کوئی عورت ایسی نہ تھی جو امام حسینؓ کے لئے روتی نہ ہو۔ غرض سب نے صف ماتم بچھائی۔ اور خود یزید نے فاطمہ بنت حسین کے سوال کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں اور لونڈیاں بنیں کے جواب میں کہا تھا۔ اے بھتیجی! آپ کے ساتھ جو ہوا میرے لئے بھی سوہانِ روح ہے۔ اور یہ کہ جو کچھ ضائع ہوا اس سے کئی گنا زیادہ دوں گا۔ چنانچہ سکینہ بنت حسینؓ کے الفاظ اب تک تاریخوں کی زینت ہیں کہ "میں نے کسی کو یزید سے بڑھ کر اچھا نہیں دیکھا" مگر کسی بدنیت نے "کافر" کے لفظ کا اضافہ کردیا (اس کچی نے کافر دیکھے ہی کب تھے) طبری ج ۴ صفحہ ۳۱۲ تا ۳۱۲۔

فضیلت اور وقار کا بین الاقوامی اور مسلمہ معیار۔ الفضل ما شہدت به الاعداء ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یزید اسی معیار پر بہترین طریقہ سے پورا اترتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں مقالہ نگار رقم طراز ہے کہ یزید حد درجہ متواضع و حلیم۔ سنجیدہ ومتین۔ خود بینی و تکبر سے مبرا۔ اپنی زیر دست رعایا کا محبوب۔ تزک و احتشام شاہی سے متنفر۔ معمولی شہریوں کی طرح سادہ زندگی بسر کرنے والا۔ اور مہذب تھا۔ صفحہ ۱۱۶۳۔ نیز انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، گیارھویں ایڈیشن میں ہے یزید پر شراب پینے کے الزامات غلط ہیں ہاں یہ بات صحیح ہے کہ وہ شکار کا شوقین تھا مگر وہ امن پسند و صلح جو اور فیاض و فراخ دل شہزادہ تھا۔ مزید لکھتے ہیں کہ یزید نہ تو غیر سنجیدہ اور بیہودہ شہزادہ تھا اور نہ ایسا لاابالی اور بے پروا حکمران۔ جیسا ان مورخوں نے بیان کیا ہے۔ جو یا تو شیعوں کے بغض و عناد سے متاثر ہیں یا عراق و شام کے سیاسی جھگڑوں کے حالات سے:۔

لمحۂ فکریہ

یزید کے متعلق ان چند تعریفی سطور سے ہمارا قطعی یہ مقصد نہیں کہ ہم یزید کو معصوم سمجھتے ہیں بلکہ اس زاویۂ نظر سے خامہ فرسائی کر رہا ہوں کہ اسے اپنے صحیح مقام سے بہت ہی نیچے گرا دیا گیا ہے۔ اور اس طرح امام حسینؓ کی طرح وہ بھی مظلوم ہے فرق صرف اندازِ ظلم اور مقدارِ ظلم میں ہے مگر لطف یہ ہے کہ آج اس کی ذات کے لئے کسی کے پاس ایک کلمۂ خیر بھی نہیں جس کے لئے امام زین العابدین۔ امام محمد بن حنفیہ اور سکینہ بنت الحسین رضی اللہ عنہم اجمعین اور تمام آلِ طالب سے کلمات تحسین منقول ہیں نیز ہزاروں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کے دست راست پر بیعت

کرتے ہیں اور تمام نرم و گرم حالات میں وفا کرتے ہیں۔ یہیں افسوس ہے کہ لوگ ناموس صحابہ اور فیض یافتگان نبوت کی عزت یزید کی آڑ میں حملے کرکے دشمنان صحابہ کے عزائم کو تقویت پہنچاتے رہے ہیں مقام غور ہے کیا ایسی ہی تصویر ہوگی اس یزید کی جس کے ہاتھ پر صحابہ بیعت خلافت کرتے ہیں جو یہ ہماری تاریخیں باور کراتی ہیں۔

اس سے قبل ایک مقام پر لکھا جا چکا ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ کی وجہ سے مدینہ منورہ میں جب تین سال بعد از شہادت امامؓ یزید کے خلاف بغاوت ہوئی تو تمام آل مطلب یعنی آل طالب و جعفر و عقیل و عباس نے اس بغاوت میں نہ صرف حصہ ہی نہیں لیا بلکہ یزید کی بیعت نہ توڑنے کی لوگوں کو نصیحت کرتے اور بنو امیہ کو اپنے گھروں میں امان و پناہ دیتے تھے حضرت زین العابدین علی بن حسینؓ نے تو بنو امیہ کے کتنے گھرانوں کو ساتھ لے جا کر اپنی زمینوں پر محفوظ کر لیا تھا اور بغاوت فرو ہونے پر پھر مدینہ منتقل ہو گئے تھے ادھر امیر یزید نے بھی حضرت علی بن حسینؓ کے متعلق لکھ بھیجا تھا کہ ان سے انتہائی حسن سلوک کا برتاؤ کرنا اور ان سے مشورے کرتے رہنا۔ اس کے علاوہ وہ رشتہ داریاں اور قرابتیں جو کہ قبل ازیں لکھی جا چکی ہیں یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہاں غلط فہمی تو ہو سکتی تھی مگر بغض و عناد اور دشمنی کا تو کبھی سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔ طبری ج ۴ ص ۲۳۳ میں جو کہ خود شیعہ تھا۔ لکھتا ہے کہ " امام زین العابدین اور مروان بن حکم میں قدیم سے محبت تھی۔

مقام شکر

ہم نے ان سطور میں پوری دیانت سے اس معیار کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہے جس کا خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم تقاضا کرتا ہے اور اس پمفلٹ کو مدلل اور باحوالہ لکھنے میں البتہ یہ کوشش کی گئی ہے کہ صرف انہی روایتوں کو اخذ کیا جائے جو دورِ صحابہ کی نزاکت کا اپنے دامن میں احساس رکھتی ہوں اور جن روایتوں اور راویوں نے اس امانت کو درخور اعتنا نہیں سمجھا ہے ہم نے ان روایتوں کو خلاف عقل و نقل سمجھتے ہوئے ترک کر دیا ہے کہ وہ فقط کذب افترا ہیں نیز یہ حوالہ جات انہیں کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں جو نہ صرف ہمارے ہاں متداول اور عام ہیں بلکہ عوام الناس بھی انہیں پر اعتقاد کرتے ہیں اور انہیں کتابوں سے جھوٹ کا دہ

طوفان کھڑا کیا جاتا ہے جو ہمارے ہاں عام سننے اور پڑھنے میں آتا ہے مگر الحمدللہ پھر بھی ورق گردانی ضائع نہیں ہوئی کہ جھوٹ کے انبار میں صداقت رات کی تاریکی میں روشنی اور طوفانِ افترا میں حقیقت کی اس قدر رمق باقی رہ گئی ہے کہ جو یائے حق اور متلاشیان صراط مستقیم کے لئے منارۂ نور ثابت ہوسکتی ہے نیز کوشش تھی جس میں الحمدللہ خاصی کامیابی بھی ہوئی ہے کہ واقعات کو مسلسل لکھا جائے اور کہیں جھول نہ پڑنے دیا جائے کہ طبیعی اور فطری واقعات کی کڑیاں ایک دوسرے سے باہم مربوط ہوتی چاہئیں۔ تاریخ کی عام کتابوں میں چونکہ واقعات کو توڑنے کی کوشش کی گئی ہے لہٰذا وہاں ایسے ایسے واقعاتی خندق بھی ہیں جہاں سے سلسلۂ واقعات کو راہ ہی نہیں ملتی خصوصاً مقتل الحسین ابی مخنف میں کہیں واقعات کا تسلسل قائم نہیں رکھا جاسکا مثلاً قادسیہ سے کربلا تک تاریخ کی ہر کتاب پریشان ہے اور یہی وہ موڑ ہے جس کو صحیح سمجھنے سے ہی واقعات اپنے حقیقی خدوخال میں نمایاں ہوسکتے ہیں ——— اور سب سے بڑھ کر میرے لئے شکر کا مقام یہ ہے کہ میں اب علی وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ میرے اسلاف کے دامن ان تمام آلودگیوں۔ گندگیوں۔ کھٹ بازیوں۔ دھوکہ و فریب کی وارداتوں۔ ستم رانیوں۔ بے رحمیوں شقاوتوں اور بغض و عناد کی کارروائیوں سے مطلقاً پاک و منزہ ہیں جو تاریخ مرتب کرنے والوں نے اس زمانہ سے کہیں زیادہ اپنے زمانہ کی عکاسی کرتے ہوئے بیان کردی ہیں۔ حق یہ ہے کہ اس واقعہ میں دونوں طرف حسد و بغض کو قطعاً کوئی دخل نہیں تھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کا دامن تفرقہ ملت سے اتنا ہی پاک ہے جتنا یزید کا دامن امام عالی مقام کی شہادت سے۔ ہمیں یہ کہنے میں کوئی جھجک ہے نہ باک کہ طبیعی اور فطری طور پر بحیثیت انسان وہ بھی غلط فہمیوں کا شکار ہوگئے ہیں لیکن اوقات الٰہی اسباب وعلل کے تحت آپس میں بڑی بڑی خونریز جنگیں بھی ہوئی ہیں مگر جب غلط فہمی دور ہوئی باہم شیر و شکر ہوگئے نہ بغض نہ حسد نہ دھوکہ نہ فریب۔ ع

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

جوار رحمت میں

شیخ عبداللہ بن حمید

۱۹ ذی قعدہ سنہ ۱۴۰۲ھ ، ۸ استمبر سنہ ۱۹۸۲ء یوم بدھ کو مکہ مکرمہ میں سعودی عرب کی عدلیہ کی مجلس اعلیٰ کے صدر شیخ عبداللہ بن محمد بن حمید بیرانہ سالی میں انتقال فرماگئے ۔ انا للہ ۔ موصوف سعودی عرب کے چوٹی کے عالم تھے جن کی نظیریں عالم اسلام میں خال خال ہی پائی جاتی ہیں ـــــ آپ ذی الحجہ سنہ ۱۳۲۹ھ میں سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض میں پیدا ہوئے ۔ کم عمری ہی میں قرآن مجید حفظ کرکے آگے کی تعلیم شروع کردی ۔ اور وقت کے بڑے بڑے علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ۔ جن میں شیخ محمد بن عبداللطیف اور سعودی عرب کے سابق مفتی اکبر شیخ محمد بن ابراہیم بن عبداللطیف خصوصیت سے قابل ذکر ہیں ۔ شیخ عبداللطیف ، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے پڑپوتے تھے ۔

شیخ ابن حمید اپنے علمی مرتبے کے سبب سعودی عرب کے بڑے بڑے مناصب پر فائز رہے ۔ محرم سنہ ۱۳۵۷ھ میں ملک عبدالعزیز نے انہیں ریاض کا قاضی مقرر کیا ـــــ سنہ ۱۳۶۰ھ میں اسی عہدہ پر کام کرتے کے لئے سدیر بھیجے گئے سنہ ۱۳۶۳ھ میں علاقہ قصیم کے قاضی بنائے گئے سنہ ۱۳۷۷ھ میں مکہ مکرمہ ، طائف ، جدہ اور مدینہ منورہ کی دینی عدالتوں کے نگراں بناکر حجاز بھیجے گئے سنہ ۱۳۸۴ھ میں شاہ سعود نے آپ کو حرم پاک کے دینی امور کی پاسبانی کی صدارت کے عہدے پر مامور کیا ۔ آپ نے نماز مغرب کے بعد حرم پاک میں درس کا سلسلہ بھی شروع کیا جس میں بڑا مجمع ہوا کرتا تھا ۔ سنہ ۱۳۹۵ھ میں مرحوم شاہ خالد نے آپ کو سعودی عرب کی عدلیہ کی مجلس اعلیٰ کا صدر بنادیا ۔ اور زندگی کے آخری لمحات تک آپ اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے ۔ آپ رابطہ عالم اسلامی کے رکن رکین ، رابطہ کی مجلس فقہی کے صدر ، مجلس کبار علماء کے ممتاز ممبر اور مساجد کی عالمی مجلس اعلیٰ کے رکن تھے ۔ آپ کئی اہم کتابوں کے مؤلف بھی ہیں ۔ آپ کی وفات پر سعودی کے تقریباً تمام حلقوں میں گہرا رنج والم محسوس کیا گیا جمعرات کو حرم پاک میں آپ کے جنازے کی نماز پڑھی گئی اور سہ پہر کے وقت مکہ کے قبرستان عدل میں سپرد خاک کیا گیا سعودی وزیر دفاع امیر سلطان بن عبدالعزیز اور مکہ کے گورنر امیر ماجد بن عبدالعزیز نے ایک جم غفیر میں آپ کے جنازے کی مشایعت کی ۔ تغمدہ اللہ ۔

مولانا محمد یعقوب صاحب جوناگڈھی

مکہ مکرمہ سے یہ غمناک اطلاع آئی ہے کہ موصوف وہیں مکہ مکرمہ ہی میں رحلت فرماگئے ۔ انا للہ الخ آپ حج کیلئے تشریف لے گئے تھے ۔ اور اس سعادت سے غالباً مشرف ہونے کے بعد بالکل پاک و صاف ہوکر رب کے حضور جا پہنچے ۔ اللہ ان کے حج اور تمام اعمال صالحہ کو قبول فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے آمین

موصوف نہایت نیک شریف بسادہ مزاج ، ایمان ویقین کی حرارت سے بھرپور اور کتاب وسنت کے زبردست شیدائی تھے آپ مرحوم خطیب الاسلام مولانا محمد صاحب جوناگڈھی کے صاحبزادے اور انکی دینی غیرت وحمیت کے امین تھے بھاری بھرکم جسم منور اور تابناک چہرے کیساتھ گرجدار آواز آپکی شخصیت کو وجیہ اور آپکی تقریر کو بڑی اثر انگیز بنادیتی تھی ۔ قرآن وحدیث کے نہایت بیباک ترجمان تھے اور جو کچھ کہتے تھے بے لاگ کہتے تھے ۔

مولانا محمد یعقوب صاحب کی وفات ۴ اکتوبر کو مکہ سے جدہ جاتے ہوئے کار کے ایک خونچکاں حادثہ میں ہوئی جس میں مزید دو آدمی بھی فوت ہوئے. (یہ اطلاع کسی قدر بعد میں ملی)

درخواست دعائے صحت

ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۱۹ ذو الحجه سنه ۱۴۰۲ ھ) میں یہ تشویشناک اطلاع شائع ہوئی ہے.

۱ - ستمبر کے تیسرے ہفتہ میں مولانا محمد عطاء اللہ حنیف حفظہ اللہ پر فالج کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے مولانا موصوف صاحب فراش ہیں، حملہ چونکہ شدید نہیں تھا، اس لئے بحمد اللہ رو بصحت ہیں تاہم ابھی زبان اور بائیں ہاتھ اور ٹانگ پر اس کے اثرات ہیں، احباب خصوصی طور پر دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالی حضرت مولانائے محترم کو جلد از جلد مکمل شفا عطا فرمائے. مولانا کے معالجین نے زیادہ ملاقات اور گفتگو سے منع کیا ہے. احباب اور متعلقین سے التماس ہے کہ حضرت موصوف کی صحت یابی کے لئے دعاء فرمائیں.

۲ - متکلم اسلام حضرت مولانا محمد حنیف ندوی صاحب بھی چند ہفتوں سے علیل ہیں، انہیں پتے کے درد کا عارضہ ہے احباب مولانا موصوف دام ظلہ کے لئے بھی صحت عاجلہ و شفائے کاملہ کی خصوصی دعاء فرمائیں. (الاعتصام)

۳ - مولانا عبد المبین صاحب منظر سکریٹری جمیعة اهلحدیث مشرقی یو. پی بمبئی میں ایک کار حادثہ میں شدید طور پر زخمی ہوکر زیر علاج ہیں.

ناظرین سے مریضوں کے لئے دعائے صحت اور مرحومین کیلئے دعائے مغفرت و نماز جنازہ غائبانہ ادا فرمانے کی درخواست ہے. (ادارہ)

NOV. **MOHADDIS** 1982

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE
AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

Published from Markazi Darul-Uloom
Printed by Abdul Waheed

مرکزی دارالعلوم بنارس کا دینی علمی اور ادبی ماہنامہ

★

ادارۃ البحوث الاسلامیۃ والدعوۃ والافتاء بالجامعۃ السلفیۃ

بنارس - الہند

★

برگ وبار

جامعہ سلفیہ کا علمی ادبی اور اصلاحی رسالہ

پتہ
خط و کتابت کے لیے :- ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب وارانسی
بدل اشتراک کے لیے :- مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب وارانسی
MAKTABA SALAFIA REORI TALAB VARANASI, 221010
ٹیلی گرام - دار العلوم، وارانسی • ٹیلی فون :- ۶۳۵۷۷

بدل اشتراک
• سالانہ ۲۵ روپے — ششماہی ۱۳ روپے
• فی پرچہ ۲/۵۰ روپے — بیرون ملک سے ۱۵ ڈالر

ناشر:- جامعہ سلفیہ بنارس	طابع :- عبد الوحید	مطبع :- سلفیہ پریس وارانسی

تزئین و کتابت :- انور جمال

قطعہ تاریخ وفات مولانا محمد اقبال رحمانی گونڈوی[1]

مولانا مشتاق احمد شوق
صدر شعبۂ فارسی جامعہ اثریہ، دار الحدیث ۔ مئو

مولوی اقبال احمد گونڈوی ۔۔۔ حیف از دنیائے لاحاصل گذشت
آنکہ بودہ رہنمائے دینِ حق ۔۔۔ آنکہ بودہ عالم و فاضل گذشت
سینۂ او مطلع انوار بود ۔۔۔ مرد حق آگاہ و روشن دل گذشت
روحِ پاکش بہر گلگشتِ جناں ۔۔۔ از جہانِ پُر ز آب و گِل گذشت
جذبۂ دل سوئے کعبہ بر کشید ۔۔۔ شادیٔ مرگش ببیں کہ در منزل گذشت
در فراقش دیدۂ من اشکبار ۔۔۔ آنچناں سیلِ غمم در دل گذشت
اے سراجِ علم اشک خوں بریز ۔۔۔ شمع گل شد رونق محفل گذشت
آں شہید راہِ الفت بالیقیں ۔۔۔ عاشقانِ پاک را شاملِ گذشت

فکر تاریخِ وفاتش بود شوق
گفت ہاتف عاشق کامل گذشت
۱۹۸۲ء

[1] مدرسہ سراج العلوم

نقشِ ۷ | ۸ بسم اللہ الرحمن الرحیم

کمی کیا ہے؟

امت مسلمہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ ہر طرح کے امکانیات اور صلاحیتوں سے بھرپور امت ہے۔ یہ امت روئے زمین کے نہایت وسیع و عریض خطے پر پھیلی ہوئی اور حکمراں ہے۔ اس کے زیر نگیں ممالک دنیا کے تمام براعظموں کی کنجی ہیں۔ اس کے ساحل دنیا کے تمام سمندروں سے لگے ہوئے ہیں۔ اس کی زمینیں معدنیات، اور قدرتی ثروتوں اور ذخائر سے مالا مال ہیں۔ اس کا زیر کاشت حصہ دنیا کا شاداب و زرخیز ترین حصہ ہے۔ اس کے بیشتر ممالک میں بدہضمی کی حد تک مال و دولت کی ریل پیل ہے۔ یعنی علامہ اقبال کو تو اپنے دور میں یہ شکوہ کرنا پڑا تھا کہ ؎

قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور اور بیچارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور

لیکن اگر وہ آج زندہ ہوتے تو شاید حور و قصور کی فراوانی اور اس کے اثرات و نتائج دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے اس کے واپس لے لیے جانے کی دعا کرتے کہ ع

رہا ہے نانِ شعیر ہی پہ مدار قوت حیدری

امت کی صلاحیتیں بھی ہمہ گیر ہیں، دینی اور دنیاوی علوم، تکنیکی اور فنی مہارت، انجینیری، طب، سائنس سیاست، نظم مملکت، صنعت و حرفت غرض ایک معاشرے کو ابھرنے اور عروج و ترقی کی منازل طے کرنے کے لیے مختلف شعبۂ حیات میں جس جس طرح کے ماہرین، کارندوں اور صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے، ان سے یہ امت پوری طرح مالا مال ہے کسی میدان میں خلا نہیں ہے۔

یہاں پہونچکر لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ خامی کیا ہے جس کی وجہ سے امت اپنے مطلوبہ مقام تک پہنچ نہیں رہی ہے۔ اس کا سادہ اور مختصر جواب یہ ہے کہ امت کی صلاحیتوں کا منظم اور صحیح استعمال نہیں کیا جا رہا ہے۔ اسی مختصر سی بات کو ہم تفصیل سے کہنا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ خامی یہ نہیں ہے کہ صلاحیت مفقود ہے، بلکہ خامی یہ ہے کہ قومی اور اجتماعی

مفادات کے لیے کام کرنے کا جذبہ سرد پڑ گیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے کاموں کو بھی اپنے ذاتی مفاد کے حصول کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے جو خالص قومی اور اجتماعی کام ہیں۔ ہم جب کسی کام کے لیے کارکنوں کا انتخاب کرنا چاہتے ہیں تو ان کی لیاقت اور جوہر دیکھنے کے بجائے سب سے پہلے ہماری نظر اس بات پر جاتی ہے کہ یہ شخص ہمارے رشتے، کنبے اور علاقے کا ہے یا نہیں۔ ورنہ کم از کم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ شخص ہمارے ذاتی مقاصد کے لیے کس حد تک مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ گھوڑوں سے بیل گاڑیاں کھنچوائی جاتی ہیں، اور بیلوں کو بگھی اور ٹم ٹم میں جوتا جاتا ہے۔

ہماری ذہانت کا بڑا حصہ کسی مثبت کام کے بجائے دوسروں کو اکھاڑنے پچھاڑنے، رسوا کرنے اور گرانے میں صرف ہوتا ہے۔ ہماری قانونی مہارت اپنے بھائیوں کے حقوق دلانے اور عزت و انصاف کی زندگی سے ہمکنار کرنے کے بجائے ان کے حقوق مارنے اور غصب کرنے میں استعمال ہوتی ہے۔ ہماری دولت ٹکنیکل اور سائنٹفک ترقی کے پلانوں میں استعمال کیے جانے کے بجائے ناچ گانے کے سامان، فلم، ٹیلیویژن سیٹ، کھیل کود کے آلات اور تفریح کے فاجرانہ سامانوں کی خریداری اور درآمد پر صرف ہوتی ہے۔ بجائے اس کے کہ اس دولت سے ہم دوسری قوموں کے ماہرین خرید سکیں خود ہمارے ماہرین اپنی ناقدری سے مایوس ہو کر دوسری قوموں کی خدمت میں لگ جاتے ہیں۔ غرض امت میں صلاحیتوں اور امکانیات کا فقدان نہیں ہے بلکہ ان کا استعمال بے محل اور بے ڈھنگے طور پر ہو رہا ہے، اور صلاحیتیں ادھر ادھر رائیگاں اور بیکار جا رہی ہیں۔ اور جب تک یہ صورت حال برقرار رہے گی تکلیف دہ نتائج سامنے آتے رہیں گے۔ فھل من مدکر۔

●●●

بقیہ صـ ۵ سے آگے :- کے نمونے بھی بہت خوب ہیں، بعض بعض اشعار اور مصرعے بہت ہی برمحل ہیں ؎

حاجتیں تنہا نہیں نادار اور مفلس کے پاس   وہ بھی حاجتمند ہے دولت بھری ہے جس کے پاس

سن امت مرحومہ گرفتار غم و ہم   ادبار ترا ہے تری تفریق میں مدغم

اکثریت عاملانِ دیں کی اب عامل نہیں   باہمی تفریق سے فرصت انھیں حاصل نہیں

مسدس تلک توڑ - نوجوانانِ سعادتمند وغیرہ کئی نظمیں بہت خوب ہیں۔ بعض چیزیں کھٹکی بھی ہیں۔

دربار خدا سے آیا ہوں جبریل نے مجھ کو لایا ہے   اسلام نے جن وانساں کو میرا پیغام سنایا ہے۔

پہلے مصرعے میں لفظ ہونے بے محل ہے، دوسرے مصرعے کا وزن زبردستی چاہتا ہے۔ ہر ملک ملک ماست، کہ ملک خدائے ماست، اس عنوان کا مقصد نظم کے مقصد سے مختلف ہے، اس طرح کی مزید ایک دو چیزوں کے باوجود یہ مجموعہ قابل قدر ہے۔

●●●

مشترکہ سِول کوڈ کا سوال

صوفی نذیر احمد کاشمیری

اخبارات سے پتہ چلتا ہے کہ تمام بھارت باسیوں کے لیے ایک ہی مشترکہ سول کوڈ بنانے کا سوال پھر در پیش ہے اور کوئی جماعت اس کے لیے کام کر رہی ہے۔ اس کا ایک افتتاحی اجلاس بھی نئی دہلی میں ہوا ہے اور جسٹس ہدایت اللہ صاحب نائب صدر حکومت ہند نے اس کا افتتاح کیا ہے۔ جسٹس موصوف نے اس جماعت کو قدم قدم پر احتیاط برتنے کا مشورہ دیا ہے۔ جو ایسے شخص کے لیے از حد موزوں ہے کہ جو نائب صدر حکومت ہند ہونے کے علاوہ ہندوستان کے سپریم کورٹ کا چیف جسٹس بھی رہ چکا ہو۔

ہندوستان کی اکثریت مطلقہ ہندو ہے اور وہ ذات پات کے ایک ایسے ناہموار نظام معاشرت میں ہزاروں برس سے گرفتار ہے کہ جو عالمگیر جمہوریت سے ہم آہنگ ہونے کے لیے انقلابی اقدامات کرنے کے لیے مجبور ہے مگر ان اقدامات کو اس طرح سامنے لانا کہ آج تک کے سارے صحتمندانہ کام پر پانی پھیر دیا جائے درست نہیں۔ اسی لیے ذیل کی سطور لکھی جا رہی ہیں۔

مسلم معاشرے سے پانچ مطالبے

جسٹس موصوف کے خطبۂ افتتاحیہ کے صدا بر ہی آئین ہند بنانے والوں کی یہ تمنا درج ہے کہ اس سارے ملک کے لیے ایک ہی سول کوڈ ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں راقم ذیل کی گزارش کرتا ہے۔

ہندو مسلم سماج کا موازنہ

ہندو اکثریت کے پاس کوئی معین آئیڈیالوجی نہیں ہے۔ وہ صرف خرافات (MYTH) کے دلدل پر ہزاروں برس سے دائیں بائیں اور آگے پیچھے چلتی رہتی ہے۔ اور وہ اسی حالت میں اس وقت تک رہے گی جب تک وہ کوئی معین آئیڈیالوجی قبول نہ کر لے

اس کے مقابل مسلم معاشرہ ایک ایسی معین آئیڈیالوجی رکھتا ہے جو اسے کسی بنیادی تبدیلی سے ہزاروں برس کے لیے بے نیاز کیے ہوئے ہے۔ جیسا کہ ان شاء اللہ ابھی عرض کیا جائے گا۔ لہٰذا ہندو مسلم دونوں معاشروں کے لیے ایک مشترکہ سول کوڈ بنانا محض ایک دل خوش کن تمنا ہے۔ ایک سماج تو دلدل پہ ڈرفت DRIFT کرتا رہتا ہے اور ایک ہزاروں برس کے لیے محض اصولوں اور آئیڈیالوجی کا پابند ہے اور ان دونوں کے لیے ہنگامی حالات کے دباؤ کے تحت ایک مشترکہ سول کوڈ بنانا ایک بے معنی بات ہے۔

یہ ہے مشترکہ سول کوڈ کی تمنا کی حقیقت

خطبے کے آخری صفحہ پر جسٹس موصوف نے مسلم معاشرے کو تین سوالوں پر متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

متبنّیٰ کا سوال یہ سوال حضرت رسالتمآب ﷺ کے زمانے میں پیش آیا اور اس کا جو حل تجویز ہوا، یہ دونوں باتیں قرآن مجید میں درج ہیں۔ اس حل کے بعد اس سوال کے اٹھنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ متبنّیٰ کا سوال صاحب جائداد لوگوں سے مخصوص ہے تاکہ یہ جائداد ی ورثے محفوظ رہ سکیں۔ حالانکہ انسانی معیشت میں اس سے ایک بیماری پھیلتی ہے اور وہ یہ ہے کہ دولت کا عام دوران معاشرے میں رک جاتا ہے اور اکتناز زر شروع ہو جاتا ہے، جو عام سرمایہ دارانہ نظام کی خرابی ہے، لہٰذا اصولی حیثیت سے متبنّیٰ کا سوال ایک حد تک انٹی سوشل ہے نہ کہ معیشت کی بنیادی ضرورت۔

نکاح کا سوال یہ بات پہلے ہی عرض کر دی جائے کہ اسلام سے پہلے عرب میں تعدد ازدواج پر کوئی پابندی نہ تھی اسلام آیا تو اس نے چار عورتوں سے بیک وقت زیادہ عورتیں رکھنے پر پابندی عاید کر دی اور چار کی اجازت بھی اسی شرط پر دی کہ چاروں کے درمیان عدل و انصاف قائم رکھا جائے۔ یہ ممکن نہ ہو تو پھر ایک عورت پر اکتفا کرنا ضروری ہے۔

غرضِ نکاح اصل سوال یہ ہے کہ نکاح کی قدرتی غرض کیا ہے۔ اگر اس کی غرض بقائے نسل ہے تو پھر چار عورتوں کے بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں ہونے پر کوئی اعتراض نہیں آسکتا۔ اور اگر نکاح کی غرض صرف لطف زندگی ہے تو پھر خود رسم نکاح ایک نمائشی جھنجھٹ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں ایک بڑا اباحتی گروہ ایسا رہا ہے جو مرد و عورت کے ازدواجی تعلق کو صرف سامانِ لطف اندوزی کی حیثیت سے دیکھتا چلا آیا ہے۔ اردو میں اسے اباحتی، ہندی میں چارواکی اور انگریزی میں HEDONISTS کہا جاتا ہے

تعدد ازدواج اور تاریخ حیات قدرت نے نر و مادہ میں جو جذب باہم کی کیفیت پیدا کی ہے اس کی صاف غرض بقائے نسل ہے۔ اور اسی غرض کے لیے سو بھینسوں کے لیے ایک بھینسا، سو گایوں کے لیے ایک بجار، سو بکریوں کے لیے چند تنومند بکرے اور سو بھیڑوں کے لیے چند مینڈھے کفایت کرتے ہیں۔ اس پر بھی انسانوں پر ان کے مذہب نے جو پابندیاں لگائی ہیں وہ صرف اس لیے کہ انسانی جامے میں آنے کے بعد زندگی کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔ بچے جننا اور بچے جنانا ہی مقصد نہیں رہا، بلکہ ان کی انسانی واخلاقی و جسمانی تربیت ایک خاص عمر تک ضروری ہے۔ اس لیے پابندیاں لگائی گئی ہیں۔

طلاق اس سلسلے میں اللہ نے یہ قانون رائج کیا ہے کہ اگر میاں بیوی میں نباہ مشکل معلوم ہو تو ایک منصف کو لڑکی والوں کی طرف سے اور ایک منصف کو لڑکے والوں کی طرف سے معین کر کے میاں بیوی کی مصالحت و مفارقت کے معاملے کو ان کے سپرد کر دیا جائے اور وہ تین ماہ تک ایک حکیمانہ تدبیر کے ماتحت مصالحت کی کوشش کو جاری رکھیں اور اگر مصالحت ممکن نہ ہو تو پھر مفارقت کو اس عنوان سے جائز رکھا گیا ہے کہ یہ شریعت اسلامی میں مکروہ ترین جواز ہے۔

جسٹس موصوف نے خطبے کے آخر میں انھیں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا تھا، جس کا جواب عرض کر دیا گیا۔

اصل سوال یہ ہے کہ معاشرے کو اخلاقی طور پر اتنا بیدار کیا جائے کہ وہ معیاری قانون کو برضا و رغبت قبول کرے یہ بات از حد لغو ہے کہ معاشرہ تو اخلاقاً گرتا چلا جائے اور مقننین اصحاب دن بدن کی قانونی ترمیمات کے پلندے تھامے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے ہولیں۔

والسلام

نعیم نذیر احمد

جمعیتی سرگرمی الحمد للہ کہ جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی تقریر و تحریر دونوں محاذ پر سرگرم عمل ہے، مولوی عبدالودود صاحب (فاضل جامعہ سلفیہ) ۲۷ اگست ۱۹۸۲ء سے مبلغ مقرر کیے گئے ہیں اور ۷ نومبر ۱۹۸۲ء تک انھوں نے اضلاع اعظم گڑھ، فیض آباد، جونپور، الہ آباد اور پرتاب گڑھ میں ۳۷ مقامات کے دورے کیے۔

اعلان موجودہ شمارے پر محدث کی پہلی جلد ختم کر دی گئی ہے۔ جنوری ۱۹۸۳ء کا شمارہ دوسری جلد کا پہلا شمارہ ہوگا۔ لیکن اس کا اثر مدت خریداری پر نہیں پڑے گا۔ اگر کسی خریدار کو کوئی شمارہ نہ ملا ہو تو ایک کارڈ لکھ کر دوبارہ طلب کر لیں۔

(منیجر محدث)

خارق عادت واقعات

اس طرح کے واقعات بہتوں کی گمراہی کا سبب بن گئے ہیں

از افادات امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ :۔ نور عظیم ندوی حفظہ اللہ

یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ نصاری اور ان جیسے غلو اور تقدیس میں افراط کے شکار دوسرے فرقوں مثلاً شیعہ اور خوش عقیدہ مسلمانوں کی گمراہی کے تین اہم اسباب ہیں ۔

۱ ــ انبیائے کرام علیہم السلام سے منقول مبہم اور متشابہہ الفاظ جن کا مطلب ومفہوم واضح نہ ہو یہ لوگ صریح واضح اور محکم الفاظ سے صرف نظر کرتے ہیں ۔ اور مبہم اور متشابہہ الفاظ کو حرز جاں بنا لیتے ہیں یہ لوگ جہاں بھی کوئی ایسا لفظ سنتے ہیں جس کے معنی میں اشتباہ ہو اسی کو پکڑ لیتے ہیں اور اپنے مذہب کے مطابق اس کو معنی پہنا دیتے ہیں خواہ اس لفظ سے ان کے خیالات کی تائید نہ بھی نکلتی ہو ۔ اس کے برخلاف صحیح اور واضح الفاظ پر یا تو کان نہیں دھرتے یا اہل ضلال کی طرح اس کی تاویلیں کر لیتے ہیں ۔ اسی طرح مشکوک ومبہم عقلی و سماعی دلیلوں کو تسلیم کرتے ہیں لیکن واضح اور محکم دلیلوں سے اعراض کرتے ہیں ۔

۲ ــ خارق عادت امور ۔ ان خارق عادت امور کو یہ لوگ حق کی دلیل سمجھتے ہیں ۔ حالانکہ یہ امور شیطانی حرکتیں بھی ہو سکتی ہیں اور ان کی وجہ سے مشرکین اور ان جیسے کمزور عقیدہ کے بہت سے لوگ گمراہ ہوئے ہیں ۔ مثلاً شیطان کا بتوں میں داخل ہونا اور بعض لوگوں سے گفتگو کرنا ۔ یا شیطانوں کا کاہنوں

یب کی باتیں بتلانا۔ جن میں جھوٹی خبریں بھی ہوتی ہیں۔ اسی طرح شیطانوں کی جانب سے ہوتے والے
ن اور تصرفات۔

۳ — بعض روایتیں جو عرصہ سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں اور ان کو ان لوگوں نے سچ سمجھ رکھا ہے
نکہ سچائی سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

ان کے علاوہ نصاری یا ان جیسے دوسرے گمراہ فرقوں کے پاس ان کے باطل عقائد کی نہ کوئی صریح عقلی
ہے نہ صحیح نقلی دلیل، نہ انبیائے کرام کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی۔ یہ لوگ جب عقل کی بات کرتے ہیں
ہم، گنجلک اور متشابہ الفاظ کا سہارا لیتے ہیں۔ اور جب ان الفاظ کے معانی و مفاہیم دریافت کئے جاتے
اور حق و باطل کا فرق تلاش کیا جاتا ہے تو ان کے پس پردہ تلبیس اور شکوک و شبہات کھل کر سامنے
تے ہیں۔ اسی طرح جب یہ فرقے نقلی دلیلیں پیش کرتے ہیں تو — یا تو بات صحیح ہوتی ہے لیکن اس سے ان
باطل عقائد کی تائید نہیں نکلتی، یا بات کی صحت ہی ثابت نہیں ہوتی بلکہ وہ صراحۃً جھوٹ ہوتی ہے۔

زات وکرامات

اسی طرح یہ لوگ خارق عادت واقعات بھی بہت بیان کرتے ہیں۔ یہ واقعات
کچھ تو صحیح ہوتے ہیں اور انبیائے کرام کے ہاتھوں پر ان کا ظہور ہوا ہے۔ جیسے
ت مسیح علیہ السلام کے معجزات یا ان سے قبل الیاس اور یوشع وغیرہ انبیاء کے معجزات یا موسی علیہ
لام کے معجزات۔ یہ معجزات حق و صحیح ہیں ان میں کوئی شبہ نہیں، یا وہ خارق عادت واقعات جو بعض
ین کے ذریعہ ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کے ہاتھوں۔ تو ان خارق عادت
سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ بھی انبیاء کی طرح معصوم تھے۔ انبیاء اپنے پیغامات کی تبلیغ میں معصوم تھے
یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے اللہ کی طرف غلط باتیں منسوب کی ہوں۔ ان کے کلام میں باطل
مل ہی نہیں ہو سکتا، نہ عمدًا نہ سہوًا — رہے صالحین اور بزرگان دین۔ تو ان کے ہاتھوں کرامات
خارق عادت واقعات کے ظہور کے باوجود ان سے خطاء کا بھی امکان ہے۔ ان سے غلطی سرزد
سکتی ہے۔ اور اس امکان کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صالحین کی فہرست سے نکل گئے اور ان سے خارق
ت واقعات کے صدور کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ معصوم ہیں اور ان سے خطا یا گناہ کا امکان ہی نہیں

پھر ان صالحین نے عصمت کا نہ دعوی کیا ہے اور نہ اس کی کوئی دلیل پیش کی ہے۔ اور اگر کوئی غیر نبی عصمت کا دعوی کرے بھی تو جھوٹ ہوگا۔ اس کی حقیقت جلدی ظاہر ہو جائے گی شیاطین اس کے پیچھے لگ جائیں گے۔ اسے گمراہ کرکے چھوڑیں گے اور اس پر اللہ کا یہ قول صادق آئے گا۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ، تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ۔ (الشعراء ۲۲۱، ۲۲۲)

اچھا تو میں بتلاؤں کہ شیطان کس پر اترا کرتے ہیں؟ ایسوں پر اترا کرتے ہیں جو جھوٹے لپاٹیے ہوں بدکردار ہوں۔

شیطانی تصرفات

نصاریٰ کے نزدیک ان کی انجیلوں میں منقول ہے کہ جس کو سولی دی گئی[۱] اور قبر میں دفن کردیا گیا ان کو حواریوں نے اور دوسرے لوگوں نے دیکھا کہ وہ دو یا تین بار اپنی قبر سے اٹھے اور اپنے جسم پر وہ جگہیں دکھلائیں جہاں کیلیں ٹھونکی گئی تھیں اور یہ بھی کہا کہ یہ نہ سمجھو کہ میں شیطان ہوں۔

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو یقیناً وہ شیطان تھا اور دیکھنے والوں کو دھوکا ہوا۔ ایسا ہمارے زمانہ میں بھی اور اس سے قبل بھی بہت لوگوں کے ساتھ پیش آچکا ہے۔ مثلاً بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے "تدمر" میں ایک بھاری بھرکم شخص کو ہوا میں اڑتے دیکھا۔ وہ بار بار مختلف لباسوں میں لوگوں کے سامنے آیا اور دعوی کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں اور چند ایسی غلط باتوں کا حکم دیا جن کا صدور حضرت مسیح سے ناممکن تھا! دیکھنے والے دوسروں کے پاس آئے اور معاملہ کی تحقیق ہوئی تو واضح ہوا کہ وہ شیطان تھا اور لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتا تھا۔

---

۱ نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی دی گئی اور قرآن میں ہے کہ سولی دینے والوں کو دھوکا ہوا۔ اور مسیح علیہ السلام آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ (وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا، بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ) سورۃ النساء ۔ ۱۵۷ ۔ ۱۵۸ ۔

اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں مثلاً کوئی شخص کسی ایسے بزرگ اور صالح آدمی کی قبر پہ جاتا ہے جس کی اس کے دل میں بڑی عزت وعقیدت ہے تو کبھی دیکھتا ہے کہ قبر کھل گئی ہے اس میں سے انہیں بزرگ کی شکل وصورت کا کوئی انسان نکل رہا ہے یا قبر میں داخل ہو رہا ہے۔ کبھی دیکھتا ہے کہ قبر پہ بنے ہوئے مزار میں وہی بزرگ سوار یا پیدل داخل ہو رہے ہیں یا نکل رہے ہیں۔ دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ ان سے کچھ لوگوں نے مدد طلب کی تھی اور یہ بزرگ انہیں کی مدد کو گئے تھے۔ حالانکہ فی الحقیقت وہ شیطان ہوتا ہے جس نے ان بزرگ کی صورت اختیار کر لی ہوتی ہے۔ اس طرح کے واقعات ہمارے جاننے والوں میں کئی ایک کے ساتھ پیش آچکے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی مردہ یا غائب شخص کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں اور اس سے مدد طلب کرتے ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ وہ شخص آتا ہے کبھی ان سے باتیں بھی کرتا ہے اور ان کی بعض ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ اور دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس کو مدد کے لئے پکارا تھا۔ حالانکہ وہ نہیں ہوتا ہے بلکہ شیطان ہوتا ہے کبھی مرنے کے بعد مردہ ہی کی شکل وصورت کا کوئی شخص آتا ہے لوگوں سے باتیں کرتا ہے۔ قرض چکاتا ہے امانتیں لوٹاتا ہے اور مردوں کی باتیں بتلاتا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ مردہ انسان خود اٹھ کر آگیا ہے حالانکہ وہ شیطان ہوتا ہے جس نے اس انسان کی صورت دھار لی ہوتی ہے۔

اس طرح کے واقعات بہت ہوتے ہیں خاص طور سے ان ممالک میں جہاں شرک زیادہ پایا جاتا ہے جیسے ہندوستان وغیرہ کبھی تم دیکھو گے کہ جنازہ چارپائی پہ رکھا ہے، اور مردہ چارپائی کے نیچے اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑے بیٹھا ہے۔ بعض لوگ خود کہہ جاتے ہیں کہ میں مر جاؤں تو مجھے غسل دلانے کے لئے کسی کو نہ بلانا میں خود فلاں طرف سے آؤں گا اور اپنے آپ کو غسل دوں گا۔ پھر اس کے مرنے کے بعد اسی شکل کا ایک شخص ہوا میں اڑتا ہوا آتا ہے اور جنازہ کو غسل دیتا ہے۔ دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ وہ خود آیا ہے حالانکہ یہ اس کی شکل وصورت میں شیطان ہوتا ہے۔ کبھی کوئی شخص ہوا میں اڑتا ہوا نظر آتا ہے۔ یا غیر معمولی بھاری بھرکم نظر آتا ہے یا غیب کی خبریں دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں خضر ہوں۔ یہ شیطان ہوتا ہے اور دیکھنے والے سے جھوٹ کہتا ہے۔ یہ دیکھنے والا کبھی دیندار اور زاہد وعابد بھی ہوتا ہے۔ ایسا بہت سے

سے لوگوں کے ساتھ پیش آچکا ہے۔

کبھی انسان کسی نبی یا غیر نبی کی قبر کے پاس دیکھتا ہے کہ میت اپنے کمرہ سے یا قبر سے نکلتا ہے۔ زیارت کرنے والے کو سلام کرتا ہے اور اس سے معانقہ کرتا ہے، یہ بھی شیطان ہوتا ہے جس نے میت کی شکل اختیار کر رکھی ہوتی ہے۔ کبھی زیارت کرنے والا قبر کے پاس آتا ہے اور صاحب قبر سے کچھ سوالات کرتا۔ یا کچھ کاموں کی اجازت طلب کرتا ہے اور صاحب قبر اس سے گفتگو کرتا ہے اور زائر صاحب قبر کو دیکھتا ہے یا اس کی آواز سنتا ہے۔ یہ بھی شیطان کی حرکت ہوتی ہے۔

اس طرح کے واقعات مشرکین اور نصاریٰ کے ساتھ اکثر و بیشتر پیش آتے رہتے ہیں۔ بہت سے مسلمانو کے ساتھ بھی پیش آتے ہیں مثلاً ایک شخص دیکھتا ہے کہ ایک بزرگ اور محترم شیخ کی شکل میں جس سے وہ بڑی عقیدت رکھتا ہے، کوئی سامنے آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں فلاں شیخ ہوں۔ حالانکہ وہ شیطان ہوتا ہے اس طرح کے بیشمار واقعات میرے علم میں ہیں۔ میں ایسے بھی متعدد لوگوں کو جانتا ہوں جو غائب یا مرحوم بزرگو سے استعانت طلب کرتے ہیں اور عالم بیداری میں دیکھتے ہیں کہ وہ بزرگ آتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اس طرح کے واقعات خود میرے ساتھ اور میرے جاننے والوں کے ساتھ پیش آچکے ہیں۔ متعدد لوگوں نے بیان کیا کہ انہوں نے دور دراز علاقوں میں خود مجھ سے مدد طلب کی اور انہوں نے دیکھا کہ میں ان کے پاس گیا بھی۔ بعض نے کہا کہ ہم نے تم کو اسی شکل وصورت اور انہیں کپڑوں میں سوار دیکھا ہے۔ بعض نے کہا کہ میں نے تم کو پہاڑ کی چوٹی پر دیکھا ہے۔

اور اس طرح کی بیشمار باتیں۔ میں نے ان کو بتلایا کہ نہ تو میں تمہارے پاس گیا ہوں نہ تمہاری مدد کی ہے وہ شیطان رہا ہوگا جس نے میری صورت اختیار کرلی ہوگی۔ اور اس طرح تم کو گمراہ کیا ہوگا کیونکہ تم شرک کے مرتکب ہوئے اور غیراللہ سے دعا کی تھی۔ اسی طرح میں اپنے بعض ساتھیوں کے بارہ میں بھی جانتا ہوں کہ ان سے حسن عقیدت رکھنے والوں نے ان سے استعانت چاہی تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ گیا اور عقیدت مندوں کی حاجت پوری کی۔ لیکن ہمارے ساتھی نے کہا کہ ہم کو اس کی کوئی خبر نہیں۔

اسی طرح کی بات وہ بھی ہے جس کا دعویٰ بعض مشائخ کرتے ہیں کہ وہ استعانت چاہنے والے کی آوا

سنتے ہیں اور ان کو جواب بھی دیتے ہیں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ شیاطین استعانت چاہنے والوں جیسی آواز شیخ تک پہنچاتے ہیں اور وہ جواب دیتے ہیں تو انہی سے ملتی جلتی آواز میں وہی شیاطین مرید تک پہنچا دیتے ہیں اور مرید سمجھتا ہے کہ یہ شیخ کی آواز ہے۔ اس طرح کا واقعہ میرے بعض جاننے والوں کے ساتھ پیش آیا اور انہوں نے خود اس کی تفصیل بتلائی کہ جن جو مجھ سے بات کر رہا تھا وہ مجھ تک مجھ سے اعانت طلب کرنے والوں کی آواز جیسی آواز پہنچاتا رہا اور میری آواز جیسی آواز ان تک پہنچاتا رہا اور جن چیزوں کے بارہ میں مجھ سے سوالات کئے جا رہے تھے جن ہی وہ سب مجھ کو دکھلاتا رہا اور میں لوگوں سے کہتا رہا کہ ہاں میں نے یہ چیزیں دیکھی ہیں۔ حالانکہ میں نے ان سے مشابہ چیز دیکھی تھی۔ جنات اپنے عاملین کے ساتھ اسی طرح کی حرکتیں کرتے ہیں۔

صلیب یا حضرت مسیحؑ کی رویت

عیسائی بادشاہ قسطنطین نے دن میں ستاروں کی صلیب دیکھی، پھر ایک بار اور اس کو صلیب کی زیارت ہوئی اس کی بھی حقیقت یہی ہے کہ شیاطین نے صلیب جیسی چیز اس کے سامنے پیش کی اور اسے دکھلایا تاکہ اس کو اور اس کی قوم کو گمراہ کر سکیں[1]

یہ شیاطین اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز کام بت پرستوں کے لئے کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ عالم بیداری میں حضرت مسیح ان کے پاس آئے اور کہا کہ "میں مسیح ہوں" یہ بھی شیطانی حرکت ہے۔

شیطان ایسے راستوں سے انسانوں کو گمراہ کرتا ہے جن سے ان کی گمراہی کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں چنانچہ نصاری کے سامنے ایسے انداز میں آتا ہے اور ایسی باتیں کرتا ہے جو ان کے اعتقادات

---

[1] عیسائی روایتوں میں آتا ہے۔ بادشاہ قسطنطین نے دن دوپہر میں آسمان پر ستاروں کی صلیب دیکھی اور آواز آئی کہ یہ صلیب دشمنوں کے خلاف تمہاری مدد کرے گی جس پر وہ عیسائی ہو گیا۔

کے مطابق ہوں۔ اور جن گمراہ مسلمانوں کے سامنے آتا ہے ان سے ان کے اعتقادات وخیالات کے مطابق باتیں کرتا ہے۔ نصاری میں جو لوگ "جرجس" سے استعانت چاہتے ہیں ان کے سامنے "جرجس" کی شکل میں آتا ہے۔ اور جو لوگ دوسرے پادریوں یا راہبوں کو پکارتے ہیں ان کے سامنے ان کی شکل میں آتا ہے اسی طرح گمراہ مسلمانوں میں جو لوگ جس شیخ کے معتقد ہوتے ہیں اور استعانت طلب کرتے ہیں ان کے سامنے اسی شیخ کی شکل میں آتا ہے یہانتک کہ کچھ لوگوں کے سامنے۔ جن کو میں جانتا ہوں۔ خود میری شکل میں آیا ہے اور بعض دوسرے مشائخ کی شکل میں بھی کبھی شیطان مردہ بزرگوں کی شکل میں بھی آتا ہے اور کہتا ہے۔ میں شیخ عبدالقادر ہوں۔ یا شیخ ابوالحجاج۔ یا شیخ عدوی۔ یا شیخ احمد رفاعی۔ یا شیخ ابومدین مغربی ہوں، اور جب یہ شیطان۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں مسیح ہوں۔ یا ابراہیمؑ ہوں، یا محمدؐ ہوں۔ تو دوسروں کا نام لینا اس کے لئے کیا مشکل ہے۔

خواب میں انبیاء کی رویت

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔
من رانی فی المنام فقد رانی حقا۔ فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی۔ "یعنی جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے سچ مچ مجھی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت نہیں اختیار کر سکتا" اور ایک روایت میں ہے کہ "انبیاء کی صورتیں نہیں اختیار کر سکتا"۔ انبیاء علیہم السلام کو خواب میں دیکھنا تو صحیح ہے۔ رہا مردہ انسان کو عالم بیداری میں دیکھنا۔ تو یہ شیطان ہوتا ہے جو مردہ کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

کیا یہ روحانیت ہے؟

بعض لوگ اسے شیخ کی روحانیت قرار دیتے ہیں۔ اور بعض کہتے یہ شیخ کا رفیق ہے۔ اس طرح کے مشائخ میں سے بعض لوگ ہیں کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ جاتے ہیں لیکن ان کی صورت وہاں باقی رہ جاتی ہے بعض لوگ ایک ہی وقت میں دو جگہ دیکھے جاتے ہیں مثلاً عرفات میں کھڑے دیکھے جاتے ہیں اور وہ اپنے شہر میں بھی ہیں۔ وہاں سے کہیں گئے ہی نہیں اور جو لوگ حقیقت سے واقف نہیں ہیں حیران رہتے ہیں

عقلی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ ایک جسم ایک ہی وقت میں دو جگہ نہیں رہ سکتا اور سچ اور قابل اعتماد لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ شیخ دو جگہ دیکھے گئے۔ اور اس کی وجہ سے اکثر جھگڑے اور مسائل بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک شخص جس نے خود دیکھا اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے وہ اپنے بیان میں سچا ہے دوسرا اسے صریح عقل کے خلاف سمجھتا ہے اور وہ بھی اپنے خیال میں سچا ہے۔ لیکن جو بیک وقت دو جگہ دیکھا گیا ہے اس میں ایک شیطان ہے جس نے انسان کی صورت اختیار کر لی ہے۔

محسوسات ومشاہدات کے ساتھ اگر عقلی دلائل نہ ہوں جن سے حقیقت آشکارا ہو جائے تو غلطیوں کے امکانات بہت ہوتے ہیں۔

فلاسفہ کی غلطی واضح رہے کہ خارجی رویت انسان کے تخیلات سے مختلف چیز ہے۔ تخیلات کو سب لوگ جانتے ہیں اور اہل عقل ان کا اعتراف کرتے ہیں، بیشمار چیزوں اور لوگوں کے خیالات انسان کے ذہن میں آتے رہتے ہیں جیسے کہ سونے والے کے خواب میں آتے ہیں ایسی صورت میں تصویر خیالی ہوتی ہے خارجی نہیں۔ اور فلاسفہ اور اہل عقل اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ لیکن بہت سے فلاسفہ کا خیال ہے کہ انبیاء نے ملائکہ کو دیکھا یا ان کی باتیں سنیں وہ بھی اسی قبیل کی تھیں اور جن جو کبھی کبھی دیکھے جاتے ہیں ان کی رویت بھی خیالی ہی ہوتی ہے۔ ان فلاسفہ کا یہ خیال غلط ہے اور جہالت پر مبنی ہے۔ اسی طرح یہ اہل عقل اپنے اس خیال میں بھی غلطی اور جہالت کا شکار ہوتے ہیں کہ خارق عادت واقعات کا سبب شخصی یا طبعی یا فلکی طاقتیں ہوا کرتی ہیں اور (ان کے باطل خیال میں) ایک نبی اور ایک جادوگر میں صرف یہی فرق ہے کہ ایک کی غرض اچھی اور مقصد نیک ہوتا ہے اور دوسرے کا مقصد غلط اور نیت فاسد ہوتی ہے ورنہ دونوں ہی خارق عادت واقعات پیش کرتے ہیں جن کا سبب شخصی یا فلکی طاقت ہے فلاسفہ کا یہ انکار باطل ہے اور دوسرے مقامات پر ہم اس پر تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں اور ان کی غلطی اور گمراہی واضح کر چکے ہیں۔

جو لوگ (ملائکہ وغیرہ کا) مشاہدہ خارج میں کر چکے ہیں اور جن کے نزدیک تواتر کے ساتھ یہ واقعات ثابت ہیں وہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس کا انکار کرنے والے جاہل اور گمراہ ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ

ملائکہ انسانی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں جیسے کہ ابراہیمؑ، لوطؑ، اور مریمؑ کے سامنے ظاہر ہوئے۔ جبرئیلؑ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کبھی دحیہ کلبی کی شکل میں آئے کبھی ایک اعرابی کی صورت میں اور بہت سے لوگوں نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور انسان کی خیالی تصویروں کو دوسرا انسان نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح شیطان مشرکین مکہ کے سامنے نجدی شیخ کی شکل میں آیا۔ اور بدر کے موقعہ پر سراقہ بن مالک کی صورت میں مشرکین کے سامنے آیا اور فرشتوں کو دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ وَ اللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

(انفال: ۴۸)

اور جب شیطان نے انہیں (مشرکین مکہ کو) ان کے اعمال خوشنما کرکے دکھلائے اور کہا کہ لوگوں میں سے کوئی آج تم پر غالب آنے والا نہیں اور میں تمہارا حامی ہوں۔ پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو الٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا میں تم سے بری الذمہ ہوں میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ میں خدا سے ڈرتا ہوں اور اللہ شدید سزا دیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس اور دوسروں سے روایت ہے کہ ابلیس شیطانوں کی ایک فوج اور جھنڈے کے ساتھ ظاہر ہوا، اس کی فوج بنو مدلج کے لوگوں کی شکل کی تھی اور وہ خود سراقہ بن مالک کی شکل میں، اور کہا کہ آج تم لوگوں پر کوئی بھی غالب نہیں آسکتا اور میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پھر جبرئیل علیہ السلام سامنے آئے اور ان پر ابلیس کی نگاہ پڑی وہ مشرکین میں ایک شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے کھڑا تھا۔ جبرئیلؑ کو دیکھتے ہی اس نے ہاتھ جھٹکا اور وہ اور اس کی پوری قوم بھاگ کھڑی ہوئی اس مشرک نے کہا تم تو ہماری مدد کا دعوی کر رہے تھے؟ اس نے کہا میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں تم نہیں دیکھ سکتے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اللہ بڑا سخت عذاب والا ہے۔

اسی طرح بعض انسانوں کو جن ایک جگہ سے دوسری جگہ اٹھائے جاتے ہیں کبھی عرفات اور

کبھی دوسری جگہ پہنچا دیتے ہیں اور کوئی انسان اگر اپنے شہر کے علاوہ دوسری جگہ بھی دیکھا جائے تو یا تو اس کو جن اٹھانے گئے ہیں یا اس کی صورت اختیار کرلی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ یہ شخص بزرگوں اور صاحب کرامت اولیا میں سے ہو بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کفار وفاسقین میں سے ہو۔

اولیاء الرحمن اور اولیاء الشیطان

مشرکین اور نصاریٰ کے پاس اس طرح کے بہت سے قصے ہیں اور یہ ان کو انبیاء کے معجزات کی طرح سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ واقعات اس قبیل کے ہیں جیسے جادوگروں اور کاہنوں سے صادر ہوتے ہیں۔ لہٰذا اولیاء الرحمن اور اولیاء الشیطان کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے اسی طرح انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامات اور ساحروں، کاہنوں اور شیطان کے پجاریوں کی حرکتوں کے درمیان فرق سمجھ لینا بھی ضروری ہے ورنہ حق و باطل کے درمیان التباس کا خطرہ ہے۔ یا تو انسان انبیائے کرام کے سچے معجزات کا بھی انکار کر بیٹھے گا، یا کافروں اور غلط کاروں کی باتوں کی تصدیق کرنے لگے گا۔

ان امور کی تفصیل دوسری جگہوں پر آچکی ہے یہاں مذکورہ بالا حقیقت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے اور علمائے نصاریٰ اس کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کے یہاں بھی ایسے بہت سے واقعات اور قصے بیان کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء الرحمن نے اولیاء الشیطان کا مقابلہ کیا اور ان کے کذب وسحر وغیرہ کو باطل کر دکھایا۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے ساحروں کا مقابلہ کیا جیسا کہ تورات میں مذکور ہے۔ عیسائیوں کے یہاں اس طرح کے اور بھی قصے ہیں مثلاً سیمون ساحر کا حواریوں کے ساتھ مقابلہ وغیرہ۔ اور جب یہ بات ثابت اور مسلم ہے (کہ خارق عادت امور اولیاء الرحمن سے بھی صادر ہوتے ہیں اور اولیاء الشیطان سے بھی) تو یہ لوگ جن خوارق اور جن باتوں کا تذکرہ کرتے ہیں اگر وہ انبیاء کی ثابت شدہ تعلیمات کے خلاف ہیں تو وہ شیطان کی طرف سے ہوں گی اور انبیائے کرام کی تعلیمات کے خلاف ان سے استدلال کرنا درست نہیں ہوگا۔

تمام انبیاء نے ایسے کذاب اور افترا پرداز لوگوں سے خبردار کیا ہے جو انبیاء کی نقل کرتے ہیں بعض

لوگ جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں اور اکثر جھوٹ تو نہیں بولتے لیکن حقیقت ان کی سمجھ میں نہیں آتی اور غلطیوں کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتے وہی ہیں جس کو حقیقت سمجھتے ہیں حالانکہ ان کی بات حقیقت کے خلاف ہوتی ہے مثلاً عالم بیداری میں کسی کو دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ فلاں ولی یا فلاں نبی یا خضر ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہوتا ہے۔ اور غلطیوں کا صدور انبیاء کے علاوہ ہر ایک سے جائز اور ممکن ہے صرف انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں جو غلطیوں پر قائم نہیں رہتے۔ لہذا اپنے علوم، اعمال، اقوال وافعال کا موازنہ انبیاء کی صحیح وثابت تعلیمات سے کرنا چاہئے ورنہ سب کچھ غلط اور گمراہی ہے۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دے ان لوگوں کا راستہ جن پر اس نے انعامات کئے ہیں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا راستہ اور یہی لوگ بہترین رفیق ہیں۔

خوارق سے گمراہی کے اسباب

خوارق عادت جن سے شیطان انسانوں کو گمراہ کرتا ہے جیسے مردہ یا غائب شخص کی صورت میں ظاہر ہونا وغیرہ جن سے بہت سے اسلام سے تعلق رکھنے والے یا اہل کتاب گمراہ ہوئے اس کی وجہ یہ ہے انہوں نے ان خوارق کے بارہ میں دو مفروضے گھڑ لئے۔

۱۔ ایک تو یہ کہ جن کے ذریعہ ایسے واقعات صادر ہوں وہ ولی اللہ ہیں اور نصاریٰ کی زبان میں وہ قدوسی ہیں۔

۲۔ دوسرا یہ کہ یہ لوگ معصوم ہیں ان کی ہر بات صحیح ہے اور ہر حکم واجب الاطاعت ہے۔

حالانکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس طرح کی حرکتیں خارق عادت ہوتی ہی نہیں نہ رحمانی، نہ شیطانی بلکہ مکاروں جعلسازوں کا دجل وفریب ہوتا ہے اور ان لوگوں کی مکاریوں کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ ان کی حرکتیں عجیب وغریب ہیں اور خارق عادت ہیں۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہوتی، عیسائی راہبوں کے اس طرح کے قصے مشہور ہیں اور بعض لوگوں نے تو اس موضوع پر کتابیں بھی لکھ ڈالی ہیں۔ مثلاً ایک قصہ نقل کیا جاتا ہے۔ کہ ایک راہب پانی کو تیل میں تبدیل کر دیتے تھے وہ کرتے یہ تھے ایک مینارہ میں تیل بھر رکھا تھا جب تیل نیچے چلا جاتا تو اس میں پانی ڈال دیتے اور تیل پانی کے اوپر آجاتا اور دیکھنے والے سمجھتے کہ پانی

تیل بن گیا۔ ایک صاحب کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ کھجور کا درخت اوپر اٹھ آتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگ ایک راہب کی کٹیا سے گذرے اور اس کے نشیب میں کھجور کا درخت تھا۔ راہب نے دکھلایا کہ درخت آہستہ آہستہ اوپر اٹھتا گیا اور راہب نے اس سے کھجوریں توڑیں پھر نیچے چلا گیا اور لوگوں نے تحقیق کی تو حقیقت کھلی کہ درخت ایک کشتی میں تھا اور جب نیچے پانی پہنچا تو کشتی اوپر آجاتی ، اور پانی نکال دیا جاتا تو کشتی پھر نیچے چلی جاتی۔ سیدہ مریم کی آنکھوں سے آنسو اور سرمہ بہنے کا قصہ بھی اسی طرح کا ہے وہ یہ کہ پانی میں سرمہ ملاکر اس طرح رکھتے تھے کہ آہستہ آہستہ رستا رہے۔ وہ پانی مریمؑ کی مورتی میں آتا اور آنکھوں سے بہتا اور لوگ سمجھتے کہ یہ آنسو ہے۔

نصاریٰ کے یہاں اس طرح کی حرکتیں بہت ملتی ہیں بلکہ مسیح علیہ السلام کے صحیح دین سے منحرف ہوجانے والے مسیحیوں کی طرف منسوب خارق عادت واقعات یا تو شیطانی تصرفات ہیں یا حیلہ سازی اور مکاری ان میں کوئی بھی کرامات اولیاء کی قسم کی نہیں۔ یہی حال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے انحراف کرنے والے ملحدین کا بھی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کے خلاف امور کو دین میں شامل کرتے ہیں اور ان کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ بتلاتے ہیں اور اللہ اور رسول کی تعلیمات پر ان خرافات کو ترجیح دیتے ہیں مثلاً دف، مزامیر (بانسری) اور سماع کو تلاوت قرآن سے بہتر سمجھتے ہیں اور کبھی وجد میں آجاتے ہیں ان کو حال آجاتا ہے اور شیطانی تصرف سے ایسی باتیں کرتے ہیں کہ جب افاقہ ہوتا ہے تو ان کو خود نہیں سمجھ سکتے۔ کبھی حاضرین میں سے کسی کے دل کی بات بتلاتے ہیں۔ یہ بھی شیطان کی جانب سے ہوتا ہے اور جب شیطان ان سے الگ ہوجاتا ہے تو ان کو خبر بھی نہیں رہتی کہ کیا ہوا ہے۔ کسی کو شیطان لوگوں کے سامنے ہوا میں بلند کر دیتا ہے۔ کبھی صاحب حال حاضرین میں سے کسی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور وہ مرجاتا ہے یا بیمار ہوجاتا ہے یا لکڑی کی طرح سخت ہوجاتا ہے کچھ لوگوں کے پاس شیطان قسم قسم کے کھانے۔ مٹھائیاں۔ شکر یا زعفران وغیرہ پہنچاتا ہے اور کسی کو دوسری جگہوں سے چرا کر پیسے لاکر دیتا ہے۔ اس طرح کی باتیں بہت ہیں اور ان کی تفصیل بہت طویل ہوگی۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کی مدد شیطان بھی نہیں کرتا تو وہ حیلوں شعبدہ بازیوں اور ہاتھ کی صفائی سے کام لیتے ہیں۔

اور حیلہ اور مکر والے بہت سے ہیں۔ ان کی خارق عادت حرکتیں شیطان کی جانب سے نہیں ہوتیں اور نہ کاہنوں اور ساحروں کی طرح کی ہوتی ہیں بلکہ سراسر دجل و فریب ہوتی ہیں اور جان بوجھ کر کذب و تلبیس سے کام لیتے ہیں۔ اور جہاں شیطان کا اثر ہوتا ہے وہاں بعض لوگ حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ خارق عادت واقعات کرامات اولیاء کی قسم کے ہیں۔ لیکن بعض یہ جانتے ہیں کہ یہ سب شیطانی حرکتیں ہیں پھر بھی اپنی نفسانی اغراض کے لئے ایسی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ یہ خارق عادت واقعات اکثر یا تو شیطانی حرکتیں ہوتی ہیں یا حیلہ سازی اور غلطی سے سمجھا یہ جاتا ہے کہ یہ کرامات ہیں — اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں۔ (ان سے انکار نہیں) مثلاً امت محمدیہ کے صالحین کی کرامات، یا حواریین وغیرہ کی کرامات جو مسیح علیہ السلام کے سچے ماننے والے تھے، لیکن اولیاء کے ہاتھوں کرامات کے صدور کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بھی انبیاء کی طرح معصوم ہیں بلکہ ایک انسان صالح ہو سکتا ہے ولی ہو سکتا ہے اس سے کرامات بھی ظاہر ہو سکتی ہیں اور اس کے ساتھ ہی اس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے جو وہ سوچتا ہے، یا سنتا ہے۔ یا بیان کرتا ہے، یا دیکھتا ہے یا کتابوں کو سمجھتا ہے ان سب میں اس سے غلطی کا امکان رہتا ہے۔ لہذا انبیاء کے علاوہ کوئی بھی ہو اس کی بات قبول بھی کی جا سکتی اور رد بھی کی جا سکتی ہے بخلاف انبیاء علیہم السلام کے، کہ ان کی غیب کی دی ہوئی ہر خبر کی تصدیق واجب ہے اور ان کے تمام احکام کی اطاعت واجب ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی لائی ہوئی تمام باتوں پر ایمان کو واجب قرار دیا ان کے علاوہ کسی کی بھی تمام باتوں پر ایمان کو واجب نہیں قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ، وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔

(البقرۃ: ۱۳۶)

کہہ دو کہ ہم تو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اتارا گیا اور جو موسیٰ و عیسیٰ کو دیا گیا اور اس پر جو دوسرے انبیاء کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا اور ہم ان میں سے کسی کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ ہی کے حکم بردار ہیں۔

(الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح ج ۱ ص ۳۱۶ — ۳۲۸)

حقیقت خرافات میں کھو گئی !

تبلیغی جماعت مسلمانوں میں دینی جذبہ بیدار کرنے، خدائے تعالیٰ سے تعلق جوڑنے، کلمہ سکھانے اور نماز کا پابند بنانے کے لیے جو کوششیں کر رہی ہے اور جس بڑے پیمانے پر کر رہی ہے وہ یقیناً لائق قدر و ستائش ہے۔ یہ بات کسی طرح نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ ان کوششوں کی بدولت کتنے ہی افراد جو فواحش و منکرات میں ملوث، دین سے بیگانہ بلکہ برگشتہ، جہالت و جاہلیت کی زندگی بسر کر رہے تھے، اب اچھے خاصے پابند شریعت ہو گئے ہیں۔

اس جماعت کے بانی مولانا محمد الیاسؒ کے پیش نظر اصل مقاصد کیا تھے اور ان کے حصول کے لیے وہ کن خطوط پر کام کو آگے بڑھانا چاہتے تھے۔ اس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ آئندہ کسی شمارے میں پیش کریں گے۔ فی الحال ہم ایک اشتہار ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں جسے سعودی عرب کے دار الحکومت ریاض سے ایک محترم نے عنایت فرمایا ہے، اس اشتہار کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اس جماعت کے پیشوایان و رہبران کرام اپنی ان لائق قدر کوششوں کے پہلو بہ پہلو شخصیت پرستی اور خانقاہی خرافات کی دلدل میں بھی بری طرح پھنسے ہوئے ہیں۔ انھوں نے ایسے ایسے مکاشفات اور دعووں کو مشتہر کیا ہے، جن کے ڈانڈے شرک سے جا ملتے ہیں۔ ان مکاشفات اور دعووں کی اصل حقیقت کیا ہے اس کی مکمل وضاحت پچھلے مضمون سے ہو جاتی ہے، اس لیے مزید کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں! البتہ قارئین کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ خرافات سے ایمان کی حفاظت بنیادی مسئلہ ہے جس میں مداہنت کی گنجائش نہیں۔

(ادارہ)

اشتہار یہ:

امام زماں قطب اقطاب، محدث اعظم حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی دامت برکاتہم کی برطانیہ دار العلوم العربیۃ الاسلامیہ ہولکمب بری میں

تشریف آوری

حضرت شیخ مدظلہ کا مرتبۂ عالیہ :

حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب سے (مکاشفہ میں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زکریا کی خدمت کرتے رہو اس کی خدمت میری خدمت ہے ۔ صد ۲۱

قطب الاقطاب کا لقب

بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ایک بزرگ نے اپنا طویل مکاشفہ بیان کیا جس میں حضرت شیخ مدظلہ پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات دیکھے تو دل میں یہ خیال گزرا کہ حضرت شیخ قطب زماں ہیں، اس خیال کے آنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قطب کیا چیز ہے بلکہ یہ تو قطب الاقطاب ہیں (اسی کو اصطلاحِ صوفیہ میں غوثِ مدار بھی کہا جاتا ہے) صد ۴

ھٰذا امام عصرہ

ایک بزرگ نے اپنے مکاشفہ میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شیخ سے مصافحہ اور معانقہ فرمانے کے بعد فوراً اپنے دونوں دست مبارک حضرت شیخ کی داڑھی پر پھیرتے پھیرتے بہت ہی ناز سے یہ فرمایا کہ ھٰذا امام عصرہ وبرکۃ دھرہ والبنی[1] البار ۔ یعنی یہ اپنے دور کے امام اور زمانے کی برکت ہیں اور میرے نیک بخت بیٹے ہیں ۔ صد ۲

عاشقانہ می نشیند سمتِ اقدام حبیبؐ
مشفقانہ می نوازد سرورِ پیغمبراں

ترجمہ: حضرتِ شیخ عاشقانہ انداز میں (عاجزی کیساتھ) حبیبؐ پاک کے قدموں کی جانب بیٹھے ہیں اور سرورِ پیغمبراں صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے قرب خاص سے) مشفقانہ طور پر ان کو نوازتے رہتے ہیں ۔ صد ۱

فضائل درود شریف

فضائل درود شریف لکھنے پر علی گڑھ میں جناب ماجد علی صاحب کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے فرمایا کہ (حضرت شیخ) زکریا فضائل درود شریف کی وجہ سے اپنے معاصرین پر سبقت لے گیا ۔ صد ۱

---

[1] اصل میں اسی طرح ہے ۔ لیکن قواعد کی رو سے صحیح ابنی ہے ۔

تعمیر بیت اللہ اور حضرت شیخ الحدیث صاحب

رائپور (ضلع سہارنپور) خانقاہ میں ایک بزرگ مولانا خدا بخش صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت شیخ بیت اللہ کی تعمیر کر رہے ہیں، حضرت اقدس رائپوری کے ایما پر حضرت شیخ سے اس خواب کی تعبیر پوچھی گئی تو حضرت شیخ نے فرمایا میں آج کل فضائل حج تالیف کر رہا ہوں، انشاء اللہ یہ کتاب بیت اللہ کی تعمیر (روحانی) میں معین ہوگی۔ ص۱۷۱

حضرت شیخ کے اسفار سے متعلق

ایک مکاشفہ میں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جہاں جہاں یہ (حضرت شیخ) جاتے ہیں، اس کے اثرات لوگ نہیں جانتے بعد میں ظاہر ہوں گے۔ ص۳۲

بے اجازت نقل و حرکت و صل و ہجرت ہیچ نیست بشد فنا قصد ش بہ قصد سید پیغمبراں

ترجمہ:- حضرت شیخ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر نقل و حرکت سفر وغیرہ کچھ بھی نہیں کرتے۔

سفر انگلستان کی دھوم اور شور تو آسمانوں پر بھی ہے۔ مرکز اسلام، قیام گاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم —

یعنی دار العلوم ہولکمب بری کے لیے

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک دعا

۲ رجون ۷۹ء کی شب میں ایک بزرگ نے روضۂ اقدس پر صلوٰۃ و سلام کے بعد حضرت شیخ کی طرف سے سفر لندن کی اجازت اور دعا کے لیے عرض کیا تو دیکھا جیسے کسی بڑے ورق پر لکھا ہوا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ پھر جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں دو ورق ہیں جنھیں آپ الٹ پلٹ کر دیکھ رہے ہیں۔ اندازہ ہوا کہ مسافرین کی فہرست ہے، دوسری مرتبہ دعا اور اجازت چاہنے پر دیکھا کہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا ہیں، بہت خوبصورت لکیر دار جبہ زیب تن اور سر پر سنہرا عمامہ ہے جو بہت ہی خوبصورت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قد مبارک بھی جیسے بہت بڑا ہو گیا اور گویا مدینہ منورہ سے لیکر مکہ معظمہ تک ایک لمبا راستہ بن گیا ہے اور پھر مکہ معظمہ سے لندن تک ہاتھ مارا اور خود بھی وہاں تک چلے گئے اور وہاں تک راستہ سا بن گیا اور وہاں جاکر دار العلوم میں کھڑے ہو کر اس کا معائنہ فرمانے لگے اور اس کا نقشہ ہاتھ میں ہے اور یہ دعا فرمائی۔ اللّٰھم اجعلہ مرکز الخیر واعلی ابہ کلمتک و اظھر بہ الحق - ترجمہ:- اے اللہ! اس (دار العلوم) کو خیر و بھلائی کا مرکز بنا اور اس کے ذریعہ حق کو ظاہر فرما۔

پھر وہیں کھڑے کھڑے وہاں سے لے کر یہاں نیویارک تک نظر دوڑائی اور فرمایا خیر ہی خیر ہے اور سفر کے بارے میں دعا کے لیے
عرض کیا تو فرمایا کہ میں تو ساتھ ہی ہوں اور عشاء کے بعد دوبارہ عرض کیا اسی طرح اسی ہیئت میں مکہ معظمہ تک ہاتھ مارا
اور راستہ صاف ہو گیا، پھر مکہ معظمہ سے لندن تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے، راستہ میں جیسے دو
شیروں نے سر اٹھایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کے سر پر ایک پاؤں مارا اور دوسرے کے سر پر دوسرا پاؤں
جس سے دونوں اسی جگہ بالکل ختم ہو گئے۔ پھر جیسے انگلینڈ میں وہاں بہت لمبی چوڑی گندگی کی لوہے کی بہت بڑی
ٹینک مدفون ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہت زور لگا کر نکالنا چاہا، مگر وہ بہت گہری تھی، حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے زور لگانے سے اس کے کئی ٹکڑے ہو گئے، آپ نے ان ٹکڑوں کو اٹھا کر باہر پھینک دیا اور فرمایا ایسی کئی
گندگیاں دور کرنی ہیں۔ قوت و ہمت کی ضرورت ہے۔ پھر فرمایا یہ سفر ان شاء اللہ تو فیصلہ کن ہوگا۔ اس کے
بعد فرمایا یہاں (برطانیہ میں) بہت فتنے اور شرور ہیں، ان شاء اللہ تو علم و یقین کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوگا، جس میں قوت
و ہمت کی ضرورت ہے۔

۱۵ رجون ۸۲ء کو قبل عشاء صلوٰۃ وسلام کے بعد پورے سفر کی قبولیت اور خیر و عافیت سے واپسی کے لیے دعا
کی درخواست کی کہ اب تو کل روانگی ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر چپ رہے اور پھر جیسے حجابات اٹھے
اور مختلف جگہوں پر مکہ معظمہ انگلینڈ اور ہندوستان وغیرہ پر انوارات نظر پڑے اور اوپر آسمانوں پر بھی جیسے ہنگامہ
سا ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سفر کا تو آسمانوں پر بھی شور ہے۔ بس مخلوق پر رحمت کی نظر اور
رحم کھا کر ہدایت کی کوشش اور دعا ہونی چاہیے۔ ص ۳۰

مندرجہ بالا مکاشفات و مبشرات کا اقتباس جناب صوفی محمد اقبال صاحب مدنی کے رسالہ بہجۃ القلوب
حصہ دوم سے لیا گیا ہے، تفصیلات کے لیے رسالہ مذکورہ کا مطالعہ کیجیے۔

مسلمان بھائیوں سے اپیل۔ مندرجہ بالا مبشرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دار العلوم العربیۃ
الاسلامیہ ہولکم بری کے ساتھ تعلق خاص کو ظاہر کرتے ہیں، ان رحیمانہ اور مشفقانہ غیبی تعلقات کو پیش نظر رکھتے
دار العلوم کی ہر ممکن طریقہ پر اعانت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

نوٹ:- ان مبشرات و مکاشفات کی اشاعت کے لیے جو حضرات دلچسپی رکھتے ہوں وہ مندرجہ ذیل ٹیلیفون پر رابطہ قائم کریں

محمد ایوب سورتی نفعلہ باٹلی فون 441469 - (اشتہار ختم ہوا)

(اپنی گزارشات ہم پہلے ہی لکھ آئے ہیں۔)

محمد سمیع اللہ

۱۹، کا ہندسہ قرآن کا ریاضیاتی معجزہ
یا
اہل باطل کی خرافات

(۱)

کچھ دنوں سے عالم اسلام میں قرآن کے ایک نئے "معجزے" کی بڑی دھوم ہے کہ کمپیوٹر کے ذریعہ قرآن کی آیات۔ حروف، سورتوں وغیرہ کا مختلف پہلوؤں سے حساب لگایا گیا تو ہر پہلو سے ۱۹ یا ۱۹ سے جڑنے کی والا عدد نکلتا ہے۔ لہذا یہ قرآن کا ریاضیاتی محور اور خفیہ پیغام ہے۔ اور یہ بھی ایک معجزہ ہے۔ کیونکہ کوئی انسان اپنے کلام میں اس طرح کی رعایت برتنے پر قدرت نہیں رکھتا۔

اس انکشاف کی عالم اسلام میں بڑی دھوم ہوئی لیکن اس کی حقیقت کیا ہے اور اس کا انکشاف کرنے والے کون لوگ ہیں؟ اور ان کے مقاصد کیا ہیں؟ اسے ذیل کے مضمون میں واضح کیا گیا ہے مضمون کا اصل عنوان ہے: رشاد خلیفہ پی۔ایچ۔ڈی کا مستند انگریزی متن قرآن" معانی قرآن کی غلط گمراہ کن اور معاندانہ تفسیر و تشریح کی ناپاک جسارت"۔ اسے ترجمان الحدیث لاہور نے اگست ۱۹۸۲ء کے شمارے میں شائع کیا ہے اور اسی سے لیا گیا ہے۔

"ادارہ"

امریکہ میں حال ہی میں قرآن مجید کا ایک نیا انگریزی ترجمہ (OUR AN THE FINAL),

SCRIPTURE (AUTHORIZED ENGLISH VERSION.)

نام سے شائع ہوا ہے۔ رشاد خلیفہ کے اس ترجمہ قرآن کی اشاعت کا سہرا انہی کے ادارے "اسلامک پروڈکشن

انٹرنیشنل (739-E, 6th STREET TUCSON, ARIZONA 85719 U.S.A.)

کے سر ہے۔ تیرہ ڈالر کی اس کتاب کا معیار طباعت اعلیٰ ہے۔

مسٹر رشاد خلیفہ دراصل مصر کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے کیمسٹری میں ڈاکٹریٹ کی سند لی ہے اور اس وقت امریکہ کی ریاست ایری زونا کے شہر ٹکسن میں اپنی ایک علیحدہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائے ہوئے ہیں جس کے وہ امام بھی ہیں۔

رشاد خلیفہ وہی شخص ہے جنہوں نے اس سے پہلے ۱۹ کا ہندسہ یعنی "قرآن مجید کا نام نہاد خفیہ اشاراتی عدد" پیش کیا تھا۔ یہ مقالہ امریکہ سے علیحدہ کتابی صورت میں "کمپیوٹر مقرر" اللہ کا پیغام دنیا کے نام کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ رشاد خلیفہ کا دعویٰ ہے کہ قرآن کا خفیہ اشارہ "۱۹" کے ہندسے پر مبنی ہے اور جو شخص قرآن کے الہامی کتاب ہونے کے بارے میں شبہے کا اظہار کرے۔ اسے "۱۹" کے ہندسے سے اس شبہے کو غلط ثابت کیا جا سکتا ہے۔ خفیہ اشاراتی عدد "۱۹" کے اس بے سروپا نظریے کی تردید مشہور پاکستانی محقق مولانا عبدالقدوس ہاشمی اپنے مقالے "قرآن مجید اور "۱۹" کا عدد" میں کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

> "کوئی سال ڈیڑھ سال سے کئی کتابچے اور اشتہارات مجھے اس مضمون کے بھیجے گئے ہیں کہ قرآن مجید میں ۱۹ کے عدد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور کمپیوٹر کے ذریعہ مختلف حروف کی تعداد کو جمع اور ضرب کے عمل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ سب ۱۹ کے گرد گھومتے ہیں اور یہی قرآن مجید کی ریاضیاتی بنیاد ہے۔ یہ ریاضیاتی بنیاد قرآن مجید کا معجزہ ہے۔ اور کتاب اللہ کے الہامی ہونے کی دلیل ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ امریکہ میں کمپیوٹر کے ذریعہ اس کی تحقیق کی گئی ہے اور وہیں سے اسے پھیلایا جا رہا ہے۔ قرآن مجید کا یہ معجزہ پچھلے چند سال کے اندر ظاہر ہوا ہے جو پہلے کسی کو معلوم نہیں تھا۔
>
> اس تحقیق کی بنیاد اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۃ المدثر کی آیت نمبر ۳۰ میں

جہنم پر متعین فرشتوں تعداد ۱۹ بتائی ہے، اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں حروف کی تعداد ۱۹ ہے۔ اس کے بعد مختلف حروف کی تعداد کو ۹ یا ۱۹ کا حاصل ضرب ثابت کرکے یہ تاثر پیدا کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کا ایک ریاضیاتی نظام ہے اور وہ نظام ۱۹ کے عدد پر قائم ہے۔

اس سلسلہ میں جتنے اشتہارات اور کتابچے ملے ہیں نے انہیں بہت غور کے ساتھ بار بار پڑھا سب سے پہلے دو سوالات ذہن میں آئے۔ اول یہ کہ قرآن مجید میں تو اور بہت سے اعداد مختلف آیات میں مذکور ہیں۔ ۱-۲-۳-۴-۵-۶-۷-۸-۹-۱۰-۱۱-۱۲- اور اسی طرح ۱۹-۲۰-۳۰-۴۰-۱۰۰-۱۰۰۰ وغیرہ۔ فرشتوں کی تعداد بھی اگر سورۃ المدثر کی آیت ۳۰ میں ۱۹ بتائی گئی ہے تو سورۃ الحاقہ آیت ۱۷ میں حاملین عرش کی ۸ بتائی گئی ہے پھر صرف ۱۹ کے عدد ہی کو کیوں ریاضیاتی بنیاد بتایا جا رہا ہے؟ کیا اس عدد سے کسی کی عقیدت وابستہ ہے؟ دوم یہ کہ جن لوگوں نے امریکہ سے یہ آواز اٹھائی ہے وہ کون لوگ ہیں؟ اس سے قبل کہ اس نظریہ کی عقلی و عملی تحلیل کی جائے۔ ان دونوں سوالوں کو حل کر لیا جائے تو بہتر ہے۔

(۱) دنیا کے مختلف علم الاصنام (میتھالوجی) میں اعداد کے اثرات کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں بھی بعض تصنیفات علم الاعداد کے اثرات کو ظاہر کرتی ہیں اسکندریہ اور شام سے جب ماقبل الاسلام کے بت پرستانہ اوہام مسلمانوں میں پھیلے تو یہ افکار مسلمانوں میں بھی آگئے۔ یہاں تک کہ ۷۸۶ کا عدد بجائے بسم اللہ کے استعمال ہونے لگا۔ اور آہستہ آہستہ یہ واہمہ اتنا ترقی کر گیا کہ قرآن مجید کی ہر سورۃ اور ہر آیت کے اعداد جمل تیار ہوئے۔ اور ان سے تعویذوں کا کام اب بھی لیا جاتا ہے۔ ۱۹ کا عدد سب سے بڑی اکائی ۹ اور اولین عدد ۱ کا مرکب ہے اس سے بڑی بڑی کرامات لوگوں نے وابستہ کی ہیں۔ اگرچہ مسلمانوں نے ان اوہام کو کبھی قبول نہیں کیا۔ مگر جاہل عوام چالاک پیشواؤں کے

پھندوں میں پھنستے رہے۔ اور آج بھی بہت سے لوگ پھنسے ہوئے ہیں۔

(۳) اس وقت جو ۱۹ کی اہمیت قرآن مجید میں ثابت کی جارہی ہے۔ وہ بہائیوں کی تبلیغی مساعی کی پیداوار ہے۔ کئی ہزار بہائی امریکہ میں رہتے ہیں۔ ان کے عقیدہ میں ۱۹ کا عدد پوری کائنات کا بنیادی عدد ہے۔ اس پر سارا جہان قائم ہے۔ انہوں نے حسابی مغالطہ دے کر مسلمانوں کو متاثر کرنے کی ایک جدد جہد کے طور پر اسے شروع کیا ہے اور ہر زبان میں اس کی اشاعت ہورہی ہے۔

عدد ۱۹ کی برتری کا عقیدہ انہوں نے اس طرح قائم کیا ہے کہ بابی مذہب کا بانی علی محمد باب ۱۸۱۹ء میں شیراز کے ایک شیعہ گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ اور ۱۸۵۰ء میں اسے بجرم بغاوت پھانسی دی گئی۔ اس کے بعد بابی یعنی اس کے ماننے والے تین فرقوں میں بٹ گئے (۱) بابی (۲) اصلی بہار اللہ مرزا حسین علی نوری کے پیرو بہائی (۳) اور اس کے بڑے بھائی یحییٰ نوری نور ازل کے پیرو ازلی۔ علی محمد باب نے قرآن مجید کے مقابلہ میں ایک کتاب "البیان" بھی لکھی ہے۔ اور بہار اللہ نے بھی ایک کتاب "الاقدس" تیار کی ہے۔ جسے بہائی قرآن مجید کے برابر الہامی مانتے ہیں۔ ان کے عقیدہ میں علی محمد باب ظہور الٰہی تھا۔ اس کا سال پیدائش ۱۸۱۹ء ہے اور اس کو جمع کیجئے تو ۱۹ کا عدد حاصل ہوتا ہے: ۹ + ۱ + ۸ + ۱ = ۱۹۔ اس عقیدہ کے بعد ساری کائنات کی ریاضیاتی بنیاد ۱۹ کو قرار دیا گیا۔ بہائیوں کی مذہبی تقویم میں ۱۹، ۱۹ دن کے ۱۹ مہینے ہوتے ہیں۔ ۱۹ × ۱۹ = ۳۶۱ شمسی سال کے باقی چار دن کو سال کے ایام مسترقہ قرار دیا گیا ہے اس طرح ۳۶۵ دن پورے کرلئے گئے۔ ازلی فرقہ تو یحییٰ نور ازل کے جلد ہی وفات پاجانے کے بعد کچھ پھل پھول نہ سکا۔ لیکن بہائی خوب پھلے پھولے۔ بہار اللہ اور اس کے بعد عبد البہار پھر عباس آفندی اور اس کے بعد شوقی ایک دوسرے کے بعد مہدی اور مسلم ہوتے رہے۔ آج کل دولت اسرائیل ان کی سرپرست ہے اور فلسطین میں مقام عکان کا صدر مقام ہے۔ یہ لوگ جگہ جگہ اپنا تبلیغی مرکز "بہائی ہال" بناتے ہیں۔ اور بڑی گرمجوشی کے

ساتھ مگر خفیہ طور پر اپنا کام کرتے ہیں۔ آگرہ اور دہلی میں ان کے مراکز ہیں۔ کراچی میں پریس ریکارڈ روڈ پر ان کا بہائی ہال ہے۔ ہر جگہ دیواروں پر ۱۹ کا عدد لکھا ہوتا ہے۔ ہر تحریر کو ۱۹ سے شروع کرتے ہیں۔ اور ہر شہ نشین پر ۱۹ کا عدد نمایاں طور پر لکھا جاتا ہے

اوپر کی تحریر و تحلیل سے ہم ان دو سوالوں کے جواب تو پا لیتے ہیں کہ عدد ۱۹ کا انتخاب کیوں کیا گیا۔ اور کون لوگ اس مہم کو چلا رہے ہیں؟ رہا اس پورے نظریہ کا عملی جائزہ۔ تو اس کے لئے کسی طویل تحریر کی ضرورت نہیں۔ ذرا غور کیجئے تو اس نظریہ میں پنہاں جہالت اور مغالطے کھل کر سامنے آجائے گا۔

(۱) اگر کسی کتاب میں کوئی عدد، حرف یا اعراب یکساں لوٹے تو کیا ایسا ہونا کتاب کو الہامی ثابت کرتا ہے؟ اگر چاول کا رنگ سفید ہے تو یہ بات زمین کے کروی ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے؟ یہ معیار کس نے قائم کیا اور دعویٰ و دلیل کے مابین منطقی تعلق کیا ہے؟

(۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے حروف خاص طرز کتابت کی وجہ سے ۱۹ نظر آتے ہیں ورنہ اصلاً ۲۱ ہیں۔ باسم اللہ الرّحمان الرحیم۔ اس میں اسم کا الف نہیں لکھا جاتا ہے۔ اور رحمان اصل میں فعلان کے وزن پر سعلان، غفران، حیران وغیرہ کی طرح رحمان ہے۔ خود قرآن مجید کی پہلی وحی میں "اقرأ باسم ربك" موجود ہے "سبح اسم ربك" موجود ہے۔ سب جگہ الف لکھا جاتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید آسمان سے تحریری شکل میں نازل نہیں ہوا تھا۔ اس لئے اس کے رسم الخط سے کوئی استدلال صحیح نہیں ہو سکتا رسم الخط اس وقت کا مروجہ عربی رسم الخط ہے۔ اس کا وحی و الہام سے کوئی تعلق نہیں۔ کوئی لفظ س سے لکھا گیا یا ص سے، یہ کام انسانوں نے کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے نہیں کیا ہے۔ اور آج کل جس خط میں قرآن مجید لکھا جاتا ہے وہ تو ابن مقلہ متوفی ۳۲۷ھ کا بنایا ہوا خط ہے۔

(۳) سورہ الاعراف میں "بسطۃ" پر "ص" آواز میں عدنانی قبائل کے تلفظی فرق کو ظاہر کرنے کے لئے بنا دیا جاتا ہے۔ ورنہ عربی زبان میں بصط کوئی مادہ نہیں ہے۔ یہ استدلال محض

نادانی اور جہالت کا کرشمہ ہے ۔

(۴) اس طرح جمع، تفریق اور ضرب وتقسیم کر کے بیسیوں عددی عجائبات قرآن مجید میں بلکہ معمولی انسانی تصانیف میں بھی پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً حٰمٓ کے اعداد جمل ۴۸ کو اگر سورۃ الحاقہ میں بیان کئے ہوئے عدد یعنی ۸ پر تقسیم کیا جائے تو ۶ کا عدد برآمد ہوگا۔ اور الٓمٓ ۶ سورتوں کے اوائل میں ہے۔ قرآن مجید میں ۲۹ سورتوں پر ۱۴ حروف تہجی بطور حروفِ مقطعات موجود ہیں اور یہ ۱۴ گروپ ہیں۔ ۱۴ × ۱۴ = ۱۹۶ ۔ اور اس عدد کو اصحاب کہف کے عدد ۷ پر تقسیم کیجئے تو چاند کے ۲۸ لمعات کا عدد ہو جائیگا۔ اس طرح جتنے عجائبات عددی چاہیں کسی کتاب سے نکال سکتے ہیں کیسی دلچسپ ابلہ فریبی ہے کہ اس قسم کے حسابی اور عددی عجائبات کو قرآن مجید کے معجزہ، وحی آسمانی ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جائے۔ انسان طبعاً عجوبہ پسند ہوتا ہے۔ اس لئے اچھے خاصے ذی ہوش اور تعلیم یافتہ لوگ بھی ایسی باتوں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور ابلہ فریبی کے چکر میں پھنس جاتے ہیں۔ خدا ہم سب کو وہم سے بچائے اور بہائیوں کے اس چکر سے محفوظ رکھے ۔

" اس سے بڑھ کر اور ابلہ فریبی کیا ہوگی کہ قرآن مجید جو تحریری صورت میں نازل ہی نہیں ہوا تھا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے صحابہؓ حرف شناس تھے۔ اس کے اعجاز اور کمال کی بنیاد کس طرح حروف کی تعداد پر رکھی جائے ؟ صحابہؓ وصحابیاتؓ میں کتنی خواتین تھیں جو لکھ پڑھ سکتی تھیں ؟ جو حرف شناس نہ ہو اس کے لئے س اور ص بلکہ ل اور ص کے مابین فرق معلوم کرنے کا کیا ذریعہ ہے ؟ سبحان اللہ ۔ اگر یہی قرآن مجید کا ریاضی نظام ہے تو اس سے واقفیت نہ رسول ؐ کو تھی۔ اور نہ کسی صحابی یا صحابیہ کو اور یہ راز کھلا تو ایک علامۃ الدنیا پر چودھویں صدی ہجری کے اواخر میں ؎

" یہ سوختہ عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است ۔ "

مولانا ہاشمی صاحب نے صحیح کہا ہے کہ قرآن مجید اپنی زبان کی سلاست وشیرینی، اپنے مطالب ومعانی کی بلندی اور گہرائی، اپنے پیغام کی وسعت وآفاقیت اور انسانیت کو ہمہ جہتی رہنمائی مہیا کرنے کی وجہ سے ایک معجزہ

ہے. نہ کہ اس لحاظ سے کہ اس نے ریاضی کا کوئی خاص فارمولا پیش کیا ہے. قرآن مجید نے مشرکین عرب کو جو یہ چیلنج دیا کہ وہ اس جیسی چند یا کم از کم ایک ہی سورت لکھ کر پیش کریں تو اس سے قرآن کا مقصد یہ نہیں تھا کہ یہ سورتیں حساب کتاب یا ریاضی کے فارمولوں پہ مبنی ہونی چاہئیں. علاوہ ازیں یہ دعویٰ بھی ناقابل تسلیم ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین. قرآن مجید کے اس حسابی معجزے سے ناواقف تھے. ۱۹ کے ہندسے میں چونکہ گنتی کی پہلی اکائی یعنی ۱ (ایک) اور سب سے بڑی اور آخری اکائی یعنی ۹ (نو) شامل ہے. اس لئے قدیم علم الاساطیر میں اس ہندسے کو بڑا تقدس حاصل رہا ہے. اس بے بنیاد نظریے کا پرچار اسلام کے ابتدائی دور میں تاریخ کے ایک قریب کا ربایک خرمی (مقتول ۳۲۳ھ) اور اس کے ساتھیوں نے کیا تھا. پھر گذشتہ صدی میں بہاء اللہ مرزا حسین علی نوری نے اس ہندسے کے ساتھ تقدس آمیز تصوّرات وابستہ کئے اور اب اس کے پیروکار بہائی فرقے کے لوگ اس نظریے کو اپنی تبلیغ کے ایک حصے کے طور پر پورے امریکہ میں پھیلا رہے ہیں۔

لہ ۱۹ کے ہندسے کو بہائی فرقے میں مرکزی نقطے کی حیثیت حاصل ہے. چنانچہ ان کے تمام مذہبی تصوّرات اسی کے گرد گھومتے ہیں. اور اُسے ان کے ہاں "مقدس ہندسہ" کا درجہ حاصل ہے. بہائیت کے مبلّغ اب اس کوشش میں ہیں کہ ۱۹ کے ہندسے کو کمپیوٹر کی من گھڑت اور مغالطہ آمیز ترجمہ وتفسیر قرآن کے ذریعے قرآن کی "کلید". "قلب" اور "خلاصہ" کی صورت میں پیش کرکے اپنے مذہب بہائیت کے لئے قرآن مجید سے سند جواز فراہم کریں. جنوبی افریقہ کے علمائے کرام کی تنظیم نے اسلام کے خلاف اس سازش کو بے نقاب کرنے کے لئے انگریزی زبان میں ایک کتابچہ شائع کیا ہے جو کہ بلاقیمت پتہ ذیل سے حاصل کیا جاسکتا ہے:

MAJLISUL ULAMA P.O. BOX. NO. 3393

PORT ELIZABETH SOUTH AFRICA.

(۱) - مترجم کے دعوے کے برخلاف احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جمع وتدوین، حفاظت وصیانت اور ترتیب وتالیف میں انتہائی احتیاط، فنی بصیرت، عالمانہ باریک بینی اور مجتہدانہ جانفشانی سے

مسٹر خلیفہ کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس خفیہ عددی اشارے کے ذریعے دنیا کے انجام یعنی قیامت کا صحیح سال ظاہر کردیا ہے لیکن ان کا یہ خیال قرآنی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ٥ (لقمان: ۳۴)

بیشک اللہ ہی کے پاس قیامت کی خبر ہے اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے اور کسی جی کو معلوم نہیں کہ کل کو کیا کرے گا اور کسی جی کو خبر نہیں کہ کس زمین میں مرے گا، تحقیق اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔

رشاد خلیفہ کا دعویٰ ہے کہ یہ خفیہ اشارہ (۱۹) چودہ سو سال تک ایک راز کی حیثیت سے خدائی حفاظت

بقیہ حاشیہ ص کا

کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ کا کوئی بندہ جو اس کی پسند کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتا ہو، پیغمبرانہ حکمت و دانش کے اس بے نظیر اور بیش بہا خزانے سے صرف نظر نہیں کرسکتا۔ احادیث کی جمع و تدوین اور ان کے استناد سے متعلق تاریخی پس منظر اور دیگر تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) حدیث کے ابتدائی لٹریچر کا مطالعہ۔

(STUDIES IN EARLY HADITH LITERATURE.

(۲) حدیث کے اصول تدوین اور لٹریچر کا مطالعہ

.STUDIES IN HADITH METHODOGY AND LITERATURE,

ان دونوں کتابوں کے مصنف مصطفیٰ اعظمی اور ناشر، امریکن ٹرسٹ پبلیکیشنز ہیں۔ ملنے کا پتہ یہ ہے: اسلامک بک سروسز ۔ ۱۰۹۰۰ ڈبلیو واشنگٹن سٹریٹ انڈیا نوپولس انڈیانا ۴۶۲۳۱، امریکہ۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور دیگر علماء نے اس موضوع پر نہایت فاضلانہ کتابیں انگریزی زبان میں تصنیف کی ہیں جن میں احادیث کی صحت کو محققانہ انداز میں ثابت کیا گیا ہے۔

میں رہا۔ اور یہ اللہ کی مرضی تھی جس کے مطابق اس عظیم معجزے کے بلا شرکت غیرے انکشاف کی سعادت، خدا کی پسند اور منظوری کے ایک نشان کے طور پر اس ترجمے کے حصے میں آئی (صفو ا)۔

اس ترجمے کے مطالعے سے قاری کو اس امر کا یقین ہو جاتا ہے کہ اس ساری کوشش وجانکاہی اور قیل و قال کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ شریعت اسلامیہ میں حدیث و سنت کا جو مقام و مرتبہ ہے۔ اس کا انکار کیا جائے اور اسے ختم کیا جائے۔ چنانچہ جو لوگ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ حدیث کو بھی شریعت کی ایک بنیاد سمجھتے ہیں انہیں "جھوٹے مسلمان" اور "بتوں کے پجاری" کا لقب دیا گیا ہے۔ احادیث کو یہ کہہ کر رد کیا گیا ہے کہ یہ وہم و قیاس اور جعل سازی پر مبنی ہیں۔

(۲) مترجم کی رائے میں: "حدیث، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دشمنوں کی اختراع سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی جس کا مقصد لوگوں کو اللہ کے راستے اور قرآن مجید سے برگشتہ کرنا تھا۔" (صفحہ ۴۴)

حدیث اور سنت کی وکالت کرنے والوں کو "محمدؐ کے پجاری" کہا گیا ہے جن کے لئے جہنم کی آگ مقدر ہے قرآن مجید میں جہاں کہیں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر کیا گیا ہے، مترجم نے نہایت گستاخی اور حضورؐ کی ذات بابرکات سے انتہائی بغض و عناد اور کینہ پروری کا ثبوت دیتے ہوئے ایسی تمام آیات پر اپنی جانب سے سرخی جما دی ہے جس میں کہا گیا ہے:

"محمدؐ کو بت نہ بنالو" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مترجم حضورؐ کی بلند و بالا شخصیت کے ذکر ہی سے خفا ہو بعض مقامات پر اس نے ان لوگوں کو جو قرآن و حدیث کے باہمی تعلق اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط و منسلک ہوتے پر یقین رکھتے ہیں۔ "شیطان کے پیروکار" کہا ہے۔ مختصر یہ کہ احادیث کے خلاف الزام تراشی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ ملاحظہ ہوں صفحات:— ۱ - ۱۳ - ۷۰ - ۷۲ - ۷۶ - ۷۸ - ۸۲ - ۸۹ - ۱۰۰ - ۱۱۷ - ۱۴۱ - ۱۸۷ - ۲۴۸ - ۳۲۵ - ۳۴۷ - ۳۵۶ - ۴۹۹ - ۵۰۱ - ۵۰۷ - ۵۰۸ - ۵۱۰ - ۵۱۱ وغیرہ۔

کسی مسلمان کے قلم سے جس کی مادری زبان عربی ہو؟ قرآن مجید کے اس نام نہاد "اولین انگریزی ترجمے" کے محولہ بالا صفحات سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ مترجم کا مقصد اس غلط خیال کو ثابت کرنے کے سوا کچھ نہیں کہ

اسلامی قانون کا ماخذ صرف قرآن مجید ہے۔ اور حدیث رسول اللہ قابل رد ہے۔

مسٹر رشاد خلیفہ جو بقول خویش ایک "عرب مسلمان محقق" ہیں۔ اپنے اس نظریے کو بتکرار دہراتے رہتے ہیں کہ:

"قرآن، پورا قرآن اور قرآن کے سوا کچھ نہیں"۔ چنانچہ اپنے ترجمہ کے صفحہ ۸۲ پر وہ لکھتے ہیں:

"جس چیز کا ذکر قرآن میں صراحت کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ وہ ہماری مرضی پر چھوڑ دی گئی ہے مثال کے طور پر قرآن نے سونے کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں کیا۔ لہٰذا ہم جیسے چاہیں سو سکتے ہیں۔ دائیں کروٹ پر یا بائیں کروٹ پر، چت لیٹ کر یا اوندھے منہ لیٹ کر۔ اسی طرح ہم دائیں ہاتھ سے بھی کھا سکتے ہیں اور بائیں ہاتھ سے بھی، چھری، کانٹے کے ساتھ بھی اور ان کے بغیر بھی لیکن بت پرستوں نے رہنے سہنے کا ایک انتہائی نامعقول نظام رائج کر لیا ہے۔ اور اس کا نام سنت رکھ چھوڑا ہے"

ان کلمات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مترجم کے دل میں حضور کی ذات بابرکات کے خلاف نفرت اور دشمنی کا ایک الاؤ ہے جو دہک رہا ہے۔ مناسب ہوگا کہ مترجم کی اس تنقید کے جواب میں خود ارشاد نبوی پیش کریں۔

"عن ابی ذر قال مر بی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا مضطجع علی بطنی فرکضنی برجلہ وقال یا جندب انما ھذہ ضجعۃ اھل النار۔"

(ابن ماجہ)

"حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے۔ اور میں پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ آپ نے اپنے پاؤں سے مجھے ہلایا اور فرمایا اے جندب (یہ حضرت ابوذر کا نام ہے) ایسے تو اہل دوزخ سوتے ہیں۔"

"عن ابن عمر رضی اللہ عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اکل احدکم فلیاکل بیمینہ واذا شرب فلیشرب بیمینہ فان الشیطٰن یاکل بشمالہ ویشرب بشمالہ" (مسلم شریف۔ باب الاکل بالیمین)

"ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص تم میں سے کھائے تو اسے چاہئے کہ دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب پیے تو چاہئے کہ دائیں ہاتھ سے پیے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ ہی سے پیتا ہے۔"

"عن ابی هريرة ان النبی صلی الله عليه وآله وسلم قال لياكل احدكم بيمينه ويشرب بيمينه و لياخذ بيمينه وليعط بيمينه فان الشيطن ياكل بشماله و يشرب بشماله ويعطی بشماله ويأخذ بشماله." (ابن ماجه)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک داہنے ہاتھ سے کھائے۔ داہنے ہاتھ سے پانی پئے اور داہنے ہاتھ سے لے اور داہنے ہاتھ سے دے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے دیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے لیتا ہے۔"

بعض حلقوں کی جانب سے یہ الزام لگایا جا رہا ہے (اگرچہ ہمارے پاس اس کی شہادت موجود نہیں) کہ اس ترجمے کی اشاعت کے لئے سرمایہ ایک ترقی پسند عرب ملک نے فراہم کیا ہے کیونکہ اس میں حدیث کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ اس ملک کی سب سے اہم شخصیت کے نقطۂ نظر سے ہم آہنگ ہیں بہرحال اس سلسلے میں امداد جس شخص نے بھی دی ہے اور جس صورت میں بھی دی ہے وہ پوری امت کی جانب سے بھرپور مذمت اور ملامت کا مستحق ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ اس نے مسلمانوں کے اندر ان کے بنیادی عقائد و اصول کے بارے میں انتشار و پراگندگی اور تفرقہ بازی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مترجم دلیل دیتا ہے کہ:

"اس وقت مسلمانوں میں جو مختلف فرقے موجود ہیں اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کو چھوڑ کر اپنے رہنماؤں کی انسانی آراء کو اپنا لیا ہے۔ اور یہ رہنما اب درحقیقت بتوں کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں۔

مترجم صاحب یہ لکھتے ہیں کہ:۔

اس افسوسناک فرقہ بندی میں ایک چیز کا سب سے زیادہ حصہ ہے وہ "حدیث" اور "سنت" کی اختراع ہے۔ (دیکھئے صفحہ ۱۰) محمد کے چند صدی بعد اسلام کے "محققین" نے "حدیث" (زبانی) اور "سنت" (روایات) گھڑلیں تاکہ وہ قرآن کی جگہ لے لیں۔" (صفحہ ۹۹۹)

رشاد خلیفہ معراج نبوی کو نہیں مانتے اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کی دیدہ دلیری کی انتہاء یہ ہے کہ وہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی جانب سے رہنمائی اور پیغمبری کے حصول سے پہلے محمدؐ اپنے قبل از اسلام معاشرے کی دیگر افراد کی طرح بتوں کی پوجا کرتے تھے" (صفحہ ۸۹)

مترجم صاحب بڑی بے باکی اور گستاخی سے لکھتے ہیں:

"محمدؐ نے بہت سی غلطیاں بھی کیں" (صفحہ ۵۰۲)

اور یہ کہ:

"شیطان (یعنی ابلیس) فرشتوں میں سب سے بڑا تھا" (صفحہ ۵۱۱)

مترجم صاحب اپنے نام نہاد "مستند انگریزی متن قرآن" میں قدم قدم پر ایک کے بعد دوسرے ثابت شدہ اصول کو توڑنے اور دین کی ایک کے بعد دوسری مسلّمہ بنیاد کو ڈھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے صرف احادیث ہی کو اپنی تخریب کارانہ تنقید کا نشانہ نہیں بنایا۔ بلکہ وہ اس سے آگے بڑھ کر لکھتے ہیں۔

"جو عام اختراعات کی گئیں ان میں ایک اختراع اللہ تعالیٰ کے "نام نہاد ۹۹ نام" ہیں۔ جن میں سے بہت سوں کا ذکر قرآن میں نہیں۔ اور وہ لوگ جنہوں نے محمد کی مرضی کے خلاف انہیں ایک بت بنالیا ہے وہ بھلا کیسے پیچھے رہتے؟ انہوں نے محمدؐ کے ۲۰۱ نام گھڑ لئے۔ جو بڑی فرمانبرداری کے ساتھ مدینے میں مسجد نبویؐ کی دیواروں پر کندہ کروائے گئے ہیں۔ ان ناموں میں کچھ ایسے نام بھی شامل ہیں جو بلا شرکت غیرے اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں؟ جیسے "المھیمن"[1] (سب سے بڑا) اور "الشافی" (شفا دینے والا[2])" (صفحہ ۷۱۱)

ہم مسٹر خلیفہ کو یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور ان کی صفات کا صحیح علم ہمیں اللہ تعالیٰ کے آخری رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی کے ذریعے سے حاصل ہوا ہے۔ انہوں نے ہمیں سکھایا کہ اللہ ہی صرف ایک اللہ ہے:

---

[1] مترجم صاحب نے انگریزی میں "المھیمن" کا ترجمہ (SUPREME BEING) کیا ہے۔ جو صحیح نہیں۔ اس لفظ کا درست ترجمہ "غلبہ اور قوت کے ساتھ حفاظت اور نگہبانی کرنے والا ہے۔

[2] قرآن مجید میں خود قرآن کو مھیمن اور شفاء لما فی الصدور کہا گیا ہے۔ شہد کو شفاء للناس کہا گیا ہے پس اشتراک لفظی کی حد تک غیر اللہ کے لئے ان الفاظ کے استعمال کو درست نہ ماننا نری جہالت ہے۔ (محدث)

" انما اللہ الٰہ واحد " (النسآء : ۱۷۱) جس کے ۹۹ صفاتی نام ہیں۔ واحد اسمائی الٰہ کا اسم ذات اللہ ہے جو اللہ کے تمام صفاتی ناموں سے ممتاز ہے۔ جنہیں " اسمائے حسنیٰ " کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ ہمیں اس کے جلال، جمال اور کمال سے آگاہ کرتے ہیں۔

قرآن مجید نے جس عمدہ ترتیب سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے صفاتی نام ذکر فرمائے ہیں۔ وہ انتہائی سائنٹفک ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم یعنی اللہ بیان ہوا جو قرآن مجید کی اولین صورت یعنی الفاتحہ میں آیا ہے۔ اس کے بعد " رب " کا ذکر کیا گیا۔ جو اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سب سے اہم نام ہے۔ یہاں لفظ " ربّ " استعمال کیا گیا۔ یعنی پالنے والا، نہ کہ " اب " یا " باپ " جو ایک محدود معنی کا حامل لفظ ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے نہ بیٹا۔ رب کے بعد اہمیت کے اعتبار سے بلند ترین اسمار رحمان۔ رحیم اور مالک ہیں۔ جو سورت فاتحہ ہی میں رب کے بعد آئے ہیں۔ یہ تین نام درحقیقت یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت یعنی تغذیہ کے ذریعے پرورش کا عمل کس طرح بروئے کار آتا ہے۔

مسٹر خلیفہ عالم دین نہیں۔ لہٰذا وہ اس کے اہل نہ تھے کہ قرآن مجید کے معانی کا ترجمہ کرتے۔ انہوں نے پی۔ ایچ۔ ڈی کیمسٹری میں کیا ہے نہ کہ شریعت میں۔

اپنی کتاب کے صفحہ ۵ پر وہ بڑے توہین آمیز انداز میں لکھتے ہیں:

" جہالت، غلط فہمی اور حدیث کی اختراع کے باعث بہت سے مسلمان اس غلط خیال میں مبتلا ہیں کہ اسلام ایک وقت میں صرف چار بیویاں تک رکھنے کی اجازت دیتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن صرف ایک بیوی رکھنے کی سفارش کرتے ہوئے تعدادِ ازدواج پر قطعاً کوئی پابندی عائد نہیں کرتا (۴ : ۳، ۱۲۹) کسی قدر ظریفی ہے کہ وہ لوگ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام، خصوصاً حدیث کی رُو سے بیویوں کی تعداد چار تک محدود ہے وہ غالباً اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ جب رسول اللہ کی وفات ہوئی تو آپؐ نے نو بیویاں چھوڑیں۔ " (صفحہ ۵)

یہ بات بالکل صحیح ہے اور کوئی شخص اس حقیقت کا انکار نہیں کرسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے تعدّدِ ازدواج

کی اجازت دی ہے ۔اگر ہم اس کو ممنوع ٹھہرائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنے آپ کو اس چیز سے محروم کریں جس کی اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اجازت دی ہے۔ اسلام میں کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا فیصلہ انسان کی صوابدید پر نہیں چھوڑا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کو منظم و مرتب کرنے کے لئے تمام ضروری قوانین خود تیار کیے اور اپنے جملہ احکام واضح لفظوں میں اپنے بندوں تک پہنچائے۔ قرآن مجید میں ہے۔"

" وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا (النسآء : ۳)

" اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کرسکو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کر لو جو اور عورتیں تم کو خوش آئیں دو دو، تین تین، چار چار، اور اگر ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی نکاح کرو۔ یا لونڈی جو اپنا مال ہے اس میں امید ہے کہ ایک طرف نہ جھک پڑو گے۔"

اسلام نے مسلمانوں کو ایک وقت میں صرف چار بیویاں رکھنے کی اجازت دے کر عرب معاشرے کے اس رواج پر پابندی عائد کی ہے جو بعثت نبویؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وقت عربوں میں رائج تھا جس کی رو سے ہر شخص جتنی چاہتا بیویاں رکھتا اور جب چاہتا انہیں طلاق دیتا۔ اسلامی معاشرے میں لوگوں کو چار چار بیویاں رکھنے کی جو اجازت دی گئی ہے۔ اس سے ان تمام غیر صحت مندانہ سرگرمیوں اور بدکاریوں کا خاتمہ ہو گیا ہے جو ایسے معاشروں کی خصوصیت ہیں جن میں یک زوجگی نظام رائج ہو۔

علاوہ ازیں اسلام نے ہر اس شخص کے لئے ، جو ایک سے زیادہ بیویاں رکھے لازم قرار دیا کہ وہ تمام بیویوں کے ساتھ یکساں سلوک کرے۔ ان کے ساتھ برتاؤ کرنے میں انصاف اور مساوات کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور جو شخص ایسا نہیں کرسکتا اسے صرف ایک بیوی پر قناعت کرنی چاہیے۔

جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت ازواج مطہرات کی تعداد نو تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ قرآن مجید کی اس آیت کے نزول سے پہلے ہی متعدد شادیاں

کر چکے تھے جس کی رُو سے بیویوں کی تعداد چار تک محدود کی گئی ہے[۵] اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مخصوص حالات کی بنا پر آنحضرتؐ کی ازواج مطہراتؓ کا معاملہ دیگر مسلمان خواتین سے مختلف تھا۔ حضورؐ کی زوجیت میں آجانے کے بعد ازواج مطہرات کو امہات المؤمنین کا درجہ حاصل ہو چکا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّہٰتُہُمْ ۔ "نبی سے ایمان والوں کو اپنی جان سے بڑھ کر لگاؤ ہے اور اس کی عورتیں ان کی مائیں ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مسلمانوں کا یہ روحانی تعلق حضورؐ کو اس امر کا مستحق بناتا ہے کہ مسلمان دنیا کے ہر انسان سے زیادہ آپؐ سے محبت کریں اور آپ کا احترام کریں۔ خواہ وہ انسان ہمارا انتہائی قریبی رشتہ دار یا دوست ہی کیوں نہ ہو۔

لہٰذا اب ان میں سے کسی کو بھی طلاق نہ دی جا سکتی تھی کیونکہ امت کی مائیں ہونے کی وجہ سے وہ کسی اور سے شادی نہ کر سکتی تھیں۔ چنانچہ اس معاملے میں خود اللہ رب العزت کی جانب سے آنحضورؐ کو خصوصی طور پر مستثنیٰ فرمایا گیا اور رعایت دی گئی۔ ملاحظہ فرمائیے آیت ذیل،

یٰٓاَیُّہَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَہُنَّ ۔ "اے نبیؐ ہم نے آپ کے لئے آپؐ کی عورتیں حلال رکھی ہیں جن کے مہر آپ ادا کر چکے ہیں۔

علاوہ ازیں ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ یہ شادیاں انسانی ہمدردی اور تالیف قلب کے لئے کی گئی تھیں نیز ان کا ایک مقصد تبلیغی بھی تھا۔ یعنی امہات المؤمنین کے ذریعے اسلام قبول کرنے والی خواتین کی تعلیم و تربیت، جس کے لئے اس سے بہتر کوئی اور انتظام ممکن نہ تھا۔

رشاد خلیفہ کے بدنام زمانہ "کارنامے" سے ان کے چند اور کلمات کفر کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں۔

"شادی شدہ زانیہ عورت کی سزا موت نہیں ہو سکتی، جیسا کہ "حدیث" یا "سنت" کے مخترعین کا دعویٰ ہے" (صفحہ ۵۴)

"اس سلسلے کی ایک مشہور حالیہ مثال ۱۹۷۸ء میں ایک سعودی شہزادی کو سزائے موت دینا ہے جس پر زنا کا الزام لگایا گیا تھا۔ خدا کے قانون کی رو سے، جیسا کہ سورۂ نور کی آیت

---

[۵] یہ صحیح نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ چار بیویوں پر اضافہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک مخصوص استثنائی مسئلہ تھا۔

ع۱ اور ع۲ میں واضح طور پر کہا گیا ہے "ارتکاب زنا کی سزا) تازیانہ زنی ہے جب کہ "بت پرستوں" کا قانون زنا کاروں کے لئے موت کی سزا تجویز کرتا ہے۔ (صفحہ ۹۷)

سور جیسے گندے اور بے شرم جانور کے متعلق خلیفہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

"سور کا صرف گوشت ایسی چیز ہے جسے ممنوع ٹھہرایا گیا ہے نہ کہ چربی اور جسم کے دیگر اجزاء" (صفحہ ۹۸)

"محمدؐ کے ذریعے جو واحد معجزہ یعنی قرآن مجید ظاہر ہوا وہ اس وقت تک پردۂ خفا سے باہر نہیں آیا۔ جب تک یہ ترجمہ تیار نہیں ہو گیا" (صفحہ ۱۹۲)۔

آیت ع۸۸ (سورہ ۱۷) میں قرآن کے معجزاتی عددی خفیہ اشارے کا براہ راست حوالہ دیا گیا ہے۔ جیسے:

"پردۂ خفا سے باہر لانے کی سعادت بلا شرکت غیرے اس ترجمے کے حصے میں آئی ہے قرآن جیسی اعلیٰ درجے کی تخلیقات تو بہت سے اہل قلم نے پیش کیں لیکن دنیا کی کوئی طاقت قرآن کے اس پیچیدہ عددی خفیہ اشارے کا ثانی پیش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی" (صفحہ ۱۹۴)

"رسولؐ کا واحد مشن قرآن کا پہنچا دینا تھا۔ پورے قرآن کا اور صرف قرآن کا۔ نہ کہ کسی اور چیز کا۔" (صفحہ ۳۱)

مسٹر خلیفہ نہ صرف یہ کہ حدیث کا انکار کرتے ہیں بلکہ وہ قرآن مجید کے اعجاز پر بھی یقین نہیں رکھتے ان کی کوشش ہے کہ جس طرح ممکن ہو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارفع و اعلیٰ مقام گھٹا کر آپ کو صرف ایک ڈاکیے کے درجے پر لے آیا جائے جس کا کام اس کے سوا کچھ نہیں ہو تا کہ لوگوں کے خطوط ان کے گھروں تک پہنچا آئے۔ کسی مسلمان کے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ اور افسوسناک بات کوئی نہیں ہو سکتی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ اور انسانیت کی تعمیر نو میں آپ کا بنیادی کردار کم ظاہر کرنے کے لئے ایسی فتنہ پردازانہ کوششیں بروئے کار لائی جائیں۔ خود اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ" "اے نبیؐ، ہم نے آپؐ کو بتانے والا، خوشخبری سنانے والا ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا

بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۔

بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور چمکتا ہوا چراغ اور خوشخبری سنا دیجئے ایمان والوں کو کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑی بزرگی ہے ۔"

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کی عمارت دو بنیادوں پر قائم ہے ۔ یعنی قرآن مجید اور حدیث رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) چنانچہ اگر حدیث کو نکال دیا جائے تو اسلام کی پوری عمارت زمین پر آ رہے گی ۔ لہٰذا ہر مسلمان سے اسلام کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنائے اور آپؐ کی سنت مطہرہ کے مطابق زندگی بسر کرے

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۔ (الفتح : ۱۰)

"تحقیق جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں ۔"

"مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔" (النساء : ۸)

"جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا ۔"

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔" (آل عمران : ۳۱)

"کہہ دیجئے ، اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو ۔ تاکہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے ۔ کیونکہ پیغمبر اس لئے بھیجے جاتے ہیں کہ ان کی پیروی کی جائے ۔)

سورۂ احزاب آیت نمبر ۴۶ میں کہا گیا ہے کہ :

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۔"

"اور کسی ایمان دار مرد کا اور ایماندار عورت کا یہ کام نہیں کہ جب مقرر کر دے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام تو ان کو اپنے کام میں کچھ اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی سو وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا ۔"

اسی سورۃ کی اکیسویں آیت میں ارشاد ہے:

• لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ (احزاب: ۲۱)

تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ عمل ہے!

ایک دوسرے مقام پر کہا گیا ہے کہ:

" وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۝ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۔ (النساء: ۶۴ - ۶۵)

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اس کا حکم مانیں اللہ کے فرمانے سے اور اگر وہ لوگ جس وقت انہوں نے اپنا برا کیا تھا، تیرے پاس آتے پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کو بخشوانا تو البتہ اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے، سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے۔ پھر اپنے جی میں تیرے فیصلے سے کچھ تنگی نہ پائیں اور خوشی سے قبول کریں"

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہمیں کتنی محبت ہونی چاہئے؟ قرآن کریم اس سلسلے میں بڑی وضاحت سے فرماتا ہے کہ:

قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۔

(التوبة: ۲۴)

"آپ کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو پسند کرتے ہو تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں لڑنے سے تو انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ رستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو۔"

مندرجہ ذیل احادیث میں بھی اسی امر پر زور دیا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت ایمان کا اوّلین اور بنیادی تقاضا ہے:

(۱) "عن انس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔" (متفق علیہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں مؤمن ہوتا کوئی تم میں سے یہاں تک نہ میں اس کے لئے اس کے باپ، اولاد اور تمام آدمیوں سے بڑھ کر پیارا نہ ہوں۔"

(۲) وعنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثلاث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان من کان اللّٰہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما ومن احب عبدًا لا یحبہ الا للّٰہ ومن یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللّٰہ منہ کما یکرہ ان یلقی فی النار۔ (متفق علیہ)

انہی سے روایت ہے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں جس میں پائی جائیں، انسان کی وجہ سے ایمان کا مزہ پالیتا ہے (۱) وہ شخص کہ جسے اللہ اور اس کا رسولؐ سب سے زیادہ محبوب ہو۔ (۲) وہ شخص جو کسی دوسرے شخص سے محض اللہ کے لئے محبت کرتا ہے (۳) وہ شخص جو کفر میں لوٹنا ناپسند کرتا ہے بعد اس کے کہ اللہ نے اسے کفر سے بچا لیا جیسا کہ وہ ناپسند کرتا ہے کہ آگ میں ڈالا جائے۔

(۳) عن العباس بن عبد المطلب قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ذاق طعم الایمان من رضی باللّٰہ ربًا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا (صحیح مسلم)

حضرت عباس بن عبدالمطلب سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے: اس شخص نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جو اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور حضرت محمدؐ کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا۔"

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا یا کیا، اسے دوسرے مسلمانوں تک نہ پہنچ

اور اس کے اتباع کی ترغیب نہ دینا ایک گناہ ہے۔ اس لئے کہ آپؐ کا ہر قول و فعل اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی خفی یا وحی غیر متلو کے مطابق ہوتا تھا اور اس حیثیت سے مسلمانوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ حضورؐ کی سنت قولی اور فعلی آپؐ کے پیغمبرانہ فرائض منصبی کا ایک جزو لاینفک ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: " وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ "

(النجم: ۳-۴) یعنی حضورؐ صرف اس وقت کلام فرماتے ہیں جب اس کی مثبت ضرورت پیش آتی ہے اور ایسا آپؐ اس لئے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو ایسا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔"

قرآن مجید کی بہت سی آیات میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں حضورؐ کی رہنمائی کو آخری اور قطعی تصوّر کریں۔ اس لئے کہ آپؐ کی رہنمائی اللہ تعالیٰ کی جانب سے الہامی ہے۔ اور تمام مسلمانوں کے لئے اس کی اطاعت اسی طرح واجب ہے جس طرح قرآنی رہنمائی کی۔ اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں۔

" وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا " (الحشر: ۷)۔　" اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔"

لہٰذا اگر ہم سچے مسلمان بننا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ سنتِ نبویؐ کی مکمل پیروی کریں، ہمیں چاہئے کہ اس کی روح کو بھی سامنے رکھیں اور الفاظ کو بھی نظر انداز نہ کریں۔ (باقی آئندہ)

بقیہ فتاوی ص۱۹ سے آگے۔

البتہ قرآن پڑھانے، اس کے ذریعہ دم کرنے، یا اسی طرح کا کوئی ایسا کام کرنا جس کا فائدہ قاری کے علاوہ دوسروں کو پہونچے، اس پر اجرت لے سکتا ہے، کیوں کہ صحیح احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ جیسا کہ ابو سعید خدری کی حدیث ہے کہ انھوں نے سورہ فاتحہ کا دم کیا اور شفا ہوئی۔ اور انھوں نے چند بکریاں لیں۔ اسی طرح حضرت سہل کی حدیث ہے کہ حضور اکرمؐ نے ایک شخص کا ایک عورت سے اس شرط پر نکاح کیا تھا کہ اسے جو کچھ قرآن یاد ہے وہ عورت کو پڑھا دے گا۔ (اور اسی تعلیم کو آپ نے مہر قرار دیا تھا۔)

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص صرف تلاوت پر اجرت لے، یا تلاوت قرآن کے لیے قاریوں کی کوئی جماعت اجرت پر رکھے وہ سنتِ نبوی اور اجماع سلف صالحین کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔

و باللہ التوفیق وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم

پیام الکعبہ

خطبہ حرم

نیک بختی عظیم اور بلند پایہ مقصود ہے

امام حرم شیخ عبد اللہ خیاط حفظہ اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی کَتَبَ السَّعَادَةَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۔ اَحْمَدُهٗ سُبْحَانَهٗ وَهُوَ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ۔ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ سَیِّدُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَمَّا بَعْدُ.

اللہ کے بندو! سعادت بڑا اعلیٰ اور بلند و بالا مقصد ہے۔ مومن نفوس اسے حاصل کرنے کے لئے نگاہیں اٹھا اٹھا کر دیکھتے ہیں۔ کیونکہ آخرت میں سعادت ہی پر اعتماد ہوگا۔ جب سعادت مندوں کے چہرے جنت میں داخلے کے لئے دمک رہے ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خَالِدِیْنَ فِیْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّکَ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ۔ یعنی جو لوگ نیک بخت ہوں گے وہ جنت میں ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں مگر جو کچھ تمہارا رب چاہے۔ یہ ختم نہ ہونے والی بخشش ہے۔

یعنی اس عطا و بخشش کا سلسلہ نہ کبھی رکے گا نہ کٹے گا۔ ہمیشہ جاری رہے گا۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ سعادت حاصل کرنے میں مسلمان کو کوئی لمبی چوڑی مشقت نہیں برداشت کرنی ہے۔ بس ایمان اور عمل صالح ہی کا نام سعادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا

الْاَنْهَارُ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم لوگ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ ۔ اور ان کی تعظیم کرو۔ اور اللہ کو بہترین قرض دو تو میں تم لوگوں سے تمہارے گناہوں کو ضرور مٹا دوں گا۔ اور تمہیں ضرور ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی ۔

جاہلیت کے لوگ سمجھتے تھے کہ آسائش کی زندگی ، مال و دولت کی فراوانی اور اولاد کی کثرت کا نام ہے ۔ وہ کہتے تھے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کے لوگوں کو دنیا میں تو انعام و اکرام سے نوازے لیکن آخرت میں عذاب عظیم کے اندر مبتلا کرے ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال خام کو باطل قرار دیا۔ اور فرمایا۔

وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۔ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

یعنی ان کفار نے کہا کہ ہمارے پاس زیادہ مال و دولت اور اولاد ہے اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب جس کے لئے چاہتا ہے روزی پھیلا دیتا ہے (اور جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۔ تمہارے مال و اولاد ایسی چیز نہیں ہیں جو تمہیں ہمارے قریب کر دیں۔ مگر جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے ۔ (اس کو ہمارا قرب حاصل ہوگا۔)

اس معنی اور مطلب کی آیتیں بہت سی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ روزی کی کشادگی اور تنگی اللہ کی رضا اور ناراضگی کی دلیل نہیں ہے ۔ بلکہ یہ فرق ایک خاص حکمت کے تحت جاری ہے جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اسی میں بندوں کی مصلحت اور ان کا مفاد ہے ۔ چنانچہ ایک حدیث قدسی میں ارشاد ہے ۔

اِنَّ مِنْ عِبَادِيْ مَنْ لَوْ اَغْنَيْتُهٗ لَاَطْغَاهُ الْغِنٰى ۔ وَاِنَّ مِنْ عِبَادِيْ مَنْ لَوْ اَفْقَرْتُهٗ لَفَتَنْتُهٗ ۔ میرے بعض بندے ایسے ہیں کہ انہیں مالدار بنا دوں تو مالداری ان کو سرکش بنا دے گی ۔ اور بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر انہیں فقیر بنا دوں تو وہ فقیری کے سبب فتنے میں پڑ جائیں گے

بعض کا یہ خیال تھا کہ باپ دادا کی نیکی اور خاندانی شرف و وجاہت سے بھی سعادت حاصل کی جا سکتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کو طوفان میں غرق کر کے اور ان کی قوم کے ہلاک ہونے والوں کے ساتھ اسے بھی ہلاک کر کے اس خیال خام کو بھی باطل کر دیا۔ درحقیقت اس واقعے کی تہ میں اس عقیدے کو نہ

کرنے کی ایک کھلی ہوئی ہے کہ سعادتمندی حاصل کرنے میں دوسروں پر تکیہ کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت نازل ہوئی کہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ . آپ اپنی قوم کے قریب ترین لوگوں کو ڈرایئے ۔ تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے عام لوگوں کو بھی ڈرایا اور خاص لوگوں کو بھی ڈرایا۔ آپ نے فرمایا۔ جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ـــــ اے جماعت قریش! اپنے آپ کو خرید لو یعنی ایمان اور اخلاص عبادت کے ذریعہ ـــــ میں اللہ سے بچانے کے لئے تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ سے بچانے کے لئے تمہارے بھی کچھ کام نہیں آسکتا۔ اے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ سے بچانے کے لئے تمہارے بھی کچھ کام نہیں آسکتا۔ اور اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہ! تو بھی میرے مال میں سے جو چاہے مانگ لے لیکن میں اللہ سے بچانے کے لئے تیرے بھی کچھ کام نہیں آسکتا۔ (صحیح البخاری)

یہ حدیث سعادتمندی کے حصول میں باپ دادا کی نیکی اور حسب ونسب کی شرافت پر اعتماد کی جڑ ہی اکھاڑ پھینکتی ہے! اور اس کی تائید اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا یہ ارشاد کر رہا ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ. یعنی تم لوگوں میں سب سے زیادہ بزرگ اللہ کے نزدیک وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو اور یہ ارشاد بھی یہی معنی بتلا رہا ہے۔ فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَاءَلُوْنَ . فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ یعنی جب صور میں پھونک ماردی جائے گی (یعنی قیامت قائم ہوجائے گی) تو اس دن نہ ان میں باہم نسب ہوگا نہ وہ ایک دوسرے سے سوال کریں۔ بس جس کا میزان وزنی ہوگا وہی لوگ کامیاب ہوں گے ۔

پس اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو۔ اور پر فریب آرزوئیں تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دیں کہ تم ایمان وعمل صالح کے بغیر ہی سعادت مندی کی تلاش میں پڑ جاؤ۔ کیونکہ ایمان اور عمل صالح ہی حصول سعادت اور دخول جنت کا ذریعہ ہیں۔ اللہ عزوجل جو سب کچھ جانتا ہے اس کا یہ فرمان ہمیشہ یاد رکھو۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِىْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا ان کا رب ان کو ان کے ایمان کی بدولت ہدایت دیتا ہے۔ ان کے نیچے نعمتوں بھری جنتوں کے اندر نہریں بہہ رہی ہوں گی ۔

سعادت سب سے افضل کام ہے جسے اصحاب رشد کی راہ پر چلنے والے، ہدایت یافتہ لوگ حاصل کرنے کی تگ ودو کرتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِى الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ . ایسے لوگوں کو ان کے عمل کا کئی گنا زیادہ بدلہ ملے گا اور وہ بالا خانوں میں امن کے ساتھ ہوں گے۔

اَقُوْلُ قَوْلِىْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ لِىْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

از مجلس دائمہ، دار الافتاء۔ ریاض

مطبوعہ: ہفت روزہ الدعوۃ، ریاض
مملکت سعودیہ عربیہ

سوال:۔ کیا میت کے لیے قبر کی زیارت کے وقت سورہ فاتحہ یا قرآن حکیم کی دوسری آیت پڑھنا جائز ہے۔؟ اور کیا میت کو اس سے فائدہ پہونچتا ہے؟۔

جواب:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں متعدد روایات سے ثابت ہے کہ آپ قبروں کی زیارت فرماتے تھے اور مُردوں کے لیے دعائے خیر کرتے تھے۔ آپنے اپنے اصحاب کو بھی وہ دعائیں بتلائیں، اور انھوں نے آپ سے وہ دعائیں سیکھیں۔ انھیں دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے۔: السلام علیکم أهلَ الدیارِ مِنَ المؤمنینَ والمسلمینَ، وإنّا إن شاء اللهُ بکم لاحقونَ، نسألُ اللهَ لنا ولکمُ العافیةَ۔ (مومن اور مسلم گھرانے والو! تم پر اللہ کی سلامتی ہو، ہم بھی تم سے ان شاء اللہ ملنے ہی والے ہیں، ہم اپنے لیے اور تمھارے لیے اللہ سے عافیت طلب کرتے ہیں۔)

متعدد واقعات ایسے ملتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ قبروں کی زیارت بکثرت فرماتے تھے، لیکن کہیں قطعاً یہ ثابت نہیں کہ آپنے مردوں کے حق میں قرآن کی کوئی سورت یا آیت قبر کی زیارت کے وقت پڑھی ہو۔ اگر قرآن کی کسی سورت یا آیت کی تلاوت مشروع ہوتی تو آپ اسے یقیناً کرتے اور اپنے اصحاب سے بھی اسے بیان فرماتے، کیوں کہ آپ کو ثواب کی رغبت تھی اور آپ اپنی اُمت پر شفیق و مہربان تھے، اور آپ پر شریعت کے حکم کی تبلیغ فرض تھی، البتہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے انھیں اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: لقد جاءکم رسولٌ من أنفسکم عزیزٌ علیه ما عنتّم حریصٌ علیکم بالمؤمنین رؤوفٌ رحیمٌ»۔ (یعنی تمھارے پاس خود تمھارے اندر سے ایک ایسا رسول آیا ہے جس پر یہ بات شاق گزرتی ہے کہ تم مشکلات میں پڑو جو تمھاری (خیر خواہی) کا حریص ہے اور مومنوں کے لیے بڑا نرم دل اور مہربان ہے) جب اس عمل کے اسباب مہیا تھے اس کے باوجود آپنے اسے نہ کیا، تو نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ یہ کام شریعت کی نگاہ میں غیر مشروع

ہے ۔ آپ کے اصحاب نے اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے آپ کے نقش قدم کی پیروی کی، اور قبروں کی زیارت کے وقت صرف دعا اور عبرت حاصل کرنے پر اکتفا کیا۔ کسی بھی صحابی سے قبروں کی زیارت کے وقت قرآن کی آیت یا کسی سورہ کا پڑھنا منقول یا ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ عمل بدعت ہے جسے شریعت میں اپنی طرف سے ایجاد کر لیا گیا ہے، حالانکہ بسند صحیح آپ سے مروی ہے: "من احدث فی امرنا ھٰذا ما لیس منه فھو ردّ"۔ (ہماری اس شریعت میں جس نے کوئی ایسا کام ایجاد کیا جو اس دین سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔)

سوال:- بہت سے اسلامی ممالک میں ہمارا مشاہدہ ہے کہ قرآن پڑھنے کے لیے اُجرت پر قاری رکھا جاتا ہے، تو کیا قرآن کی تلاوت پر قاری اجرت لے سکتا ہے، اور جو شخص قاری کو اجرت دے کیا وہ گنہ گار ہوگا۔

جواب:- قرآن کی تلاوت خالص عبادت اور قربت کا کام ہے جس کے ذریعہ بندہ اپنے رب کی قربت حاصل کرتا ہے اس عبادت میں اور ایسی دوسری عبادات میں اصل یہ ہے کہ بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کا طالب اور اس کے ثواب کا متلاشی ہو۔ لوگوں سے اس کے بدلہ اور شکریہ کا طالب نہ ہو۔ اسی لیے سلف صالحین سے یہ بات معروف نہیں کہ انھوں نے کبھی بھی مردوں کے ایصال ثواب، تقریبات اور دعوتوں کے مواقع پر قرآن پڑھنے کے لیے قرار حضرات کو اجرت پر متعین کیا ہو، اور نہ ہی کسی امام سے یہ منقول ہے کہ اس نے اس کا حکم دیا ہو یا اس کی رخصت دی ہو، اور نہ ان میں سے کسی سے یہ منقول ہے کہ انھوں نے قرآن کی تلاوت پر اجرت لی۔ وہ حضرات تو صرف خدائے عزوجل کی خوشنودی اور حصولِ ثواب کی خاطر تلاوت کیا کرتے تھے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے وہ اپنی تلاوت پر لوگوں سے سوال کرنے سے پرہیز کرے، جو کچھ طلب کرنا ہو بس اللہ سے طلب کرے۔

امام ترمذی نے عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ وہ ایک مرتبہ ایک واعظ کے پاس سے گزرے وہ تلاوت میں مشغول تھا، پھر اس نے سوال کیا، اس پر عمران بن حصین نے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے۔ "من قرأ القرآن فلیسأل اللہ به، فانه سیجئ اقوام یقرؤن القرآن یسألون به الناس"۔ (جو شخص قرآن پڑھے وہ اس کے ذریعہ اللہ سے مانگے۔ کیونکہ کچھ قومیں آئیں گی جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے اس کے ذریعہ مانگیں گی۔)

(بقیہ صفحہ ۳۴ پر)

عالم اسلام

تھائی لینڈ : چار صوبوں میں اسلامی احکام کا نفاذ

تھائی لینڈ کی حکومت نے جنوب کے چار صوبوں یالا، پٹانی، ناراتھوب اور ساتون میں جہاں مسلم اکثریت ہے اور جو ملائشیا کے حدود سے متصل ہیں، ان صوبوں میں مسلمانوں کو اپنے روزمرہ مسائل میں عدالتوں کے اندر اسلامی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے کی اجازت دیدی ہے، اب ان پر تھائی لینڈ کا ملکی قانون لاگو نہیں ہوگا۔ یہ فیصلہ تھائی لینڈ کی کابینہ نے کیا ہے۔ واضح رہے کہ ایک عرصہ سے پٹانی کے مسلمان اپنے حقوق منوانے کے لیے مسلح اور غیر مسلح جد وجہد کر رہے تھے۔

افغانستان : ایک روسی قیدی سے انٹرویو

افغانستان میں مجاہدین کے بڑھتے ہوئے حملوں کی خبریں مسلسل آرہی ہیں۔ خدا کرے وہ ساعت جلد آجائے جب افغانستان روسیوں کے قبرستان میں تبدیل ہوجائے اور عالم اسلام کا یہ غیرت مند ملک اپنے امتحان میں سرخرو و کامران مکمل کر بقیہ عالم اسلام کے عز و وقار کا پیش خیمہ ثابت ہو۔

ذیل میں ہم ایک روسی فوجی کا انٹرویو نشر کر رہے ہیں جس سے جنگ افغانستان کے بہت سے پس پردہ حقائق بے نقاب ہوکر منظر عام پر آجاتے ہیں۔ یہ فوجی سات آٹھ مہینے سے مجاہدین کی قید میں ہے اور اس سے یہ انٹرویو افغانستان پریس نے لیا ہے۔ جسے اردنی جریدے "اللواء" نے ۱۸ راگست ۱۹۸۲ء کو اور اخبار العالم الاسلامی نے ۱۱ راکتوبر ۱۹۸۲ء کو شائع کیا ہے۔ اس فوجی نے اپنے تعارف سے متعلق ابتدائی سوالوں کے جواب میں بتایا کہ

میرا نام سارجنٹ ساوینکوف الیگزنڈر ہیتر وچ ہے۔ جمہوریہ یوکرائن کے "زیروزیا" علاقہ سے میرا تعلق ہے

میری عمر ۲۰ سال ہے، میں نے اپنی ابتدائی تعلیم "لیتا وہ وائی" ہائی اسکول میں مکمل کی، پھر میں نے ریلوے لائن بچھانے کی ٹریننگ لی، پھر مجھے جبری فوجی بھرتی کے تحت جون ۱۹۸۰ء میں فوج میں شمولیت اختیار کرنی پڑی، چوں کہ اس سے قبل میں نوجوان کمیونسٹ تنظیم کا ممبر رہ چکا تھا اس لیے مجھے جلد ہی ترقی مل گئی، اور چار ماہ سے بھی کم عرصہ میں مجھے سارجنٹ بنا دیا گیا، میں فوج کی رہنمائی، بٹالین میں تھا جو ریلوے ڈیپارٹ میں کام کرتی ہے۔ جبکہ میری والدہ ایک اسپتال میں نرس ہیں۔ ہمارا مکان لیتا وہ وائی میں روڈ نمبر ۵۰ پر واقع ہے مکان کا نمبر ۲۲ ہے۔

سوال :۔ مجاہدین نے تمھیں کس طرح گرفتار کیا ؟

جواب :۔ ۲۵ رجنوری ۱۹۸۲ء کو مجاہدین نے بگرام ایرپورٹ پر حملہ کیا وہاں پر ہماری بٹالین تعینات تھی۔ دوسری صبح جب ہم ہوائی اڈے جانے والی چرخی روڈ کی حفاظت کر رہے تھے، ہماری بکتر بند گاڑیاں ایرپورٹ سے ایک کلومیٹر دور کھڑی تھیں، میں اپنی گاڑی سے نکلا اور ہوا خوری کرتا ہوا لشکر گاہ سے کوئی ۴۰، ۵۰ قدم دور ایک درخت کے پاس کھڑا ہو گیا اور اپنے والدین کی یاد میں محو ہو گیا۔ عین اسی وقت میری گردن پر ایک ضرب لگی اور کسی نے اپنی ہتھیلی سے میرا منہ بند کر دیا، اسی لمحہ میں نے "اللہ اکبر" کی آواز سنی۔ معاً کسی نے میرے کان میں دھیمی آواز سے کہا میں انجینئر طارق ہوں، اگر ذرا بھی چیخنے کی کوشش کی تو فوراً قتل کر دوں گا"۔ پھر مجھے ۴۰۰ قدم دور ایک جگہ پہونچایا گیا، جہاں ان کے چار ساتھی پہلے سے گڑھوں میں چھپے ہوئے تھے، وہاں سے مجھے مجاہدین کے مورچے پر لیجایا گیا۔ پھر مجھے چند دن چرخی کی پہاڑیوں میں انجینئر طارق کے مورچے میں گزارنے پڑے اور اب چند ہفتوں سے ضلع کابل کے "سروبی" مورچہ میں مقیم ہوں۔

سوال :۔ گرفتاری کے وقت تم نے مزاحمت کیوں نہ کی، کیا تم ہتھیار سے لیس نہ تھے ؟

جواب :۔ میرے پاس اس وقت "کلاشنکوف" رائفل اور ایک ریوالور بھی تھا، یہ ایسا وقت تھا کہ کوئی روسی سپاہی بغیر ہتھیار کے نکلنے کی بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کہ اچانک ضرب نے مجھ سے ہمت و جرأت ہی چھین لی اور جس وقت میں نے اللہ اکبر کی آواز سنی میرے ذہن میں اپنے کمانڈر ڈپٹی ڈیوشک کے الفاظ دوڑ گئے جنھوں نے کئی مرتبہ نصیحت کی تھی کہ "جیسے ہی تم لوگ "اللہ اکبر" کی آواز سنو، فوراً آواز کی سمت فائرنگ کھول دو ورنہ تمھیں وہیں "اللہ اکبر" فنا کر دے گا۔ لیکن مجھے کسی بھی طرح کا رد عمل ظاہر کرنے سے پہلے ہی گرفتار کیا جا چکا تھا۔

سوال :۔ تم افغانستان کب آئے اور تمھارے دستہ کا کیا نام ہے ؟

اب :۔ میرا دستہ دسمبر ۱۹۸۰ء میں افغانستان بھیجا گیا ۔ اس کا نام شارانی یعنی محافظ ہے ، اس کا علاقائی نمبر ۵۱۵۶۱۶ ہے ۔

ال :۔ تمھارے دستے میں سپاہیوں ، بکتر بند گاڑیوں اور ٹینکوں کی تعداد کتنی ہے اور اس کے کمانڈر کا نام کیا ہے ؟

ابِ :۔ ہمارے پاس ۱۲ ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں تھیں ، فوجیوں کی تعداد ۳۰۰ تک پہنچتی ہے ۔ کمانڈر کا نام ۔ ڈرائیوسرکی بائرد وتیح ہے ، وہ فوج میں رینک بسر دائز رہے اور اس کا نائب دیوچیک فرسٹ لفٹنٹ ہے

ال :۔ تمھارا دستہ افغانستان کیسے پہونچا ؟ ۔

ابِ :۔ جس وقت میں نے زمیالی ، گروپ میں چھ ماہ کی فوجی ٹریننگ مکمل کرلی ۔ مجھے اپنے ساتھیوں سمیت اس دستہ میں بھیجدیا گیا ، ان دنوں یہ دستہ ملک کے مغربی علاقوں میں موجود تھا ، پھر ہم بارہ سو فوجی قازقستان ، ترکمانستان اور ترمذ کے راستہ سے ہوکر آمو دریا پہونچے ، آمو دریا عبور کرکے " مزار شریف " کے علاقہ میں داخل ہوئے ، یہاں سے ہم افغانستان کے بگرام ایرپورٹ کی طرف چل پڑے ۔ اس وقت یہ دستہ ایرپورٹ کی نگہداشت پر متعین ہے ۔

ال :۔ کیا اپنا سفر شروع کرنے سے پہلے تمھیں یہ معلوم تھا کہ افغانستان بھیجے جارہے ہو اور کیا اس لمبے سفر کے دوران کچھ مشکلات بھی پیش آئیں ؟ ۔

ابِ :۔ ہمارے کمانڈر نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا ، اس نے بعد میں اعلان کیا کہ ہمیں جنوب چلنا ہے ، تب ہمیں اپنی اصلی سمت معلوم ہوئی ۔ ہمیں بتایا گیا کہ یہ دہشت گرد لوگ (افغانی مجاہدین) روس پر حملہ آور ہیں ۔ اس پرمشقت سفر میں آمو دریا پار کرنے کے بعد نو دن لگ گئے ۔

ال :۔ کیا بگرام ایرپورٹ پر تمھیں مجاہدین کے کسی حملہ سے بھی دوچار ہونا پڑا ۔ ؟

ابِ :۔ مجاہدین ہر مہینے کم از کم دو مرتبہ حملہ کرتے ہیں ، ان میں سے مجھے دو حملے خاص طور سے یاد ہیں ۔

پہلا حملہ ۸ رجون ۱۹۸۱ء کو ہوا جس میں مجاہدین نے دو اسلحہ خانے مکمل طور پر برباد کردیے ، اس وقت وہاں بگرام اور کابل دونوں محاذ کے اسلحہ رکھے ہوئے تھے ، بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ یہ دونوں حملے افغان فوج کی مدد سے عمل میں آئے تھے ۔ حملہ کے وقت اتنی زبردست گولہ باری ہو رہی تھی کہ ہم سمجھے آتش فشاں پھٹ پڑا ہے ۔

دوسرا حملہ ۸ رجنوری ۱۹۸۲ء کی رات میں ہوا ، ہم نے دیکھا کہ اچانک اس جگہ شعلے بھڑک اٹھے جہاں مگ ۲۳ اور ہیلی کوپٹر وغیرہ کھڑے تھے ، ساتھ ہی فائرنگ شروع ہوگئی ، پھر جہازوں میں دھماکے شروع ہوگئے ۔

کیوں کہ ان کے نیچے دھماکہ خیز مادے رکھ دیے گیے تھے۔ حکومت نے افغان فوج کے چند کمانڈروں کو حادثہ کے بعد فوراً ہی گرفتار کر لیا اور ہماری بٹالین میں اس واقعہ سے متعلق سخت تحقیقات شروع ہو گئیں، لیکن جلد ہی ہوا باز کمانڈروں کو بری قرار دے کر چھوڑ دیا گیا، ایک ہفتہ کے بعد ہمارے کمانڈر نے بتایا کہ مجاہدین نے ۲۵ ہیلی کوپٹر اور ۱۲ مگ ہوائی جہاز برباد کر دیے۔

سوال :۔ تمھیں معلوم ہے کہ اب تک افغانستان میں کتنے روسی فوجی مارے جا چکے ہیں۔؟

جواب :۔ مجھے اس کا ٹھیک ٹھیک علم تو نہیں، البتہ یہ دیکھتا ہوں کہ بگرام ہوائی اڈے سے روزانہ ایک ہوائی جہاز روسی مقتولین اور زخمیوں کو روس لے جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ملک کے دوسرے مختلف ہوائی اڈوں سے بھی اس طرح کی پروازیں برابر ہوتی رہتی ہیں۔

سوال :۔ تمھارے خیال میں فوجیوں کی تعداد کیا ہوگی؟۔

جواب :۔ مجھے ان کی تعداد کا صحیح علم تو نہیں البتہ اتنا ضرور ہے کہ روس سے برابر نئی کمک پہنچتی رہتی ہے خصوصاً روسی فوجیوں کے قتل کے بعد۔

سوال :۔ خبروں میں بتایا جاتا ہے کہ روسی فوج دیہاتی علاقوں میں قتل عام کر رہی ہے۔؟

جواب :۔ ہمیں اس سلسلے میں واضح طور پر کچھ کہنے کی ممانعت ہے، لیکن جب کسی گاؤں پر فوجی کارروائی ہوتی ہے تو روسی فوج آپس میں بات چیت کرتے ہوئے عام طور پر مال غنیمت یعنی قیمتی لباس، زیورات، ٹیپ ریکارڈر اور ریڈیو وغیرہ کا تذکرہ کرتی ہے، جسے کارروائی کے دوران لوٹ کر لاتی ہے۔

سوال : معصوم لوگوں کے قتل کے وقت ان کے دلوں میں کوئی ردعمل نہیں ہوتا؟

جواب :۔ مجھے معلوم نہیں کہ لوگ کیا سوچتے ہیں، لیکن اس حد تک مجھے اس بات کا یقین ہے کہ یہ جنگ عام فوج نہیں لڑ رہا جا سکتی بلکہ بریژنیف اور اس کے رفقا رہی اس جنگ اور قتل عام کے خواہاں ہیں۔

سوال :۔ کیا تم کیمونسٹ نوجوانوں کی تنظیم میں اپنی رضا و رغبت سے شامل نہیں ہوئے تھے؟

جواب :۔ جو شخص روس میں باعزت زندگی گزارنا چاہتا ہو اس کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔ ورنہ سائبیریا کے تعذیبی کیمپ میں بھیج دیا جائے گا۔

سوال :۔ تم نے ایسا کوئی واقعہ سنا ہے کہ روسی فوج نے افغانستان میں جنگ کرنے سے انکار کر دیا ہو؟۔

جواب: ہاں بعض نے زنگر ورٹ اس قسم کی باتیں کرتے تھے، لیکن آپ کو یہ حقیقت نہیں بھولنی چاہیے کہ یہاں کوئی فوجی اپنی مرضی سے نہیں آیا ہے۔

سوال: کیا تم نے کسی غیر ملکی کو مجاہدین کے دوش بدوش لڑتے دیکھا ہے۔؟

جواب: میں مجاہدین کے ساتھ گزشتہ ۳ مہینوں سے ہوں اور وہ سب مجھے اپنے ساتھ کابل، پروان او ننگرھار کے مختلف مورچوں پر لے گئے مگر میں نے کسی امریکی، چینی، پاکستانی یا ایرانی کو جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے۔ نہیں دیکھا

سوال: بگرام ایرپورٹ پر متعین فوج کی تعداد کتنی ہے۔؟

جواب: پہلے مختصر تھی، یہ صرف آفسوں میں کام کرتے تھے لیکن ۸ رجون ۱۹۸۱ء کے حادثہ کے بعد ہمیں یہ ہدایت دی گئی کہ ہم افغان فوج کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھیں اور انھیں اپنے رشتے کنبے کے لوگوں سے نہ ملنے دیں

سوال: مجاہدین کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟

جواب: جب تک روس ان کی سرزمین پر موجود ہے وہ مجاہد ہی رہیں گے۔

سوال: جب مجاہدین تمھیں آزاد کردیں گے تو تم کیا کروگے۔

جواب: میری خواہش ہوگی کہ اپنے والدین سے ملاقات کروں اور اس منصب کو چھوڑ کر ایک بھولا بسرا انسان ہو جاؤں لیکن مجھے خطرہ ہے کہ روسی مجھے نہ چھوڑیں گے۔

سوال: آئندہ مجاہدین تمھارے ساتھ کیا سلوک کریں گے، اس بارے میں تمھارا خیال کیا ہے؟۔

جواب: وہ مجھے آزاد تو نہیں کریں گے لیکن قتل بھی نہیں کریں گے، میں نے ان لوگوں کو رحمدل انسان پایا ہے۔ یہ لوگ میدان جنگ کے علاوہ کہیں کسی کو قتل نہیں کرتے، میں اپنے وطن لوٹ کر ان ساری باتوں کا انکشاف کرنا چاہتا ہوں۔

اعلان

گزارش ہے کہ جمعیت اہلحدیث بھیلواڑہ، راجستھان سے متعلق خط و کتابت ذیل کے دو پتوں میں سے کسی ایک پتے پر کی جائے۔

(۱) صدر جمعیۃ اہلحدیث نزد جامع مسجد گل منڈی بھیلواڑہ (راجستھان) پن ۳۱۱۰۰۱

(۲) امام مسجد اہلحدیث " " " " "

خادم عبدالسلام ٹی، ٹی، ای

ہماری نظر میں

"تکفیر کے پردے میں"

تصنیف : مولانا نجم الدین احیائی فاضل دیوبند صفحات : ۱۸۴ ، سائز : ۲۰×۳۰/۱۶

کتابت ، طباعت ، کاغذ : عمدہ پتہ : ہلال بکڈپو مبارکپور ، اعظم گڈھ یوپی

مولانا نجم الدین احیائی دیوبندی اور بریلوی اختلافات پر اچھی نظر بھی رکھتے ہیں اور غالباً گہری دلچسپی بھی — اور ارشد القادری صاحب کے "زلزلے" کا جواب "زلزلہ در زلزلہ" کے نام سے لکھ کر دونوں حلقوں میں خاصے معروف بھی ہو چکے ہیں۔ اب انھوں نے اسی اختلافی موضوع پر مذکورہ بالا کتاب تصنیف کی ہے۔

کتاب میں خصوصیت سے اس بات کا تجزیہ کیا گیا ہے کہ بریلوی علماء نے اپنے مخالفین کی تکفیر کی مہم کیوں جاری کر رکھی ہے۔ موصوف نے مدلل تجزیے کے ذریعہ ثابت کیا کہ یہ مہم کسی غلط فہمی پر مبنی نہیں ہے، بلکہ جانتے بوجھتے ہوئے اہلِ حق کو اس لیے کافر کہا جا رہا ہے تاکہ قبر پرستی کی راہ سے بریلوی علماء کے دامن میں عوام کی گاڑھی کمائی کی جو بے اندازہ دولت چلی آ رہی ہے، وہ خطرے میں نہ پڑ جائے۔

مولانا کو شکایت ہے کہ علمائے دیوبند نے بریلوی حملے کے جواب میں خواہ مخواہ دفاعی اور معذرتی پوزیشن اختیار کی ہے، کیونکہ بریلوی علماء کی تحریریں اس قدر نامعقول مواد سے بھری پڑی ہیں کہ اگر ان کا پردہ پوری طرح فاش کر دیا جائے تو خود بریلوی عوام انھیں ان کے مقررہ مقام تک پہنچا دیں گے، لہٰذا دفاع اور معذرت کے بجائے حملہ آور ہونا چاہیے۔

مولانا نے جس پہلو کی نشاندہی کی ہے وہ واقعی حیرت افزا ہے۔ انھیں علمائے دیوبند کے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اور بعض دیگر اکابر نے اہلحدیثوں کے خلاف بلا ضرورت بھی زبان کھولی ہے تو بدزبانی کا ایسا مظاہرہ کیا ہے، ایسے جھوٹے اور غلط الزامات لگائے ہیں اور ایسی "بازاریت" پر اتر آئے ہیں کہ جبینِ شرافت عرق عرق ہو کر رہ گئی ہے، لیکن معلوم نہیں کیا مصلحت ہے کہ جب انھیں علماء کا تخاطب بریلویوں سے ہوتا ہے تو لب و لہجہ اس درجہ تبدیل ہو گیا ہے کہ ہمارے مولانا نجم الدین صاحب کو ان کے معذرت خواہانہ اسلوب پر شکوہ سنج ہونا پڑا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ خود مولانا نجم الدین بھی اس طرح کے جذبات سے مبرا نہیں ہیں۔ "انگریزوں سے مقابلہ آرائی کا کریڈٹ لینے اور احمد رضا خاں کی زبان سے اس کا اقرار کرانے کے لیے دیہات میں جمعہ قائم کرنے والے گروہ کا امام ... اہلِ دیوبند کو بتلا دیا۔ (صفحہ ۱۴۱) بتلائیے یہ کیا تک ہے؟۔

بہر حال مولانا نے بریلوی مکتبِ فکر پر حملہ آور ہونے کی جو تجویز پیش کی ہے، اس کے لیے بریلوی تحریروں سے کچھ دلچسپ نمونے بھی پیش کیے ہیں، جس سے بریلوی علم کلام کا کھوکھلا پن واضح ہوتا ہے۔ مثلاً فتاویٰ رضویہ ج۲ ص ۹۸ میں یہ دلچسپ

استدلال کہ "قبور اولیا کرام قدسنا اللہ باسرارہم پر چادر بقصد تبریک ڈالنا مستحسن ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ذٰلک ادنیٰ ان یعرفن فلا یؤذین (ص۵۵)۔ اس سے بھی زیادہ دلچسپ یہ انکشاف کہ جب مرید اپنی بیوی کے ساتھ مجامعت میں مشغول ہوتا ہے تو پیر لوگ وہاں موجود رہتے ہیں اور سارا ماجرا دیکھتے رہتے ہیں۔ (ص۱۲۷ بحوالہ الملفوظ ج ۲ ص۲۵،۲۶)

اور اس کے ساتھ یہ بھیانک انکشاف بھی کہ اب بریلوی علماء احمد رضا خان اور مولوی امجد علی کو خدا قرار دینے لگے ہیں۔ چنانچہ ایک بریلوی کتاب "البشیر القاری فی شرح البخاری" کا خطبہ یہ ہے۔ الحمد للہ الذی ھو امجد علی والذی ھو احمد رضا عند کل ذکی۔ حمد اس اللہ کی جو امجد علی ہے، اور جو ہر ذکی کے نزدیک احمد رضا ہے (ص۵۴، ۵۵) کتاب میں اس طرح کے مزید نمونے موجود ہیں۔

ص۱۲۹ قبر سے بزرگوں کے نکلنے اور تصرف کرنے کے عقیدے پر مصنف نے اعتراض کیا ہے جو بالکل بجا ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ مولانا اشرف علی کے گھر کے ایک بزرگ بھی قبر سے نکل کر گھر کے بچوں کو شیرینی دیتے ہیں اور بہو سے یہ وعدہ بھی کرتے ہیں کہ اگر وہ کسی کو خبر نہ کرے تو مرحوم موصوف برابر اسی طرح آکر شیرینی دیتے رہیں گے۔

مولانا! اپنے گھر کی بھی خبر لیجیے، یہاں بھی خرافات اتنی ہے کہ دونوں ایک ہی درخت کی دو شاخیں نظر آئیں گی۔ بس ایک ذرا زیادہ جھک گئی ہے۔

ص۴۲ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے لیے پردہ فرما جانے کی تعبیر معنی خیز ہے۔ ص۲۰ ود، سواع، یغوث، یعوق عرب نہیں، قوم نوح کے صالحین تھے۔ ص۳۶ قبر پرستی کی وبا ہندوستان سے باہر کم پھیلی۔ یہ صحیح نہیں۔ ص۸۵ بیعت رضوان بیٹھ کر نہیں کھڑے ہو کر لی گئی تھی۔ ص۲۵، ص۲۹، ص۳۱، ص۷۶، ص۸۷، ص۸۶، ص۸۸، ص۱۰۱، ص۱۲۶ وغیرہ پر کتابت، ترجمے یا محاورے کی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ کتاب بہرحال مفید، دلچسپ اور قابل مطالعہ ہے۔

حجازی نغمے

تصنیف: شاکر گیاوی　قیمت: ۲ روپئے ۵۰ پیسے۔ پتہ: گیا جنرل اسٹور بستوپور، جمشید پور

محترم شاکر گیاوی ایک کہنہ مشق شاعر اور مخلص عالم دین ہیں، حجازی نغمے ان کے دریائے سخنوری کا ایک قطرہ ہے، جو زیور طباعت میں آگیا ہے۔ اسلوب، بندش، محاورے، صوتی آہنگ، زیروبم اور عروض و قافیے، ہر چیز سے پختگی، قادر الکلامی، تفنن کلام اور تصرف سخن کی صلاحیت عیاں ہے۔ خوبی و کمال یہ ہے کہ سارا کلام اسلامی اور اصلاحی ہے۔ امت کے امراض کی تشخیص کی ہے اور پھر اس کا علاج بتلایا گیا ہے، اتحاد امت کی ترغیب پر خاصا زور صرف کیا گیا ہے۔ حمد و نعت اور متفرق تاریخ

(باقی ص۱۳ پر)

اللمحات

إلى ما فی أنوار الباری من الظلمات

مصنفہ: مولانا محمد رئیس صاحب ندوی حفظہ اللہ

بجنور کے ایک «مولانا احمد رضا» ، انوار البـاری کے نام سے صحیح بخاری کی اردو شرح لکھ رہے ھیں۔ موصوف نے اس شرح کے مقدمے میں امام بخاری اور دوسرے اکابر محدثین پر نہایت رکیک حاشیے کشے ھیں۔ اور احادیث کے سلسلے میں ان کی درخشاں ، تابناک اور بے نظیر خدمات کو نہایت بھونڈی اور مکروہ شکل میں پیش کیا ھے۔ ور اس سلسلہ میں مختلف کتابوں کی عبارتوں میں تاویل ، تحریف ، ھیرا پھیری اور توڑ مڑوڑ کی بھیانک اور تاریک حرکتوں کے ارتکاب سے بھی نہیں چوکے ھیں۔

پیش نظر کتاب «اللمحات» میں بجنوری صاحب کے اس کردار کی بھرپور نقاب کشائی کی گئی ھے۔ اور محدثین کے کارناموں پر ان کے چڑھائے ھوئے تاریک پردوں کو چاک کرکے اصل حقائق کو روشن کیا گیا ھے۔

اس سلسلے میں امت کے اندر فقھی اور فروعی اختلافات کے ابھرنے اور شدت اختیار کرنے کے اسباب کا نہایت بصیرت افروز تاریخی جائزہ لیتے ھوئے اس کے عبرتناک نتائج کا بھی ذکر کیا گیا ھے۔

اولین فرصت میں طلب کیجئے۔ (قیمت -/۲۸ Rs.)

DEC. MOHADDIS 1982
THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE
AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

Published from Markazi Darul-Uloom
Printed by Abdul Waheed